ماہنامہ
حنا
جنوری 2014
سالگرہ نمبر
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! جنوری 2014ء کا شمارہ بطور "سالگرہ نمبر" پیش خدمت ہے۔

اس شمارے کے ساتھ ہی حنا نے اپنی عمر کے چھتیسویں سال میں قدم رکھ لیا ہے، اس عرصہ میں آپ کی سرپرستی میں حنا جس طرح ترقی کی منازل طے کر رہا ہے اس پر ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے بھی مشکور ہیں۔ ہم اپنی مصنفین کے بھی مشکور ہیں جن کا بھرپور تعاون اس عرصہ میں ہمیں حاصل رہا۔ آپ کی حوصلہ افزائی ہر بار ہماری ہمت بندھاتی ہے اور ہم ایک نئے عزم سے آپ کے محبوب جریدے کی نوک پلک سنوارنے میں جت جاتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ کا تعاون ہمیں ہمیشہ حاصل رہے گا۔

یہ شمارہ سال 2014ء کا پہلا شمارہ ہے۔ سال گزشتہ جیسا بھی تھا، ماضی کا حصہ بن گیا۔ اب نیا سال، نئی امیدیں، نئے جذبے اور نئے عزم لئے شروع ہو گیا ہے، اب ہمیں ماضی کو بھول کر حال میں رہنا اور اپنا مستقبل سنوارنا ہے۔ اس سال ہم سب پاکستانیوں کو بحیثیت قوم بہت سے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ ادارہ حنا کی جانب سے آپ سب کو نیا سال مبارک ہو۔ اس دعا کے ساتھ کہ یہ سال ہم سب کے لئے خوشیوں کا پیغام لے کر آئے اور وطن عزیز پاکستان کو ترقی و استحکام نصیب ہو، آمین۔

ابن انشاء:۔ انشاء جی آج ہمارے درمیان نہیں، مگر ان کی یادیں ہمارے ساتھ ہیں، چاند نگر کا یہ جوگی آج بھی اپنے چاہنے والوں کے دلوں میں زندہ ہے۔ 11 جنوری کو ان کی برسی کے موقع پر قارئین سے ان کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اس شمارے میں:۔ ایک دن حنا کے نام میں ملیئے تحسین اختر سے، فرحت عمران کا مکمل ناول، سندس جبیں اور روبینہ سعید کے ناولٹ، نسرین خالد، مبشرہ ناز، ثمینہ بٹ، عالی ناز اور قرۃ العین ہاشمی کے افسانے، فوزیہ غزل، ام مریم اور سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

دل رفتہ جمال ہے اس ذوالجلال کا
مجمع جمیع صفات و کمال کا

ادارک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا
ادھر نہیں گزار گمان و خیال کا

حیرت سے عارفوں کو نہیں راہ معرفت
حال اور کچھ ہے یاں اہلوں کے حال و قال کا

ہے قسمت زمین و فلک سے غرض نمود
جلوہ وگرنہ سب میں ہے اس کے جمال کا

مرنے کا بھی خیال رہے میر گر تجھے
ہے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

میر تقی میر
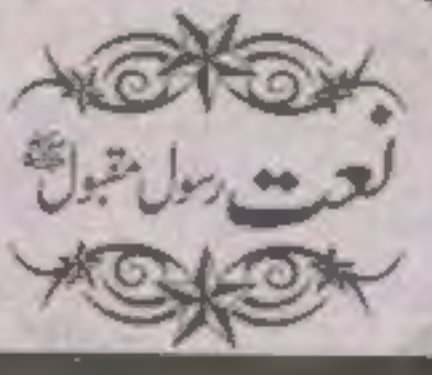
ہے تیری ذات میں اسوۂ سب کے لئے
تو وہ اسوۂ حسن تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے ختم الرسل تو ہے خیر البشر
تو ہے نور البشر تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شفیع الامم تو ہے بحر کرم
تو ہے ابر کرم تجھ پہ لاکھوں سلام

تو امام الرسل ہر دوارض و سماء
تو حبیب خدا تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شہر علم تو ہے فخر البشر
تو ہے بحر سخاء تجھ پہ لاکھوں سلام

کیوں نہ تجھ پہ فدا ہو دل و جاں مری
تو ہے جان منیر تجھ پہ لاکھوں سلام

منیر عالم

سخاوت

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

"اے ابوذر (رضی اللہ عنہ)! مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس کوہ احد کے برابر سونا ہو، اور تیسرے دن تک اس میں سے میرے پاس ایک اشرفی بھی بچ رہے، سوائے اس کے جو ادائے قرض کے لیے ہو، تو اے ابوذر میں اس مال کو دونوں ہاتھوں سے خدا کی مخلوق میں تقسیم کر کے اٹھوں گا۔" (صحیح بخاری، کتاب الاستقراض ص 321)

ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چھ اشرفیاں تھیں، چار تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرچ کر دیں اور دو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بچ رہیں، ان کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام رات نیند نہ آئی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔

"معمولی بات ہے، صبح ان کو خیرات کر دیجئے گا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اے حمیرا! (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لقب ہے) کیا خبر ہے میں صبح تک زندہ رہوں یا نہیں۔"

قناعت و توکل

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے دن کے واسطے کسی چیز کا ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

یعنی جو چیز ہوتی کھلا پلا کر ختم فرما دیتے، اس خیال سے کہ کل پھر ضرورت ہو گی، اس کو محفوظ نہ رکھتے تھے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غایت درجہ توکل تھا کہ جس مالک نے آج دیا ہے، وہ کل بھی عطا فرمائے گا، یہ صرف اپنی ذات کے لیے تھا، ورنہ ازدواج کا نفقہ ان کے حوالے کر دیا جاتا تھا کہ وہ جس طرح چاہیں تصرف میں لائیں، چاہیں رکھیں یا تقسیم کر دیں، مگر وہ بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواج تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں ایک بار دو گونیں درہموں کی نذرانہ کے طور پر پیش کی گئیں، جن میں ایک لاکھ درہم سے زیادہ تھے، انہوں نے طباق منگوایا اور بھر بھر کر تقسیم فرما دیا، خود روزہ دار تھیں، افطار کے وقت ایک روٹی اور زیتون کا تیل تھا، جس سے افطار فرمایا۔

باندی نے عرض کیا۔

"ایک درہم کا اگر آج گوشت منگا لیتیں تو آج ہم اسی سے افطار کر لیتے۔"

ارشاد فرمایا۔

"اب طعن دینے سے کیا ہو سکتا ہے اسی

وقت یاد دلا دیتی تو میں منگا دیتی۔" (خصائل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"مجھ کو یہ بات خوش نہیں آتی کہ میرے لیے کوہ احد سونا بن جائے اور پھر رات کو اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہے، بجز ایسے دینار کے جس کو کسی واجب مطالبہ کے لیے تھام لوں اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال سخاوت وجود و عطا کی دلیل ہے، چنانچہ اسی کمال سخاوت کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقروض رہتے تھے، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت وفات پائی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ اہل و عیال کے اخراجات میں رہن رکھی ہوئی تھی۔ (نشر الطیب)

انکسار طبعی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابروئے عادت سخت گو نہ تھے اور نہ تکلف سخت گو بنتے تھے اور نہ بازاروں میں خلاف وقار باتیں کرنے والے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے بلکہ معاف فرما دیتے تھے، بغایت حیا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کسی شخص کے چہرے پر نہ ٹھہرتی تھی اور کسی نامناسب بات کا اگر کسی ضرورت سے ذکر کرنا ہی پڑتا تو کنایہ فرماتے۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر دل کے کشادہ تھے، بات کے سچے تھے، طبیعت کے نرم تھے، معاشرت میں نہایت کریم تھے اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت کرتا، اس کی دعوت منظور فرماتے اور ہدیہ قبول فرماتے اگرچہ (وہ ہدیہ یا طعام دعوت) گائے یا بکری کا پایہ ہی ہوتا اور ہدیہ کا بدل بھی دیتے تھے اور دعوت غلام کی اور آزاد کی اور لونڈی کی اور غریب کی سب کی قبول فرما لیتے اور مدینہ کی انتہائی آبادی پر بھی اگر مریض ہوتا، اس کی عیادت فرماتے اور معذرت کرنے والے کا عذر قبول فرماتے اور کبھی اپنے اصحاب میں پاؤں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھے گئے، جس سے اوروں پہ جگہ تنگ ہو جائے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا اس کی خاطر کرتے اور بعض اوقات اپنا کپڑا اس کے بیٹھنے کے لیے بچھا دیتے اور گدا تکیہ خود چھوڑ کر اس کو دے دیتے اور کسی شخص کی بات بیچ میں نہ کاٹتے اور تبسم فرمانے میں اور خوش مزاجی میں سب سے بڑھ کر تھے، جب تک کہ حالت نزول وحی یا وعظ یا خطبہ کی نہ ہوتی (کیونکہ ان حالتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک جوش ہوتا تھا) جس میں تبسم اور خوش مزاجی ظاہر نہ ہوتی تھی۔ (نشر الطیب)

دیانت و امانت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز فرمایا تو ساری قوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمن بن گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، لیکن اس حالت میں بھی کوئی مشرک ایسا نہ تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیانت و امانت پر شک کرتا ہو، بلکہ یہ لوگ اپنا روپیہ پیسہ وغیرہ لا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے پاس امانت رکھواتے تھے اور مکہ میں کسی دوسرے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر امین نہیں سمجھتے تھے۔

ہجرت کے موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پیچھے چھوڑنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ تمام لوگوں کو امانتیں

واپس کر کے مدینہ آئیں۔(مدارج النبوۃ)

تواضع

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"مسلمانو! میری تعریف حد سے زیادہ نہ کرو، جس طرح عیسائیوں نے ابن مریم علیہ السلام کی تعریف کی ہے، کیونکہ میں خدا کا بندہ ہوں، بس تم میری نسبت اتنا ہی کہہ سکتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے بندے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔" (مدارج النبوۃ، زادالمعاد، شمائل ترمذی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصاء پر ٹیک لگائے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کھڑے ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، اس طرح تم نہ کھڑے ہوا کرو اور فرمایا، میں خدا کا بندہ ہوں، اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح بندے کھاتے ہیں اور اسی طرح بیٹھتا ہوں، جس طرح بندے بیٹھتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بردباری اور متواضعانہ عادت کریمہ کی وجہ سے تھا۔(مدارج النبوۃ)

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں چند صحابہ رضی اللہ عنہا نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کا کام تقسیم فرمالیا، ایک نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا، دوسرے نے کھال اتارنا، کسی نے پکانا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"پکانے کے لئے لکڑی اکٹھا کرنا میرے ذمہ ہے۔"

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کام ہم خود کرلیں گے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کو بخوشی کرلو گے لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں مجمع میں ممتاز رہوں اور اللہ تعالیٰ بھی اس کو ناپسند فرماتے ہیں۔" (خصائل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بازار آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سراویل..... کو چار درہم میں خریدا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وزن کرنے والے سے فرمایا۔

"قیمت میں مال کو خوب کھینچ کر تولو۔" (یعنی وزن میں کم یا برابر نہ لو، بلکہ زیادہ لو۔)

وہ شخص وزن کرنے والا حیرت زدہ ہو کر بولا۔

"میں نے کبھی بھی کسی کو قیمت کی ادائیگی میں ایسا کہتے نہیں سنا۔"

اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"افسوس ہے تجھ پہ کہ تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پہچانتا۔"

پھر تو وہ شخص ترازو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست

مبارک کو بوسہ دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک کھینچ کر فرمایا۔

"یہ عجمیوں کا دستور ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں اور سربراہوں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں، میں تو تم ہی میں سے ایک شخص ہوں۔"

(یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہ تواضع فرمایا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی) اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراویل کو اٹھالیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر ارادہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سراویل کو لے لوں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"سامان کے مالک کا ہی حق ہے کہ وہ اپنے سامان کو اٹھائے، مگر وہ شخص جو کمزور ہے اور اٹھا نہ سکے تو اپنے اس بھائی کی مدد کرنا چاہیے۔" (مدارج النبوۃ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پرانے پالان پر حج کیا، اس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، جو چار درہم کا بھی نہ ہوگا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگ رہے تھے "یا اللہ اس حج کو ایسا حج فرمائیے، جس میں ریا اور شہرت نہ ہو۔" (شمائل ترمذی)

جب مکہ فتح ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ اس میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عاجزی اور تواضع سے سر کو پالان پر جھکا دیا تھا، یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس کے اگلے لکڑی کے سرے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر لگ جائے۔(کتاب الشفاء)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبوب کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا، اس کے باوجود پھر بھی وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پسند نہ تھی۔(شمائل ترمذی)

ایک مرتبہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے کچھ ایلچی آئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی خاطر مدارت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگے۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی خدمت کی سعادت ہمیں عنایت فرمائیے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"انہوں نے ہمارے صحابہ کی بڑی خدمت اور تکریم کی ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ ان کا بدلہ ادا کردوں۔" (مدارج النبوۃ)

صاف دل ہونا

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی کہ "میرے صحابہ میں سے مجھ سے کوئی شخص کسی کی کوئی بات نہ پہنچایا کرے کیونکہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میرا دل تم سب کی طرف سے صاف ہو۔" (ابو داؤد، ترجمان السنہ، کتاب الشفاء)

نرمی اور شفقت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے خوش اخلاق تھے، ایک روز مجھے کسی ضرورت کے لئے

بھیجا۔

میں نے کہا۔

"خدا کی قسم! میں نہ جاؤں گا" اور میرے دل میں یہ تھا کہ جو حکم مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے، اس کے لئے ضرور جاؤں گا۔

پھر میں نکلا اور میرا گزر کچھ بچوں پر ہوا جو بازار میں کھیل رہے تھے، اتنے میں ناگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سر کے بال پیچھے سے پکڑے، جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنستا پایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"انس! تم وہاں گئے تھے، جہاں میں نے تم کو بھیجا تھا؟"

میں نے کہا۔

"ہاں جاؤں گا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔" (مشکوۃ، حیاۃ المسلمین)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت، اس وقت سے کی جب کہ میں آٹھ برس کا تھا، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت دس برس تک کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بات پر جو میرے ہاتھ سے ہوتی مجھے ملامت نہیں کی، اگر اہل بیت میں سے کسی نے بھی ملامت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اس کو چھوڑ دو اگر تقدیر میں کوئی بات ہوتی ہے تو ہو کر رہتی ہے۔" (مشکوۃ)

گھر سے باہر جانے کی دعا

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جب کوئی آدمی اپنے گھر سے نکلے تو کہے۔"

بسم اللہ توکلت علی اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ترجمہ: میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر میرا بھروسا ہے۔

کسی خیر کے حاصل کرنے یا کسی شر سے بچنے میں کامیابی اللہ ہی کے حکم سے ہو سکتی ہے، تو عالم غیب میں اس آدمی سے کہا جاتا ہے (یعنی فرشتے کہتے ہیں۔)

"اللہ کے بندے تیرا یہ عرض کرنا تیرے لئے کافی ہے، تجھے پوری رہنمائی مل گئی اور تیری حفاظت کا فیصلہ ہو گیا اور شیطان مایوس و نامراد ہو کر اس سے دور ہو جاتا ہے۔"

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، معارف الحدیث، حص حصین)

اور جب سنت فجر پڑھ کر اپنے گھر سے نماز فجر کے لئے نکلے تو اثناء راہ میں یہ دعا پڑھے۔

اللھم اجعل فی قلبی نوراً اللھم اعطنی نوراً

(السنن لابی داؤد، بخاری و مسلم، عن ابن عباس، حصن حصین)

☆☆☆

☆☆☆

جنوری کی سرد راتیں

ابن انشاء

دل بہلنے کی نہیں کوئی سبیل دیکھتا ہوں آ کے اکثر ہوش میں

جنوری کی سرد راتیں ہیں طویل کوئی ظالم ہے میری آغوش میں

ڈالتا ہوں اپنے ماضی پر نگاہ خود کو تنہا ہی مگر پاتا ہوں میں

گاہے گاہے ہے کھینچتا ہوں سرد آہ پھر گھڑی بھر بعد سو جاتا ہوں میں

کس طرح اب دل کی رہ پر لاؤں میں پھر کسی کو دیکھتا ہوں خواب میں

کس بہانے سے اسے بہلاؤں میں اس دفعہ پہچان لیتا ہوں تمہیں

سب کو محو خواب راحت چھوڑ کے بھاگ جاتے ہو قریب صبح دم

نیند آتی ہے شبستاں میں مرے چھوڑ دیتے ہو رہین رنج و غم

مجھ کو سوتے دیکھ کر آتا ہے کوئی مجھ کو تم سے عشق تھا مدت ہوئی

میرے سینے سے چمٹ جاتا ہے کوئی ان دنوں تم کو بھی الفت مجھ سے تھی

کم نگاہی اقتضائے سال و سن — دل یہ کہتا ہے کہ دیکھیں تو سہی

کیا ہوئی تھی بات جانے ایک دن — جس میں اتر تھا ہمارا کارواں

بند اپنا آنا جانا ہو گیا — اب بھی ممکن ہے وہ خالی ہو مکاں

اور اس پر ایک زمانہ ہو گیا — آج تک دیتے رہے دل کو فریب

تم غلط سمجھے ، ہوا میں بدگمان — اب نہیں ممکن ذرا تاب شکیب

بات چھوٹی تھی مگر پہنچی کہاں — آؤ میرے دیدۂ تر میں رہو

جلد ہی میں تو پشیماں ہو گیا — آؤ اس اجڑے ہوئے گھر میں رہو

تم کو بھی احساس کچھ ایسا ہوا — حوصلے سے میں پہل کرتا تو ہوں

نشۂ پندار میں لیکن تھے مست — دل میں اتنا سوچ کر ڈرتا بھی ہوں

تھی گراں دونوں پہ تسلیم شکست — تم نہ ٹھکرا دو میری دعوت کہیں

ہجر کے صحرا کو طے کرنا پڑا — میں یہ سمجھوں گا اگر کہہ دو ''نہیں''

مل گیا تھا رہنما امید سا — گردش ایام کو لوٹا لیا

ہے میری جرأت کی اصل اب بھی یہی — میں نے جو کچھ کھو دیا تھا پا لیا

☆☆☆

جب عمر کی نقدی ختم ہوئی

بیاد انشاء

بیاد انشاء کے سلسلے میں یہ کالم پروین شاکر نے انشاء جی کی وفات پر لکھا جسے ہم انشاء جی کی سالگرہ کے موقع پر شائع کر رہے ہیں۔

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

وہ حیران تھی کہ ابراہیم جلیس کے جانے کے بعد بھی یہ شعر مجھے اب تک اپنی گرفت میں کیوں لئے ہوئے ہے، 1978ء کی بارہویں صبح نے میری حیرت کا جواب دے دیا، چاند نگر کا باسی، شہر سخن کا جوگی، سواد جسم کا سفر ابن انشاء ہم سے بچھڑ گیا۔

اردو کے اس البیلے شگفتہ بیان کی فنی منصب کے متعلق کچھ کہنا اس وقت میرے بس میں نہیں، ہاں اتنا ضرور کہوں گی کہ فی زمانہ جبکہ ہر اخبار اپنی مالی اور اخلاقی استطاعت کے مطابق ایک نہ ایک کالم نگار ضرور رکھتا ہے، انشاء جی کے لئے پالیسی وضع کرنے کی جرأت کسی میں نہ ہوئی، اپنے موضوعات کا تعین وہ خود کرتے تھے اور ان کے قلم کی گرفت میں آتے ہی بات کیا سے کیا ہو جاتی تھی، کلاسیکی ادب کا رچا ہوا ذوق، مشاہدے کی دل آویزی، گہرائی اور انداز بیان کی ندرت، یہ سب کچھ مل کر ان کے کالم کو ایک دن کی عمر والے کالموں سے بالکل مختلف بنا دیتی ہے، اپنے سیاق وسباق سے ہٹ کر بھی یہ زندہ جاوید ہیں، ان کالموں کے بارے میں مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ذریعے انشاء جی نے ہماری حس مزاح کی تہذیب کی۔

جہاں تک ان کی شخصیت کا تعلق ہے، تو اس کے بارے میں کچھ کہنا ان لوگوں کا حق بنتا ہے، جو ان کے بارے میں کچھ کہنا ان لوگوں کا حق بنتا ہے، جو ان کے بہت قریب تھے، عالی صاحب ہیں، اشفاق احمد صاحب، احمد بشیر صاحب ہیں، لیکن انشاء جی نے خلوص کی دولت دونوں ہاتھوں سے لٹائی تھی اور ان کے مقروض مجھ، جیسے بے ہنر بھی ہیں۔

انشاء جی سے میری پہلی ملاقات ریڈیو اسٹیشن پر ہوئی، ان دنوں ہم لوگ اردو شاعروں پر ایک سیریز ''فنکار'' کے نام سے کر رہے تھے، میں نے ان کی شاعری پہ مضمون لکھنا چاہا تو مجھے ''چاند نگر'' کے ساتھ انہوں نے ''اسی بستی کے اک کوچے میں'' کا مسودہ بھی تھما دیا، میں مبہوت ہو گئی۔

''انشاء جی! آپ مجھے مسودہ دے رہے ہیں، حالانکہ میری آپ سے یہ پہلی ملاقات ہے۔''

''اسی لئے تو دے رہا ہوں تاکہ یہ آخری ملاقات نہ بن جائے۔''

انشاء جی کی اس شگفتہ تاویل سے قطع نظر، جس چیز نے مجھے سرشار کر دیا، وہ ان کا مجھ پر اعتبار تھا، ہمارے درمیان قلم کا رشتہ تھا اور یہ رشتہ ان کی بڑائی کی وجہ سے ساری عمر معتبر رہا۔

اپنے مضمون میں، میں نے انشاء جی کے ہاں ''چاند'' کے کردار کا موازنہ شیلے کے ''تصور مہتاب'' سے بھی کیا تھا اور اپنی دانست میں بڑا معرکہ سر کیا تھا، پروگرام کے دوران انشاء جی بے

حد سنجیدہ بیٹھے رہے، مگر دبیز چشمے کے پیچھے سے ان کی آنکھیں برابر مسکرائے جا رہی تھیں، اسٹوڈیو سے باہر نکلتے ہوئے انہوں نے بڑی آہستگی سے مجھ سے کہا۔

''بھئی! تمہارا مضمون تو بہت خوب تھا، مگر یہ جو تمہارے شیلے صاحب ہیں ناں، انہیں ہم نے پڑھا وڑھا بالکل نہیں ہے۔''

اس دور میں جبکہ موسم اور کوئنس پرابلم پر بھی گفتگو کرتے ہوئے دانشور ''نطشے یا سارتا پالورکا'' سے بات شروع کرنا پسند کرتے ہیں، ایک بہت بڑے آدمی کا، چھوٹا سا اعتراف میرا دل موہ گیا اور یوں ہمارے درمیان ساری عمر کے لئے ایک انڈر اسٹینڈنگ قائم ہو گئی، ریڈیو پر جب بھی میری ریکارڈنگ ہوتی، یہ بہت کم ہوا کہ میں ان سے ملنے تھیوسوفیکل ہال ان کے دفتر نہیں گئی، کتابوں کے جھرمٹ میں گھرے ہوئے انشاء جی دیکھتے ہی مسکراتے اور ان کا پہلا سوال عموماً یہی ہوتا۔

''سناؤ بھئی! کوئی نظم لکھی تم نے؟''

ایک دفعہ شرارتاً میں نے کہہ دیا۔

''کوئی نیا کالم لکھا آپ نے؟''

انشاء جی نے چوٹ کو انجوائے کیا، مگر پھر اداس ہو گئے، میں نے انہیں بہت کم اداس دیکھا تھا، کہنے لگے۔

''اب شعر نہیں ہوتے، لوگ میری شاعری بھولتے جا رہے ہیں، کالم یاد رکھے گئے ہیں۔''

تب میں نے انہیں یقین دلایا کہ ''ایسا نہیں ہے، آپ کی بنیادی حیثیت شاعری کی ہے، لیکن چونکہ ''چاند نگر'' کے بعد سے آپ کا کوئی مجموعہ نہیں آیا اور کالم لوگ ہر ہفتے پڑھ لیتے ہیں، اس لئے وہ آپ کو ایک کالمسٹ ہی سمجھ بیٹھے ہیں۔''

''نہیں بھئی! کالم تو میں ہی لکھتا ہوں، کبھی کبھی تو دفتر میں ہی بیٹھے بیٹھے لکھ جاتا ہوں۔''

''جی ہاں! کبھی کبھی ایسا ہی لگتا ہے۔''

انشاء جی کا موڈ ایک دم خوشگوار ہو گیا، کہنے لگے۔

''کسی دفتری کالم میں تمہاری خبر لوں گا۔''

لیکن وہ بڑے ظرف کے آدمی تھے، انہیں صرف چھیڑنے میں مزا آتا تھا، رلانے کی حد تک تنگ کرنا، کبھی ان کے مذہب میں شامل نہیں رہا، ان کا ظرف تو ایسا تھا کہ ان کی زندگی میں ہی ایک فلمی شاعر نے ان کی شہرۂ زمانہ غزل پر کمال ڈھٹائی سے ہاتھ صاف کیا اور وہ بجز ایک شائستہ احتجاجی کالم لکھنے کے اور کچھ نہ کر سکے۔

☆☆☆

مجھے معلوم ہے کہ ان کی یاد میں بڑے تعزیتی اجلاس ہوں گے، ان کے پسماندگان کے سلسلے میں بڑی قراردادیں پاس ہوں گی، کسی فنڈ کے قائم کرنے کی تجویز، حکومت کو وظیفہ دینے پر آمادہ کرنے کا مشورہ، لیکن بڑی معذرت کے ساتھ میں یہ کہنا چاہوں گی کہ اپنی تمام تر خوب صورتی کے باوجود، ان الفاظ کی کواہی کوئی ایسی معتبر نہ ہو گی، جو برادری زندہ رہتے ہوئے اپنے ایک فرد کے مفادات کا تحفظ نہ کر سکی، وہ اس کے مرنے کے بعد اس کے لواحقین کے لئے بھلا کس حد تک مخلص ثابت ہو سکتی ہے۔

یاد آ رہا ہے کہ کچھ عرصے پہلے ٹیلی وژن سے نئے شاعروں پر ایک سیریز شروع کی گئی تھی، ''نئی آواز'' میرا نمبر آیا تو میں نے ڈاکٹر کشفی اور ابن انشاء کا نام تجویز کیا۔

''خوشبو'' کا مسودہ جس شخص نے سب سے پہلے دیکھا، وہ ابن انشاء ہی تھے، مسودہ ہاتھ میں

لیا تو وہ بولے۔

''بتاؤ تم سے کیسا سلوک کیا جائے؟''

''ویسا ہرگز نہیں جو اردو زبان کا ایک شاعر دوسرے شاعر کے ساتھ کرتا ہے۔''

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے، پھر گردن ذرا سی اونچی کر کے بولے۔

''لڑکی! تم سے انصاف کیا جائے گا۔''

دوسرے دن ان کا فون آیا۔

''فوراً پہنچو۔'' میں بھاگم بھاگ دفتر گئی تو وہ میرے اشعار کے اعداد و شمار لئے بیٹھے تھے اور ایک بچے کی سی معصومیت کے ساتھ مجھے میری اپنی تفصیلات فراہم کر رہے تھے، اس بار مسکرانے کی باری میری تھی، لیکن میرے ہونٹوں پر نمودار ہونے والے پہلے خم کے ساتھ ہی انشاء جی نے فائل بند کر دی اور بے بسی سے مسکرائے۔

''مشکل یہ ہے کہ تم نے ایم اے انگریزی میں کیا ہوا ہے۔''

پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ''نئی آواز'' انہوں نے کس محبت اور اپنائیت کے ساتھ کیا، انہوں نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ دن دور نہیں جب ''خوشبو'' ہر تکیے کے نیچے ملے گی، مجھے نہیں معلوم کہ ان کی یہ پیش بینی کس حد تک سچی ثابت ہوئی، لیکن آج اگر وہ زندہ ہوتے تو ''خوشبو'' کی پذیرائی پر کتنے خوش ہوتے، انہیں اس کے ٹائٹل کی بھی بڑی فکر تھی۔

''بھئی صادقین سے بنوانا۔'' انہوں نے کئی بار مجھ سے کہا تھا، کاش وہ اپنی اس خواہش کی تکمیل دیکھ سکتے۔

اسی پروگرام کے دوران ڈاکٹر کشفی نے میرا ایک شعر پڑھا تھا۔

دشمن ہے اور ساتھ رہے جان کی طرح
مجھ میں اتر گیا ہے سرطان کی طرح

مجھے یاد ہے کہ اس شعر کو سراہنے کے باوجود انشاء جی نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

''مگر بھئی، اس شعر کی امیجری بہت خوفناک ہے۔''

اس وقت تو بات ہنسی مذاق میں ٹل گئی، پر کون کہہ سکتا تھا کہ جس مرض کا محض علامتی وجود انہیں شعر تک میں گوارا نہیں تھا، ایک دن خود ان کے جسم میں سرایت کر جائے گا اور یہ ہنستا ہنساتا، ایک زمانے کو اپنا اسیر رکھنے والا پیارا آدمی ایک دن اس ہزار پا کے شکنجے میں یوں کس جائے گا کہ اس کے پیارے آنسو بہا رہے ہوں گے اور اسے خبر بھی نہ ہو گی۔

مگر نہیں، شاید اپنے جانے کی اسے کچھ کچھ خبر ہو گئی تھی کہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ایک دنیا کو مسکراہٹ بانٹنے والا، ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔

اب عمر کی نقدی ختم ہوئی!
اب ہم کو ادھار کی حاجت ہے
ہے کوئی جو ساہو کار بنے
ہے کوئی جو دیوان ہار بنے
کچھ سال، مہینے، دن، لوگو!
پر سود بیاج کے بن لوگو!
ہاں اپنی جاں کے خزانے سے
ہاں، عمر کے توشہ خانے سے

اسے کیا خبر کہ اس کے لئے سال مہینے، دن کیا، لوگ پوری پوری زندگیاں لئے کھڑے تھے، عمر کے توشہ خانے کے سب خزانے اس کے نام تھے، پر تقدیر کے آگے سب کے سکے کھوٹے نکلے اور ایک سانس بھی اس کا قرض نہ چکا سکی۔

☆☆☆

خواب کم کم آتے ہو

کرن اُجالا

اب خواب میں کم کم آتے ہو
کیا بن میں دیپ جلاتے ہو؟

لگتا ہے بہت مصروف ہو تم!
اب خواب میں کم کم آتے ہو؟

کوئی الجھن ہے؟
ہر شے کے دام لگاؤ تم

کوئی مشکل ہے؟
کچھ نقد ادھار بتاؤ تم

کوئی اور بھی رونق محفل ہے؟
بازار کے رنگ دکھاتے ہو

پھر کیوں مجھ سے کتراتے ہو؟
اب خواب میں کم کم آتے ہو؟

اب خواب میں کم کم آتے ہو؟
اک درد سا اٹھتا رہتا ہے

کوئی میت نیا، کوئی پیت نئی
آنکھوں سے دریا بہتا ہے

کوئی رسم، رواج اور ریت نئی
ہر روز اک زخم لگاتے ہو

اب خواب میں کم کم آتے ہو

☆☆☆

ایک دن حنا کے نام

مہمان تحسین اختر

قاری کا مصنف سے دلی و جذباتی تعلق ہوتا ہے، ایسا تعلق جو ان کے دلوں کو جکڑے رکھتا ہے، ہماری قارئین بھی مصنفین سے ایسی ہی دلی وابستگی رکھتی ہیں اور وہ مصنفین کے بارے میں جاننا چاہتی ہیں کہ ان کی ذاتی زندگی، خیالات، احساسات وہ جاننا چاہتی ہیں کہ کیا مصنفین بھی عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں یا ان کے شب و روز میں کچھ انوکھا ہے ہم نے قارئین کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک سلسلہ شروع کیا ہے "ایک دن حنا کے نام" جس میں ہر ماہ ایک مصنفہ اپنے ایک دن کا احوال لکھیں گی کہ صبح آنکھ کھلنے سے لے کر رات نیند کو خوش آمدید کہنے تک وہ کون کون سی مصروفیات ہے لکھنے کے علاوہ جو وہ انجام دیتی ہے، امید ہے آپ کو یہ سلسلہ پسند آئے گا۔

فوزیہ شفیق

سلامتی ہو فوزیہ آپی آپ پر "حنا" سے وابستہ تمام لوگوں پر، سب پڑھنے سننے والوں پر، سب محبت کرنے والوں اور چاہت نبھانے والوں پر کہتے ہیں۔

درو دیوار ہیں ، مکان نہیں
واقعہ ہے یہ ، داستان نہیں
وقت کرتا ہے ہر سوال کو حل
زیست مکتب ہے امتحان نہیں
ہر قدم پہ ہے اک نئی منزل
راستوں کا کہیں نشان نہیں

تو جناب زندگی کی مصروفیات اتنی بے حد و حساب ہو گئی ہیں کہ ہر قدم ایک نئی منزل محسوس ہوتا ہے، افسانہ لکھنا آسان ہے ناول لکھنا بھی کوئی مشکل نہیں مگر میں سمجھتی ہوں کہ اپنی زندگی کے روز و شب لکھنا اور پھر سچائی کا دامن تھام کر لکھنا مشکل نہیں ناممکن لگ رہا ہے، افسانہ اور ناول لکھنا یوں بھی آسان ہے کہ اس میں واقعات، مشاہدات، کرداروں کے جذبات و احساسات کو توڑ مروڑ کر ہمارا قلم ہماری مرضی کے مطابق ڈھالتا چلا جاتا ہے اور پر آغاز بھی ہمارا من چاہا ہوتا ہے اور انجام بھی سوچا ہوا اور ترتیب دیا ہوا، لیکن اصل زندگی کی تصویر کچھ اور ہوتی ہے، اسے من چاہی اور آسان بنانے کے لئے ہم لوگ دن رات نڈھال ہوئے جاتے ہیں۔

زندگی بے شک بہت خوبصورت ہے اور میں تو جب جب اپنی زندگی کا حاصل اپنے چھوٹے چھوٹے تین بچوں کو دیکھتی ہوں تو زندگی مزید خوبصورت لگنے لگ جاتی ہے، لوگ ان

پھولوں کی خوشبو کو پانے کے لئے ترستے ہیں مگر خدا پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور میں سمجھتی ہوں مجھ پر خاص دعاؤں کا خاص اثر ہے کہ ہر نعمت بن مانگے مل گئی ہے کہ جتنا بھی اس پاک ذات کا شکر ادا کروں کم ہے، ایک بیٹی ایشل اور دو بیٹوں محمد عارب، محمد احمد نے آ کر زندگی یوں مکمل کی ہے کہ اب کسی چیز کی بھی کمی محسوس نہیں ہوتی۔

محبت کرنے والا شوہر، پیارے پیارے بچے، خیال رکھنے والے بہن بھائی اور ساتھ نبھانے والی ماں ان سب کے ذکر کے بغیر میری زندگی کا ذکر بے کار ہے۔

میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ صبح ہوتی ہے، شام ہوتی ہے اور زندگی تمام ہوتی ہے، کیونکہ صبح سے شام اتنی آسانی سے نہیں ہو جاتی، ہر صبح ایک ہنگامہ لے کر آتی ہے، میرے تینوں بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں، کوئی بھی اسکول جانے والا نہیں، مگر اپنی ماما کا لمس اور صورت ایسے پہچانتے ہیں کہ صبح میری کوشش ہوتی ہے ٹائم پر آفس پہنچ جاؤں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی بھی قیمت پر میری جان نہ چھوڑیں، ایشل بڑی ہے اور کچھ سمجھ دار بھی ہو گئی ہے، وہ ماما جوس لانا، ماما Lays لانا ماما آئس کریم لانا ایسی فرمائشوں پر خوشی خوشی مجھے بائے بائے کہہ دیتی ہے مگر عارب جس نے ابھی نیا نیا بولنا سیکھا ہے اور جو ماما کا راگ ایسے الاپتا ہے کہ اس سے جان چھڑانا مشکل ہو جاتی ہے، وہ کسی چیز سے بہلتا نہیں ہے اور اپنی نانی جان اور آنی کے ہاتھوں سے بھی پھسل پھسل جاتا ہے، میں اس سے چوری بھاگتی ہوں اور وہ پھر بھی میرے پیچھے آوازیں لگاتا ہے، چھوٹا احمد بس روتا ہے اور منہ بسورتا ہے کیونکہ نہ ابھی وہ بول سکتا ہے اور نہ چل سکتا ہے اس لئے بے چارہ تنگ بھی کم کرتا ہے، بچوں کے چھوٹے موٹے کام سمیٹ کر ناشتہ کر کے اور ناصر کو ناشتہ کروا کے (بناتی نہیں ہوں ابھی تک باجی ہی بناتی ہیں ہم سب اپنی امی کو باجی کہتے ہیں) ساڑھے آٹھ تک میں آفس میں ہوتی ہوں، اللہ پاک کا شکر ہے کہ میری جاب اتنی ٹف نہیں ہے ٹائمنگ بھی زیادہ نہیں مگر جو وقت کی پابندی ہوتی ہے کہ ساڑھے آٹھ سے دو بجے تک آفس میں پابند ہو کر بیٹھنا مجھ جیسی پارہ صفت انسان کو وہ بھی بہت مشکل لگتا ہے، مگر اتنی اچھی اتنی مراعات والی واپڈا کی جاب چھوڑنا بھی کفران نعمت کے برابر ہے۔

دو بجتے ہیں اور میرا دل آفس کی ہر چیز اور ہر بندے سے اچاٹ ہو جاتا ہے ایسے میں ایمرجنسی کوئی کام بھی کرنا پڑے تو مجھے بہت بہت برا لگتا ہے کہ بس اس وقت گھر جانے کو دل کر رہا ہوتا ہے، خیر ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ میں زیادہ دیر آفس میں رکی ہوں، دو بجے گھر آ جاتی ہوں، گھر بہت قریب ہے، پاور ہاؤس ختم ہوتا ہے تو واپڈا کالونی شروع ہو جاتی ہے، تقریباً پیدل دس منٹ کا راستہ ہے اور گاڑی میں دو تین منٹ ہی لگتے ہیں، گھر میں داخل ہوتی ہوں تو شادی سے پہلے جہاں بھوک کا شور مچا ہوتا تھا اب کونے کھدروں سے ماما، ماما کی آوازیں آتی ہیں اور تینوں بچوں کی کوشش ہوتی ہے کہ ماما جانی پہلے اسے اٹھائے، کھانا چونکہ تیار ہوتا ہے مجھے کچھ نہیں کرنا پڑتا اس لئے میں کسی کو گود میں لے کر کسی کو پاس بٹھا کے کھانا کھاتی ہوں اور پھر بچوں کے کام شروع ہو جاتے ہیں کسی کو سونا ہے تو کسی کو فیڈر پینا، کسی نے کپڑے گیلے کر لئے ہیں تو کسی نے مٹی اٹھالی ہے۔

انہی کاموں میں تین بج جاتے ہیں اور ناصر گھر آ جاتے ہیں، شادی کے شروع کے دنوں میں ایک ساتھ کھانا کھانا بھی بڑا رومانٹک لگتا تھا، انتظار بھی اچھا لگتا تھا اور بھوک بھی، مگر اب تو انہیں کھانا دینا بھی مشکل سے جاتا ہے، واقعی صحیح ہے کہ شادی کے بعد بیویاں تب تک شوہروں کی رہتی ہیں جب تک بچے نہیں ہوتے پھر ڈارلنگ کم اور ماما ئیں زیادہ بن جاتی ہیں، میں ہر کام جلدی جلدی کرتی ہوں، مجھ سے سستی نہیں ہوتی اس لئے شام تک جو جو کام بھی میرے ہاتھ آ جائے میں سب کر لیتی ہوں بچوں کے کپڑے دھونے والے ہوں یا کہیں جانا ہو، مجھے کسی کام میں سستی آڑے نہیں آتی، بچوں کو روز ہم آؤٹنگ بھی لے جاتے ہیں اور شاپنگ کرنا ہو تو سردی گرمی کچھ بھی رکاوٹ نہیں بنتی، انہی کاموں میں شام ہو جاتی ہے، میں ہومیو پیتھک ڈاکٹر بھی ہوں گھر میں کلینک بھی بنا رکھا ہے اس لئے شام تک مریض بھی گھر میں آتے جاتے ہیں ساتھ ساتھ انہیں بھی دیکھنا پڑتا ہے، پھر کوئی نہ کوئی ملنے والا آ جاتا ہے اور مہمانداری بھی کرنی پڑتی ہے، اس طرح دن اپنے اختتام کی طرف گامزن ہو جاتا ہے اور رات کی سیاہی ہر طرف چھانے لگتی ہے، شام ڈھلے ناصر اپنے کلینک چلے جاتے ہیں اور بچے بھی تنگ کرنے کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں، اس دوران میری کوشش ہوتی ہے کہ بھاگ دوڑ کے نماز بھی پڑھ لوں، پھر رات کا کھانا جلدی کھانا بھی میری عادت ہے اور اس عادت کا یہ فائدہ ہے کہ خدا کا شکر ہے آج تک بھی معدے کے مسئلے سے دو چار نہیں ہونا پڑا۔

مغرب کے بعد کھانا کھا لینا سنت بھی ہے اور طبی لحاظ سے بہت فائدہ مند بھی، جو لوگ رات دیر جاگتے ہیں اور لیٹ کھانا کھاتے ہیں

کھانے کے بعد بچوں کا دم خم بھی جاتا رہتا ہے اب ان کی شرارتوں میں بھی کمی آجاتی ہے اور وہ ڈھیلے ہو کر بیڈ کی طرف بھاگتے ہیں، ناصر کا کہنا ہے کہ تینوں بچے تم پہ گئے ہیں نہ تم سارا دن تھکتی ہو نہ یہ تھکتے ہیں، ایک جگہ بیٹھنا تو ان کی سرشت میں ہے ہی نہیں، سارے گھر کو سارا دن انگلیوں پہ نچائے رکھتے ہیں۔

ناصر رات نو بجے گھر آتے ہیں تب تک بچے سو چکے ہوتے ہیں ہر طرف امن چین ہوتا ہے پھر وہ کھانا کھا کے ٹی وی سنبھال لیتے ہیں اور میری کوشش ہوتی ہے میں بھی فوراً سو جاؤں۔

آپ لوگ سوچ رہے ہوں گے کہ میں نے اپنے سارے دن کا احوال لکھ دیا اس میں میرے لکھنے پڑھنے کا تو کوئی ذکر نہیں آیا تو جناب میں جس طرح باقی کام ضروری ہیں اس طرح مطالعہ کے بغیر میں بھی نہیں رہ سکتی، مجھے ہر روز ایک نئی کتاب ایک نیا مصنف چاہئے ہوتا ہے اور یہ کمی نیٹ پر بآسانی پوری ہو جاتی ہے، مجھے آفس میں ٹائم مل جائے تو میں وہاں بیٹھ کر لکھ بھی لیتی ہوں اور پڑھ بھی، گھر میں رات تک جب جب بھی ٹائم ملے یا موقع میں اپنا یہ شوق پورا کر لیتی ہوں، اب کچھ عرصہ سے یہ سلسلہ کچھ منقطع ہوا ہے، پڑھنے کا ٹائم مل جاتا ہے مگر میں چاہ کر بھی کچھ لکھ نہیں پا رہی ہوں، پہلے احمد بہت چھوٹا تھا اس ماہ دو بھائیوں کی اکٹھی شادیاں کیں، مصروفیت سی مصروفیت رہی، آفس، گھر، بچے اور بازار زندگی بس اسی مدار میں گھومتی رہی، اب کچھ فراغت نصیب ہوئی ہے تو میری پہلی ترجیح حنا میں ناول لکھنے کی ہے، دعا کریں یہ خواہش پوری ہو جائے اور ان سب خواہشوں پر بھاری اک خواہش کہ جہاں ساری ذمہ داریاں بفضل تعالیٰ پوری ہوئیں وہیں خدا اپنا گھر بھی دکھا دے کہ۔

میں نے کچھ زیادہ ہی لکھ دیا ہے مگر آخر میں، آپ سب سے ایک بات میں ضرور شیئر کرنا چاہوں گی، میرے فادر کی ڈیتھ میری بہت کم عمری میں ہو گئی تھی، میں نے ابھی میٹرک بھی نہیں کیا تھا اور باقی سب بہن بھائی چھوٹے تھے، باپ کے جانے کے بعد ہمارا سب کچھ چھن گیا تھا، منزل بہت کڑی تھی اور راستہ بہت لمبا، مگر میں نے ہمت نہ ہاری میرے فادر چونکہ واپڈا میں تھے اس لئے مجھے ان کی جگہ میٹرک کے بعد جاب مل گئی، میں نے ساتھ ساتھ خود بھی پڑھا اور بہن بھائیوں کو بھی پڑھایا، میں نے اردو اب میں ماسٹرز کیا، بی ایڈ کیا، ہومیو پیتھک کورس کیا اور باقی سب نے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی، سفر کڑا تھا اور بہت خاردار بھی، مگر کٹ گیا، سب اپنی اپنی منزل پہ پہنچ گئے، بہن کی بھی شادی ہوئی اور بھائیوں کی بھی، سب کچھ اتنی خوش اسلوبی سے ہوتا گیا کہ کبھی کبھی مجھے خود بھی یقین نہیں آتا، مگر اس کامیابی کے پیچھے جہاں کڑی اور ان تھک محنت شامل ہے وہیں اپنی نیت کا صاف ہونا، خدا پر کامل بھروسہ اور درود پاک پر اپنی ذات سے بھی بڑھ کر یقین، آپ سب بھی کوشش کریں کہ خدا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کامل یقین رکھیں، انشاء اللہ زندگی کبھی آپ کو مایوس نہیں کرے گی، میں نے ہر مشکل کا حل درود پاک میں پایا ہے، سب سے آخر میں حنا کے توسط سے میں اپنے شریک سفر کے تعاون، محبت اور اعتماد کا بھی ذکر اور شکر ضرور ادا کروں گی کہ ایسی محبت اور اعتماد والی شراکت نہ ہو تو زندگی کے روز و شب کبھی سہل نہیں ہوتے، ناصر کی صورت میں بھی میرے پاس قدرت کا ایک انعام ہی ہے۔

☆☆☆

ام مریم

ستائیسویں قسط کا خلاصہ

مسز آفریدی جہان پر ژالے کے حوالے سے رکیک قسم کے الزام لگا کر ایک بار پھر اسے گھیرنا چاہتی ہیں تا کہ وہ رخصتی پہ آمادہ ہو جائے، ان کے یہ انداز و اطوار جہان کی صرف نفرت کو بڑھاوا دیتے ہیں مسز آفریدی ہار نہیں مانتیں اور پپا کے ذریعے ایک بار پھر اپنا مطلب نکالتی ہیں، جہان ہمیشہ کی طرح ان کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔

انگلینڈ میں معاذ پرنیاں کو ثنا سے ملواتا ہے، پرنیاں پہلی بار خوشی کے احساس سے ہمکنار ہوتی ہے مگر ثناء یہ انکشاف کر کے کہ وہ پریگنٹ ہے پرنیاں کو غم ضم کر دیتی ہے۔

پرنیاں کے اندر جمع غصہ معاذ کے سامنے نکلتا ہے اور شدید جھگڑے اور الزام تراشی کے بعد دونوں کے درمیان صدیوں کے فاصلے در آتے ہیں۔

زینب، تیمور کی وجہ سے بے حد پریشان ہے، جہان اسے حوصلہ دینے کی کوشش میں معروف ہے مگر تب ژالے پہ ان کے تعلق کی گہرائی اور نوعیت آشکار ہو کر اسے اضطراب کا شکار کر جاتی ہے۔

معاذ اور پرنیاں کے تعلق کی سرد مہری مما پہ بھی آشکار ہوتی ہے، معاذ پرنیاں سے غفلت کی بنا پر سب سے ڈانٹ بار بار سنتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

اٹھائیسویں قسط
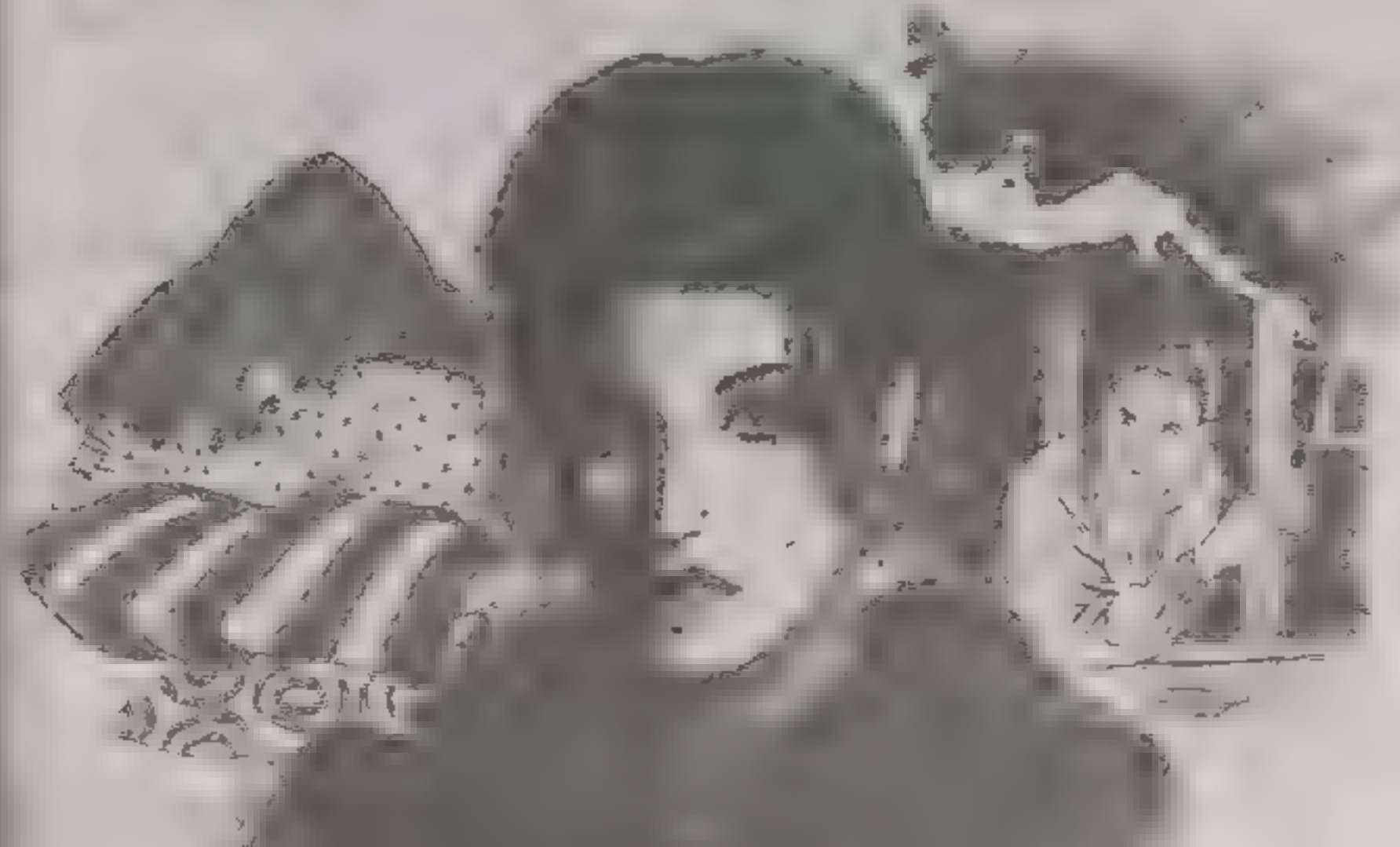
وہ سفید فام گرانڈیل ہٹا کٹا تھا مگر معاذ نے اسے لمحوں میں زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا تھا، پرنیاں ان دونوں کو لڑتے دیکھ کر شرمندگی اور چوٹ بھلائے خوف کے عالم میں معاذ کو بار بار پکار کر منع کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ تو جیسے سننے سمجھنے کی صلاحیت ہی کھو چکا تھا، اس کے چہرے کے تاثرات میں ایک جنونی کیفیت تھی اور آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا، اس گرانڈیل بھینسے جیسا وجود رکھنے والے لڑکے کو اٹھا اٹھا کر پٹخیاں دیتا وہ ہرگز بھی نارمل نہیں لگ رہا تھا، پرنیاں ششدر سی اسے دیکھ رہی تھی، اسے یوں لڑتا دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا وہ ایک مہذب شہری ہو سکتا ہے، بلکہ وہ اس وقت لڑائی بھڑائی کا شوقین ایسا غنڈا نظر آ رہا تھا، جو بے حد جنونی طاقت کے غرور میں مبتلا غصے میں اپنی جان کی پرواہ نہ کرنے والا ہوتا ہے، اگلے چند لمحوں میں وہ اس سفید فام کو میدان چھوڑ کر بھاگنے پہ مجبور کر چکا تھا، پرنیاں نے خائف نظروں سے اسے دیکھا جو کچھ فاصلے پہ گری اس کی شال اٹھا رہا تھا، پرنیاں اتنی بدحواس اور سراسیمہ تھی کہ یہ خیال اسے آ ہی نہیں سکا تھا، معاذ نے اسے دیکھے بغیر چادر اس کی سمت بڑھائی تو پرنیاں نے جلدی سے تھام کر کانپتے ہاتھوں سے اپنے گرد پھیلا لی تھی، پھر وہ راستے بھر ہولتی رہی تھی، اپارٹمنٹ آنے کے بعد بھی اس کا اضطراب کم نہیں ہوا تھا، کچن میں آ کر اس نے دودھ گرم کر کے اس میں اوولٹین ملایا تھا اور گلاس ٹرے میں رکھ کر اس کے کمرے میں آ گئی، معاذ شرٹ اور بنیان اتارے، ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا اپنے جسم پر لگی خراشوں اور چوٹوں پہ دوا لگانے میں مصروف تھا، اس لڑائی میں وہ خود بھی زخمی ہوا تھا، پرنیاں کے دل پہ کچھ اور بوجھ آ گرا۔

"لائیں میں دوا لگا دوں۔" گلاس ٹیبل پر رکھ کے وہ کس قدر جھجکتے ہوئے قریب آ کر بولی تھی۔

"یہ مائیکل تمہیں پہلے بھی تنگ کرتا رہا ہے اور تم نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا وائے؟" معاذ نے دوا کی ٹیوب ٹیبل پہ پٹخی اور اس کی جانب رخ پھیر کر کڑے انداز میں اس پر چڑھ دوڑا۔

"کون مائیکل؟" وہ حیران ہو کر اسے ٹکر ٹکر دیکھنے لگی۔

"یہی ہمارے سامنے والے اپارٹمنٹ میں رہتا ہے نا وہ خبیث۔" وہ بری طرح چٹخا پرنیاں نے بے ساختہ نظریں چرا لیں اور اپنے خائف قسم کے تاثرات اس سے مخفی رکھنے کی کوشش میں جھک کر دوا اٹھانے لگی۔

"مجھے تمہارے اس احسان کی ضرورت نہیں ہے، جا سکتی ہو تم یہاں سے۔" اس نے جیسے ہی دوا اس کے زخم پہ لگانا چاہی معاذ نے نہایت درشتی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا، پرنیاں خفت زدہ سی ہونٹ کچلتی رہ گئی۔

"آئی ایم ساری! میری وجہ سے آپ کو اچھی خاصی زحمت ہوئی۔" اس بات کے جواب میں معاذ نے اپنی بے تحاشا حسین اور ساحر آنکھوں کو اٹھا کر اسے دیکھا تھا، پھر عجیب دل شکستہ انداز میں ہنس دیا۔

"آپ کی وجہ سے مجھے بہت سارے مقامات پہ اچھی خاصی زحمت اٹھانا پڑی ہے عزیزی پرنیاں! کس کس پہ معذرت کریں گی، چھوڑ دیں اس قصے کو۔" پرنیاں کا چہرا متغیر ہو کر رہ گیا، وہ کچھ نہیں بول سکی تھی، معاذ پلٹ کر بستر پہ گیا اور کمبل میں گھس گیا۔

"دودھ تو پی لیں پلیز۔" اسے سر تک کمبل کھینچتے دیکھ کر وہ بے حد ملتجی ہو کر بولی تھی، معاذ کے ان سنی کرنے پہ پرنیاں بے اختیار آگے بڑھ آئی اور کمبل سرکایا تھا، معاذ نے اپنی سرخ آنکھوں کو کھول کر انتہائی

غصے سے اسے گھورا تھا۔

"کیا تکلیف ہے اب تمہیں؟" وہ زور سے چیخا تھا، پرنیاں خائف نہیں ہوئی اور دودھ کا گلاس بڑھا دیا۔

"اب جاؤ یہاں سے۔" معاذ نے گلاس اس سے جھپٹ کر سائیڈ ٹیبل پہ پٹخا، پرنیاں کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر پھیکے پڑتے چہرے کے ساتھ پلٹ گئی، معاذ نے اس کے جاتے ہی کمبل پھر سر پہ تان لیا تھا۔

☆☆☆

اس کو پا کر بھی تو کھونا تھا
یہ حادثہ میرے ساتھ بھی تو ہونا تھا
وہ توڑ کر اکثر مجھے جوڑتا رہا
جیسے میں اس کے ہاتھ میں کوئی کھلونا تھا

اس نے کروٹ بدلی تو منہ سے بے ساختہ کراہ نکل گئی، آج چار دن بعد وہ ہاسپٹل سے واپس تیمور کے ساتھ حویلی آئی تھی، اس دن کی مارپیٹ کا نتیجہ تھا کہ زینب کی طبیعت اس قدر بگڑ گئی تھی، تیمور اس کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر ہی گھبرا کر اسے ہاسپٹل لے کر دوڑا تھا، جہاں وہ ضروری ٹریٹمنٹ کے بعد بیڈ ریسٹ پہ رہی تھی، اس کا مس کیریج ہوتے ہوتے رہ گیا تھا، تیمور کچھ خائف نظر آ رہا تھا، بے حد خاموش سا، شاید اسے اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہو گیا تھا مگر معذرت کا ایک لفظ بھی اس نے زینب کے سامنے بولنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، البتہ وہ خود ہی اس کے خیال نہیں رکھ رہا تھا ملازماؤں کو بھی خصوصی ہدایت کی ہوئی تھی مگر زینب کا دل تھا جیسے کوئی ویران کھنڈر۔ نہ کوئی آس، نہ امید، نہ زندگی کا احساس۔

"بی بی صاحبہ آپ کا فون۔" اس کا سیل مسلسل بجے جا رہا تھا وہ ساکن لیٹی چھت کو گھور رہی تھی، ملازمہ جو وہیں تھی اور کمرے کی ڈسٹنگ میں مصروف تھی اس کا سیل اس کی جانب بڑھایا، زینب نے بغیر کسی تاثر کے فون لے لیا تھا، اسکرین پہ بلنک کرتے معاذ کے نمبر کو دیکھ کر وہ پچھلے چار دنوں سے آنے والی دیگر کالز کی طرح اس کی کال کو ڈسکنکٹ نہیں کر سکی۔

"اف زینی کی بچی، کہاں تھیں تم؟ کسی کا بھی فون پک نہیں کر رہیں تھیں خیریت؟" اس کے سلام کے جواب کے ساتھ ہی معاذ تیز تیز بولتا چلا گیا، اس کی آواز سن کر ہی زینب کی آنکھیں جانے کس کس خیال کے تحت بھیگتی چلی گئی تھیں، اسے یاد تھا تیمور سے شادی کے لئے سب سے زیادہ معاذ نے اختلاف کیا تھا، کتنا خفا ہوا تھا وہ اس پہ، پھر اس سے بات چیت تک ترک کر دی تھی، مگر جب شادی میں شریک ہونے کو آیا تو سب کچھ بھلا کر اس کی خوشی میں خوش ہو گیا تھا، اس کی تمام دعائیں ابھی تک زینب کو اپنے پلو سے بندھی محسوس ہوئی تھیں، شاید وہ دعائیں زینب کے حق میں قبولیت حاصل نہیں کر سکی تھیں۔

"کچھ نہیں لالے، ٹمپریچر ہو گیا تھا، دواؤں کے زیر اثر زیادہ تر سوئی رہتی تھی، آپ کا ٹرپ کیسا رہا لندن کا؟"

"ہم واپس آ گئے ہیں، تمہارے لئے بہت سارے گفٹس ہیں، آ کر لے لو، یہاں کون دینے آئے

گا تمہیں۔" وہ مذاق میں کہہ رہا تھا۔

"لالہ میں آؤں گی مگر ابھی موسم ٹھیک نہیں ہے۔"

"مجھے تو تم بھی ٹھیک نہیں لگتیں زینی۔" معاذ کے لہجے میں تشویش تھی، زینب نے ہونٹ کچل کر آنسو ضبط کرنے چاہے تھے، شاہ ہاؤس کے مکینوں میں جہان کے بعد وہ سب سے زیادہ معاذ کے ہی قریب تھی، ان تینوں کا ایک ٹرائی اینگل سا بن گیا تھا، اس کی دیکھا دیکھی زینب نے جہان کو جے کہنا شروع کیا تو سب سے پہلے مما کو خود سے اتنے بڑے جہان کو بھائی نہ کہنے پہ اعتراض ہوا تھا۔

"مجھے جے کہنا اچھا لگتا ہے نا مما لالے کی طرح۔"

"مگر بیٹے جہان آپ سے بہت بڑے ہیں، اچھا نہیں لگتا۔" مما نے پیار سے سمجھانا چاہا تھا، مگر وہ مان کر نہیں دی تھی اور یوں معاذ کے بعد جہان اس کے لئے بھی جے ہو گئی وہ معاذ اور جہان سے کئی جگہ چھوٹی ہونے کے باوجود ان کے ہر کھیل ہر ایکٹی ویٹی میں شامل ہونے لگی تو وجہ جہان کی اسے دی جانے والی اہمیت تھی، معاذ اگر اسے کسی کام میں شریک نہ بھی کرنا چاہتا تب وہ جہان کی سفارش حاصل کر لیتی، معاذ جتنا بھی جھنجلاتا، مگر جہان کی سفارش اس سے بھی ٹالی نہیں جاتی تھی پھر جہان کی طرح معاذ بھی اس کے ساتھ کا عادی ہوتا چلا گیا، یہ الگ بات تھی کہ اس نے جہان کی طرح اسے سر پہ نہیں چڑھا کر رکھا ہوا تھا، بلکہ وہ اکثر اسے اس کی غلطیوں پہ جھاڑتا اور ڈانٹتا رہتا، جہان و معاذ کے گروپ میں شامل ہو کر زینب کو کچھ فائدے پہنچے تھے تو کچھ نقصان بھی حصے میں آئے تھے، معاذ کی سب سے زیادہ توجہ اس پہ ہو کر رہ گئی تھی، وہ سب سے زیادہ اس کی اطلاع پہ توجہ دینے لگا تھا اس باعث اس کے حصے میں معاذ کی تنقید اور ڈانٹ پھٹکار زیادہ آنے لگی، معاذ کی یہ شکایت وہ جہان سے کرتی تو جہان اپنے مخصوص غیر محسوس انداز میں سب کا ازالہ کرتا چلا جاتا پھر اب اس مقام پہ جب زینب کو سب سے زیادہ جہان کی فیور کی ضرورت تھی تو وہ پیچھے کیوں ہٹ گیا تھا، کیا وہ نہیں جانتا تھا یہ کتنے گھاٹے کا سودہ کرنے جا رہی ہوں میں۔

"افوہ زینی بول کیوں نہیں رہی ہو؟" معاذ کی جھنجلاہٹ بھری آواز پہ وہ خیالات سے چونکی تھی اور خفیف سی ہو گئی۔

"جی لالے کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"جے کی شادی طے ہو گئی ہے زینب، تم کب آ رہی ہو؟ تیمور سے بات کراؤ میری، میں خود کہتا ہوں اس سے۔" زینب کے دل پہ گھونسا آ کر لگا تھا، ایک عجیب سی شکستگی کا احساس رگ و پے میں سرائیت کرتا چلا گیا۔

"کب ہے شادی؟" وہ بولی تو اس کا لہجہ بے حد یاسیت آمیز اور مدھم تھا۔

"نیکسٹ منتھ، مما کہہ رہی ہیں تم کچھ پہلے آ جاؤ۔"

"جی لالے میں کوشش کروں گی، پریناں کیسی ہے؟"

"وہ ٹھیک ہے، اس وقت میں گھر پہ نہیں ہوں، ورنہ تمہاری بات کرا دیتا۔"

"اسے اور مما کے ساتھ باقی سب کو بھی سلام کہیے گا لالے۔"

"او کے ٹیک کیئر۔" معاذ نے گفتگو سمیٹی تو زینب نے "خدا حافظ" کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

زینب نے سیل فون رکھا اور بستر سے اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی، ملازمہ اسے پیچھے سے پکار کر تیمور کی ہدایت یاد کرا رہی تھی کہ اسے بستر سے نہیں اٹھنا چاہیے، جسے ان سنی کیے وہ ننگے سر ننگے پیر راہداری میں آ کھڑی ہوئی، برآمدے سے آگے حویلی کا مرکزی باغ تھا، دور دور تک پھیلی ہوئی گھاس بڑے بڑے درخت جو بھوتوں کی طرح تنے کھڑے تھے، ہر طرف گمبھیر خاموشی اور نامانوس سے اندھیرے کا راج تھا اور ہواؤں کی سرسراہٹ۔

"آپ میری ہر بات مانتے ہیں جے تو مجھے بہت اچھے لگتے ہیں، سب کہتے ہیں آپ کا نام جہانگیر ہے اسی لئے آپ کی جہانگیر قسم کی اچھائی ہے، جس پہ کسی ایک کی یعنی میری ہی اجارہ داری نہیں، کیا یہ سچ ہے جے کہ میں بھی آپ کے لئے باقی تمام لوگوں کی طرح عام ہوں؟" اس بار اس نے کتنے دھڑلے سے یہ سوال جہان سے کر لیا تھا اور پھر بہت دھیان سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے لگی تھی، جہان مسکرایا تھا، اس نے نگاہیں چار کیے بنا کاندھے اچکانے پہ اکتفا کیا تھا۔

"پتہ نہیں۔" اسے صاف لگا تھا وہ محض دامن بچا رہا ہے جبھی وہ اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

"ہر انسان کی زندگی میں کچھ لوگ اہم ہوتے ہیں جے، آپ کی زندگی میں بھی ہوں گے، پلیز مجھے بتائیں نا وہ اہم لوگ کون ہیں؟"

کہیں ہر دم کرید لگی رہتی تھی اسے، مگر وہ کبھی اس کے سامنے نہیں کھلا تھا، یہ تجسس دھیرے دھیرے کم ہوتا گیا، اسے صاف لگنے لگا جہان کے بارے میں اس کا قیاس غلط تھا، اسے ہمیشہ خصوصیت پسند رہی تھی، یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اسے خصوصی اہمیت سے تیمور نے نواز دیا تھا اور آج زندگی اس مقام پہ تھی، جس چمکتی چیز کو وہ سونا سمجھ کر پکی تھی وہ تو سراسر دھوکہ نکلا تھا، زیاں سا زیاں تھا، اسے ژالے کی خوش قسمتی پہ پہلی بار رشک آیا، یہ رشک بھی عجیب تھا، جس نے اس کی آنکھوں کو بھگو دیا تھا۔

"یہاں کیوں کھڑی ہو؟ تمہیں اندازہ ہے اپنی حالت کا؟ مجھے اپنا بچہ بہت عزیز ہے محترمہ، وہ معمولی بچہ ہے بھی نہیں، اس ریاست کا ولی عہد ہے، ہونے والا سردار، اگر وہ تم جیسی عام عورت کے بطن سے جنم لے رہا ہے تب بھی اس کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں آ رہا، بی کوز وہ تیمور خان کی اولاد ہے اسی کا خون ہے۔"

تیمور خان وہاں آیا تو اسے خود سے بے نیاز سرد ہواؤں کے رخ پہ کھڑے پا کر وہ بپھر سا اٹھا تھا، کلائی سے پکڑ کر تقریباً کھینچتا ہوا اندر کمرے میں لایا تھا، تیمور کو دیکھ کر ہی کانپنے لگی، وہ بے دریغ اس پہ برس رہا تھا، زینب ایک لفظ نہیں بولی تھی منہ سے، خاموشی سے مسہری پہ بیٹھ گئی۔

"کچھ کھایا تم نے؟" وہ کڑے لہجے میں سوال کر رہا تھا۔

"میرا دل نہیں کرتا۔" تیمور نے اسے سرخ آنکھوں سے قتل کر دینے والی نظروں سے گھورا، وہ مضمحل نظر آتی تھی، تازہ گلاب جیسی لڑکی ہر گزرتے دن کے ساتھ مرجھا رہی تھی، شکن آلود لباس اور بکھرے ہوئے بال، یہ وہ زینب ہی نہیں تھی جس کی خوبصورتی، نزاکت اور سحر انگیز حسن اور لباس اپنی مثال آپ ہوا کرتا تھا۔

"اپنے پچھلوں کا سوگ منانا چھوڑ دو تو تمہیں بھوک لگے نا، کتنی بار کہہ چکا ہوں، اچھی ڈائٹ ضروری ہے تمہارے لئے، مگر اثر ہو تب نا، میرے بچے کی صحت کا تمہیں خیال کیوں نہیں آتا، عجیب ڈائن جیسی

ماں ہو تم، حیرت ہے۔'' جوتے اور ویس کوٹ اتار کر رکھتا ہوا وہ پھنکار کر کہہ رہا تھا، زینب ملازمہ کے سامنے اس عزت افزائی پہ ذلت سے کٹ رہی تھی مگر لبوں کو سیئے رکھا، تیمور اچھی طرح اپنا قہر نکال چکا تو ملازمہ کو جوس اور فروٹ لانے کا کہا تھا، ملازمہ نے اگلے چند منٹوں میں حکم کی تعمیل کر دی تھی۔

''زحمت کریں گی یا میں ہی کاٹ کر کھلاؤں بھی۔'' ملازمہ کو بھیج کر تیمور نے فروٹ کی باسکٹ اس کی جانب سرکاتے ہوئے طنز آمیز نظروں سے اسے دیکھا، زینب جتنی گڑبڑائی اس سے بڑھ کر عاجز ہوئی تھی، اس کی دلی کیفیت ایسی نہیں تھی کہ کچھ کھا سکتی مگر انکار کرنے کا مطلب تھا تیمور خان کو پھر سے پیچھے پڑوا لینا، اس نے بے دلی سے اسٹرابری اٹھا کر دانتوں سے کترتے تیمور خود جوس کا گلاس لبوں سے لگا چکا تھا، دوسرے ہاتھ سے ٹی وی آن کر لیا، کمرے کی فضا میں اسٹیج ڈرامے کے ڈائیلاگ گونجنے لگے، واہیات معنی خیزیت لئے سراسر بیہودہ گوئی، تیمور خان کی پسند ایسی چیزیں ہو سکتی تھی، اس کے بعد نصیبو کا اخلاق سوز گانا گونجنے لگا، زینب نے بے دلی سے ادھ کھائی اسٹرابری واپس رکھ دی، اسے یاد آیا اس نے کہیں پڑھا تھا۔

''میاں بیوی کا خمیر ایک مٹی سے اٹھایا گیا ہے یہ عادات فطرت اور مزاج میں ایک ہوتے ہیں پھر قرآن کے واضح الفاظ تھے ''پاک مردوں کے لئے پاک عورتیں اور ناپاک عورتوں کے لئے ناپاک مرد۔'' اس کے وجود میں سنسناہٹ اور لرزہ طاری ہوتا چلا گیا۔

کیا وہ بھی تیمور کی طرح بدکار تھی؟ کیا وہ بھی تیمور کی طرح شرابی تھی؟ نہیں نہیں نہیں اس کے اندر غضب کا خوف اور اضطراب در آیا، خود سے نظریں چرائے خود سے خائف ہوتے ہوتے نڈھال وہ بے اختیار سسکتی چلی گئی۔

☆☆☆

معاذ کمرے میں تیار ہو رہا تھا، جبکہ وہ صوفے پہ دوسری جانب کروٹ بدلے لیٹی تھی، اس کی طبیعت بوجھل سی تھی، سر بھی بھاری ہو رہا تھا، نماز کے بعد وہ چاہنے کے باوجود کلام پاک نہیں پڑھ سکی تھی تو دوبارہ لیٹ گئی، طبیعت کی یہ خرابی اس کا دل نیچے اتھاہ گہرائیوں میں گرا رہی تھی، اسے ثنا کی بات یاد آئی تو دماغ ماؤف سا ہونے لگتا، ہولتے دل کے ساتھ وہ اس خدشے کی نفی کرتی چلی جاتی، اب زندگی کے اس مقام پہ جبکہ اس کی ناؤ منجدھار میں ڈولتی تھی اور سمندر میں طوفان تھا کیسے وہ اس صورتحال کو قبول کر لیتی، معاذ کے متعلق ہونے والا وہ آخری انکشاف اسے ٹنوں کے حساب سے برف تلے دبا گیا تھا، اس روز انہیں واپس آنا تھا، معاذ کو قریبی مارکیٹ تک کچھ کام تھا اور پرنیاں تنہا رہ جانے کے خیال سے خائف تھی، مگر معاذ سے کچھ کہنا بھی نہیں چاہتی تھی، اسے گئے محض پانچ سات منٹ ہوئے تھے جب لینڈ لائن پہ گھنٹی بجتی چلی گئی، پرنیاں نے کچھ دیر تو نظر انداز کیا تھا پھر جی کڑا کر کے فون اٹھا لیا، وہ مائیکل کے وجود سے خائف تھی مگر دوسری جانب لزا تھی۔

''فون بند مت کرنا پلیز، ابھی میں نے حسن کو باہر جاتے دیکھا ہے جبھی تمہیں کال کی ہے، یہ بات چونکہ حسن کے متعلق ہی تھی جبھی میں اس کی غیر موجودگی میں کرنا چاہ رہی تھی۔'' وہ جانے کس خدشے کے تحت تیز تیز بولتی چلی گئی تھی، پرنیاں کو بے تحاشا حیرت نے آن لیا۔

''کون سی بات؟''

''حسن کے ساتھ اپنے تعلق کی بات، تم بیوی ہونا اس کی، میں نے سنا ہے پاکستانی عورتیں اپنے ہزبینڈ کے لئے بہت پوزیسو ہوتی ہیں، اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ خود صرف ان کی ہو کر رہتی ہیں۔''

''آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟ ٹو دی پوائنٹ بات کریں۔'' پرنیاں نے ہائپر ہوتے ہوئے کہا تھا، اسے لزا سے عجیب سی چڑ تھی بلکہ یہ حقیقت تھی اسے لزا سے حسد اور جلن محسوس ہوتی تھی۔

''حسن نے ایک بار نہیں کئی بار میرے ساتھ وقت گزارا ہے، وقت گزارنے کی تفصیلات بھی میں تمہیں سنا سکتی ہوں اگر تم چاہو تو، اس کے جانے کے بعد میں پریگنٹ بھی ہوئی مگر میں نے ابارشن کروا دیا، بی کوز میں جانتی تھی پاکستانی مرد کبھی غیر عورت سے اپنی اولاد قبول نہیں کرتا۔''

پرنیاں کو لگا تھا وہ ایکدم سے سرتاپا جھلس اٹھی ہو، ایک آگ تھی جو اس کے دل و دماغ میں سلگ اٹھی تھی، اسے ہمیشہ شک تھی معاذ کے متعلق مگر اب ثبوت بھی مل گیا تھا، اس سے بڑا کیا ثبوت تھا کہ وہ عورت خود اپنی بربادی کی داستان اپنے منہ سے سنا رہی تھی، کوئی عورت اتنا گر سکتی ہے بھلا؟ پرنیاں اس وقت بھول گئی تھی کہ وہ جس معاشرے کی پیداوار تھی وہاں ایسی باتیں معیوب نہیں تھیں، مگر وہ تو جیسے خود اسی سے بدگمان تھی، ایسی ہی توقعات رکھتی تھی وہ معاذ سے، جبھی کسی کی لگائی آگ میں جل گئی، کسی کے بہکاوے میں آنے میں دیر نہیں کی، اگر دیکھا جاتا تو اسے خود ہی معاذ سے اتنی شکایتیں تھیں کہ اس پہ اعتماد نہیں کرنا چاہتی تھی، اس پہ فرد جرم عائد کرنے میں دیر نہیں کی تھی اور اب اسی ایک بات کو لے کر وہ خود ترسی اور خود اذیتی کا شکار ہو کر رہ گئی تھی، معاذ سے بدگمانی کا وہ عالم تھا کہ وہ اس سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتی تھی، مما کے پیغام پہ اٹھ کر اس نے پہلے منہ پہ پانی کے چھپاکے مارے تھے پھر کچن کا رخ کیا، سیڑھیاں اترتے جانے کیا ہوا تھا کہ ایکدم اس کی آنکھوں میں تاریکیاں چھا گئیں، مما نے اسے لڑکھڑا کر گرتے دیکھا تھا اور بدحواس ہو کر اس کی سمت بھاگی تھیں۔

''پرنیاں! پرنیاں بیٹے۔'' مما نے اس کا سر گود میں رکھ کر سخت ہراسگی کے عالم میں اس کے گال تھپک کر آوازیں دیں مگر اس کے وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی، مما تو اتنا گھبرائیں کہ فوراً رونا شروع ہو گئیں، لمحوں میں سب اکٹھے ہوئے تھے، مما جان، بھابھی، حسان اور ماریہ کے ساتھ جہان بھی، ہر سو ایک سراسیمگی اور گھبراہٹ بتدریج پھیل چکی تھی۔

''ارے کوئی معاذ کو تو بلاؤ، بچی کو دیکھے تو سہی۔'' مما جان زور سے چیخی تھیں، جہان ایک افراتفری کی کیفیت میں جا کر معاذ کو بلا کر لے آیا۔

''کیا ہو گیا؟ خیریت؟'' گیلے بکھرے بالوں کے ساتھ گلے میں جھولتی ٹائی، وہ جیسے تھا ویسے ہی بھاگا آیا تھا، چہرے پہ خفیف سے جھنجلاہٹ اور برہمی کے تاثرات لئے۔

''معاذ بچی کو اٹھا کر تو اندر لے کر چلو پہلے، بے ہوش ہو گئی ہے، طبیعت خراب تھی تو تم نے بتایا تو ہوتا، میرا تو دل پھٹنے والا ہو رہا ہے۔'' مما نمناک آواز میں بولی تھیں، معاذ اسے نئے آرڈر کر سن کر سخت جزبز ہوا۔

''ایک پورا قافلہ جمع ہے یہاں، کس میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ اٹھا کہ یہاں اسے صوفے پہ شفٹ کر دیا جاتا مجھ سے کروائیں گی ہر کام۔'' وہ بھنا کر کہہ رہا تھا، سب کے سامنے پرنیاں کو اٹھانے کے خیال سے ہی وہ کھسیاہٹ کا شکار ہو چکا تھا۔

"پاگل ہو گئے ہو معاذ! ہم عورتیں کیسے بھلا اٹھا سکتی تھیں بچی کو، جہان اور حسان تھے تو مگر تم شوہر ہو یہ تمہارا کام ہے نہ کہ ان کا......" مما جان نے اس نازک صورتحال میں بھی معاذ کی کلاس لینی ضروری خیال کی تھی، باقی سب گویا مما جان کے ہم خیال تھے، معاذ نے ہونٹوں کو بھینچا اور بے سدھ بے خبر پڑی پرنیاں کو کسی ناگوار بوجھ کی طرح سے اٹھا کر کمرے میں لے جانے کی بجائے وہیں صوفے پہ لٹا دیا تھا، مما نے جلدی سے پرنیاں کا سر پھر سے بیٹھ کر گود میں رکھ لیا۔

"اُفوہ کہاں بھاگے جا رہے ہو معاذ! دیکھو تو سہی بچی کو ہوا کیا ہے؟" اسے واپس پلٹتے دیکھ کر مما نے پھر دہائی دی، معاذ نے گہرا سانس بھر کے اکتاہٹ بھرے انداز میں انہیں دیکھا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے مما، میں . . ."

"حد ہے تم سے معاذ بیٹا! بیوی بے ہوش پڑی ہے تمہیں اپنی پڑی ہوئی ہے، وہاں بھی بچی کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہو گے جبھی تو اتنی کمزور ہو رہی ہے۔" وہ دل گیری سے کہہ کر آنسو پونچھنے لگیں گویا سارا الزام معاذ پہ رکھ دیا، وہ صبر کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"میڈیکل باکس لینے جا رہا تھا، کہیں تو وہ بھی نہ لاؤں؟ کوئی منتر پڑھ کر پھونکتا ہوں، آپ کی لاڈلی ابھی اچھی بھلی اٹھ کھڑی ہو گی۔" وہ جی بھر کے کلسا تھا اور تند لہجے میں بولا۔

"تم پرنیاں کو دیکھو میڈیکل باکس میں لے آتی ہوں۔" بھابھی نے تحمل سے کہا تھا اور خود سیڑھیاں چڑھ گئیں، معاذ نے آگے بڑھ کر پرنیاں کی نبض دیکھی پھر بند آنکھوں کو کھول کر دیکھا تھا، تب تک بھابھی میڈیکل باکس لے آئیں، معاذ بی پی چیک کرنے لگا۔

"کچھ ہمیں بھی بتا دو بیٹے، پریشان ہو رہے ہیں۔" اسے اس سنجیدگی کے ساتھ میڈیکل باکس بند کرتے دیکھ کر مما جان کا ضبط بھی چھلکا تھا، معاذ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"کیا ہوا ہے پرنیاں کو وہ اس طرح سے بے ہوش کیوں ہو گئی ہے؟" بھابھی نے بھی سوال کیا تھا، معاذ نے گہرا سانس بھرا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"پریشانی والی بات نہیں ہے، بے ہوشی نہیں ہے اب، غالباً یہ شدید کمزوری کے باعث ہے، ڈائٹ کا خیال رکھیں۔"

"پریشانی والی بات نہیں ہے تو پھر کیا بات ہے؟ پوری بات بتاؤ نا۔" بھابھی اس کا سرخ پڑتا چہرا دیکھ کر بات کو طول دینے لگیں، معاذ بری طرح سے جھینپا۔

"بہتر ہو گا آپ کسی گائناکولوجسٹ سے چیک اپ کرا لیں۔" اس کے منہ سے نکلنے والی بات نے وہاں موجود سب لوگوں میں زندگی اور خوشی کی لہر دوڑا دی تھی۔

"یو مین تم باپ بننے والے ہو؟" بھابھی زور سے ہنسی تھیں پھر اسے ایک دھپ لگا کر چھیڑتے ہوئے کہا تو معاذ کا جھینپا ہوا سرخ چہرا کچھ اور بھی سرخ ہو گیا۔

"مام گرینڈ ما بننے والی ہیں۔" وہ ان سے لپٹ کر ہنسنے لگا تھا، مما نے بے اختیار اس کا سر فرط مسرت سے بار بار چوما۔

"تم سچ کہہ رہے ہو نا معاذ بیٹے! صد شکر خدایا، مجھے کتنی آرزو تھی اس لمحے کی۔" مما کا لہجہ گلوگیر ہو گیا تھا، معاذ مسکرائے گیا تھا، جہان اور حسان نے باری باری گلے لگا کر اسے مبارک باد سے نوازا جبکہ مما

جان نے اس کی بلائیں لی تھیں۔

"بڑے فاسٹ نکلے ہو دیور جی، پرنیاں بیچاری کو اتنی جلدی اس کام میں ڈال دیا، ابھی تو اس کی پڑھائی بھی کمپلیٹ نہیں ہوئی تھی۔" بھابھی اسے چھیڑ رہی تھیں، وہ جھینپ کر رہ گیا۔

"ہاں تو کرتی رہی پڑھائی، میں نے روکا تھوڑا ہی ہے۔"

"اور کیسے روکتے ہیں بھلا؟ یہ اتنے کڑے مرحلے ہیں جن میں تم نے اسے ڈال دیا۔" بھابھی اسے بخشنے کو تیار نہ تھیں، معاذ نے انہیں خفیف سا گھورا تھا اور مما جان کی بڑھائی گلاب جامن لے کر منہ میں ٹھونس لی، جو اس خوشی کے موقع پہ وہ سب کا منہ میٹھا کرانے کو کھلا رہی تھیں۔

"انہیں بھی کھلا دیں، اس پہ سب سے زیادہ حق انہی کا ہے غالباً۔" معاذ کی مسکراتی نظریں پرنیاں پہ جا ٹھہری تھیں جواب کسی قدر ہوش میں تھی اور کچھ حیرت بھرے انداز میں ان سب کو اپنے گرد جمع خوش گپیوں میں مصروف دیکھ رہی تھی، اس کے کہنے پہ مما نے از سر نو پرنیاں کی بلائیں لیں اور پیار کیا تھا۔

"او کے مام اجازت، جا سکتا ہوں نا اب؟" معاذ اٹھتے ہوئے بولا تھا، مما نے فی الفور سر کو نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں بیٹے آج نہ جاؤ ایک دن کی غیر حاضری سے کچھ نہیں ہو جاتا، اللہ نے اتنی بڑی خوشی دکھائی ہے، آپ آج پرنیاں کے ساتھ رہو گے۔" مما کے آرڈر پہ جہاں معاذ کی متبسم شوخ نگاہیں پرنیاں پہ آن رُکھہریں وہاں پرنیاں کچھ الجھن بھرے انداز میں سب کو دیکھنے لگی تھی۔

"کون سی خوشی مما۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی، مما نے محبت پاش سے اسے دیکھا پھر مسکرا دی تھیں۔

"یہ بات آپ کو معاذ بتائیں گے، معاذ بیٹے پرنیاں کو اپنے کمرے میں لے جاؤ۔" مما نے معاذ کے موڈ کی خوشگواری اور سرشاری کو بہت گہرائی سے محسوس کیا تھا اور یہ بات ان کے لئے بے حد اطمینان کا باعث تھی، پرنیاں کی نگاہ بے اختیار معاذ کی سمت اٹھی، وہ ہمیشہ کی طرح شاندار اور سحر انگیز تھا اور اپنی شخصیت کی خوبصورتی کا اس نے بہت ناجائز فائدہ اٹھایا تھا، اس کا بدگمان دل کدورت سے بھرنے لگا۔

"ایسی کیا بات ہے بھلا؟" وہ نظروں کا رخ پھیر کر پھر سے مما سے مخاطب ہو گئی۔

"بتا دیں نا آپ مما! مجھے خود شرم آ رہی ہے۔" معاذ نے مداخلت کی تھی چہرے پہ شریر قسم کی مسکان تھی، وہاں موجود سب کی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"شرم اور تمہیں. ..؟ دو بالکل متضاد چیزوں کے نام ہیں۔" بھابھی نے اس پہ فوری گرفت کی تھی معاذ نے انہیں سخت ناراضگی سے دیکھا۔

"یعنی آپ مجھے بے شرم سمجھتی ہیں، مما دیکھ رہی ہیں آپ؟" وہاں ایک نئی بحث چھڑ گئی تھی، سب کے چہروں پہ مسکراہٹ تھی خوشی تھی، پرنیاں کی الجھن اپنی جگہ پہ قائم رہی تھی، پھر خاص تاخیر سے یہ محفل برخاست ہوئی تب وہ مما کے کہنے پہ معاذ کے ہمراہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی، سیڑھیاں چڑھنے تک اس نے مجبوراً معاذ کے بازو کو برداشت کیا تھا جو اسے سہارا دیئے تھا، جیسے ہی اسے یقین ہوا کہ وہ سب کی نظروں کے حصار سے نکل آئی ہے اسی پل اس نے معاذ کے حلقے کو توڑ دیا تھا۔

"میری طبیعت اتنی خراب نہیں ہے کہ اس قسم کے سہاروں کی محتاج ہو جاؤں۔" معاذ کی استجابی نظروں سے جواب میں اس نے بے حد تنی بھرے انداز میں جتلانا ضروری سمجھا۔

''جس قسم کی طبیعت آپ کی خراب ہوئی ہے، اگلے کئی مہینوں تک کے لئے مما کی خواہش ہے کہ میں آپ کو بانہوں میں اٹھائے اٹھائے پھروں، کیا اس پہ بھی اعتراض کریں گی آپ؟'' معاذ بھی سنجیدہ ہو چکا تھا گہرا سانس بھر کے بولا، پرنیاں اسی شدت سے چونکی تھی اور کسی قدر ہراساں ہو کے اسے دیکھنے لگی، ذہن میں پھر خدشے کا سانپ سرسرایا۔

''کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟'' اس نے دھڑ دھڑاتے دل کے ساتھ سوال کیا تھا۔

''میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ ہماری محبت کی نشانی، صرف میری محبت کی نشانی ہے وہ بچہ۔''

''کون سا بچہ؟'' وہ ہکلائی اور فق ہوتے چہرے کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔

''یو آر پریگنٹ ود مائی کڈ۔'' معاذ پھر مسکرایا تھا، پرنیاں کے اعصاب شل ہو کر رہ گئے، وہ ششدر سی اسے دیکھتی چلی گئی تھی، غیر یقین شاکڈ، رنجیدہ، معاذ نے کسی قدر دھیان سے اس کا جائزہ لیا تھا، اس کی آنکھوں میں لرزتے آنسوؤں نے معاذ کو ہونٹ بھینچنے میں مجبور کر دیا تھا۔

''میں سمجھ سکتا ہوں کہ تم اس اہم خبر کو پا کر خوش نہیں ہو سکتیں تھیں مگر یہ آنسو......؟ کیا سمجھوں میں؟'' اس کی آنکھوں میں کرب اضمحلال کے ساتھ شکوہ بھی نظر آ رہا تھا۔

''آپ خوش ہیں اس خبر سے تو پھر اس وقت خوش کیوں نہیں ہوئے آپ جب لزا نے یہ خبر آپ کو سنائی تھی؟'' وہ بہتے آنسوؤں کے درمیان زور سے چیخی، معاذ کو اس قدر شدید دھچکے سے گزرنا پڑا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ پرنیاں کیا بکواس کر رہی ہو؟ میرا اس سے کیا تعلق...؟'' تمام تر ضبط کے باوجود وہ چیخ پڑا تھا۔

''مجھے تو صرف ایک اس کا پتہ چل سکا، آپ بتائیں اس کے علاوہ اور کس کس سے آپ کے تعلقات تھے، مکرنے کی ضرورت نہیں ہے، میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں۔'' وہ پھٹ پڑی تھی، زور سے چلائی۔

''کیا دیکھ چکی ہو تم؟ بولو الزام لگا رہی ہو مجھ پہ؟'' معاذ نے سخت مشتعل ہو کے اسے جھنجوڑ ڈالا تھا، اس کی رنگت دہک کر انگارہ ہو گئی تھی لمحوں میں، جتنا غصہ اور طیش تھا اس کے چہرے پر پرنیاں کو ایک لمحے کو اس سے خوف محسوس ہوا۔

''چیخنے اور چلانے سے حقیقت چھپ نہیں جایا کرتی، مجھے آپ سے نفرت ہے تو آپ کی حرکتوں کی وجہ سے سمجھے آپ؟'' پرنیاں نے بے حد کرختگی سے کہتے اس کے ہاتھ اپنے کاندھوں سے ہٹا دیئے، معاذ یکدم سرد پڑ گیا تھا۔

''تم میرے منع کرنے کے باوجود لزا سے ملی تھیں؟'' اس نے خاصی تاخیر سے یہ سوال کیا تو اس کا لہجہ تڑخ رہا تھا۔

''آپ تو یہی چاہتے تھے کہ آپ کے عیبوں پہ پردے پڑے رہیں۔'' وہ کاٹ دار لہجے میں بولی تو معاذ نے سخت کشیدگی کے عالم میں خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا، اس کا مطلب تھا لزا اپنا وار کر گئی تھی، اس نے جو دھمکی دی تھی کہ وہ اسے برباد کر دے گی اس نے وہ کر دیا تھا، اپنے اشاروں پہ نہ ناچنے والوں کے ساتھ شاید وہ ایسا ہی کرتی ہو گی، وہ ایک بدفطرت لڑکی تھی جس کی نفسانی خواہش کی بھوک کبھی مرتی ہی نہیں تھی، معاذ نے بھی اسے بہت تاخیر سے سمجھا تھا، وہ ہر خوبرو مرد پر نثار ہو جانے والی دل پھینک عورت تھی،

نفس کی غلام شیطان کی پجاری، معاذ کے سختی سے انکار کے جواب میں وہ اسے بلیک میل کرنے پہ اتر آئی تھی، وہ کیوں خائف ہوتا جبکہ اس کی کوئی کمزوری بھی اس کے پاس نہیں تھی مگر وہ مات کھا گیا تھا پرنیاں سے، وہ کانوں کی کچی تھی یا پھر واقعی اس سے اتنی نفرت کرتی تھی کہ اس سے فاصلے برقرار رکھنے کو ہر وقت کسی نہ کسی ایسی بات کی تاک میں رہتی جسے بنیاد بنا کر اس سے جھگڑ سکے، وہ تو یہی سمجھا تھا، اس کے اندر غضب کی ٹوٹ پھوٹ ہونے لگی تھی، پرنیاں کو کسی بات کا جواب دیئے بغیر وہ کمرے سے نکل آیا، ایک بار پھر اس کی بے حد اہم خوشی پرنیاں انتہائی سنگدلی سے غارت کر چکی تھی اور اسے احساس تک نہیں تھا۔

☆☆☆

رات ستی رہی میں سناتا رہا
درد کی داستاں میں بتاتا رہا
لوگ لوگوں سے چاہت نبھاتے رہے
اک وہ تھا میرا دل جلاتا رہا
دھوپ چھاؤں سی اس کی طبیعت رہی
وہ نگاہیں ملاتا چراتا رہا
اک میں ہی پیاسا رہا دوستو
لوگ پیتے رہے میں پلاتا رہا
دل کے مہمان خانے میں رونق رہی
کوئی آتا رہا کوئی جاتا رہا
ہم مکتب نے سارا سبق پڑھ لیا
میں تیرا نام لکھتا مٹاتا رہا

غزل ختم ہوئی تو اس نے پھر روائنڈ کرنی شروع کی تھی کہ دروازہ ناک کر کے زیاد نے اندر جھانکا تھا۔

''جہان بھائی آپ کو مما بلا رہی ہیں۔'' وہ اہم پیغام لایا تھا، جہان کا ہاتھ اسی زاویے پہ تھم گیا۔

''اوکے آتا ہوں میں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تو زیاد کو وہیں کھڑے پایا تھا۔

''یہ آپ کیا سڑی بسی غزلیں سن رہے ہیں؟ اچھے اچھے سانگ سنیں نا۔'' زیاد کے ٹوکنے پہ جہان کے لبوں پہ مضمحل سی مسکان ٹھہر گئی۔

''کہاں ہیں چچی جان؟''

''ہال کمرے میں ہیں آیئے۔'' جہان سرد آہ بھرتا اس کے ساتھ ہو لیا تھا، دونوں آگے پیچھے ہال کمرے میں داخل ہوئے تو مما، مما جان کے ساتھ زیورات کے ڈبے کھولے ایک طرح سے زیورات کی دکان سجائے بیٹھی تھیں۔

''آؤ بیٹے یہ دیکھو ذرا سیٹ۔'' مما نے جہان کا خیر مقدم بہت خوشدلی سے کیا تھا، وہ الجھن بھرے انداز میں ان کے قریب آیا زیاد ساتھ ساتھ تھا اس کی بانسبت اس کا انداز بے حد اشتیاق آمیز تھا۔

''اُف اتنی شاندار جیولری، ساری ڑالے بھابھی کو دے دیں گی تو پھر یہ کہاں جائے گی مام؟'' اس

کی بے صبری کے مظاہرے پہ مما نے ہنستے ہوئے اسے ایک جھانپڑ لگا دی تھی۔
"بدتمیز، نوریہ کے لئے اور بن جائے گی جب اس کا وقت آئے گا تو۔"
"مگر یہ تو ہمارے خاندانی زیور ہیں غالباً، ان میں تو سب بہوؤں کا حصہ ہوگا نا۔" زیاد نے ایک مخملیں کیس اٹھایا جس میں گلوبند تھا، تھا تو پرانا مگر اس کی چمک دمک اور ڈائزین کی خوبصورتی کمال تھی۔
"ہاں بیٹے یہ خاندانی زیورات ہیں اور جہان کی مما کے ہیں سارے، اس لئے ژالے کو ہی ملیں گے، نوریہ کے لئے میرے زیورات میں حصہ ہے، اب جو ژالے کے لئے جیولری سوٹ کی میچنگ بنے گی وہ میں چاہتی ہوں جہان ژالے کو ساتھ لے کر اس کی پسند سے خریدے۔"
"زیاد تمہیں جو سیٹ پسند ہے وہ تم لے لو نوریہ کے لئے۔" جہان نے مما کی آخری بات پہ سخت جزبز ہوتے دانستہ بات کا رخ بدلا تھا۔
"نہیں بیٹے، یہ بالکل مناسب نہیں، نوریہ کے لئے جو زیاد چاہے مارکیٹ سے آجائے گا۔" مما نے پرزور مخالفت کی تھی۔
"یہ کیا بات ہوئی بھلا چچی جان! اس گھر کی کسی بھی چیز پہ کسی کا نام نہیں لکھا ہوا، یہاں سب کچھ سانجھا ہے، پلیز آپ یہ سوچ کر آئندہ ایسی بات نہ کہیے گا کہ مجھے یہ سب تکلیف دیتا ہے۔" اس کے پرسان لہجے میں تمام تر فرمانبرداری کے ساتھ جو خلوص اور محبت اور اپنائیت تھی وہ سب سے اہم تھی، مما نے گہرا سانس بھرا اور نم آنکھوں کے ساتھ اسے گلے لگا کر ماتھا چوما تھا، فرط جذبات کے باعث وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھیں، زیاد نے بے صبری کا مظاہرہ کرتے صرف وہی گلوبند نہیں ایک بے حد نازک سا سیٹ بھی اٹھا لیا تھا۔
"یاہو، جیو جہان بھائی، یہ دونوں تو اتنے یونیک ہیں کہ بس نوریہ کو ہی جچ سکتے ہیں، بس میں لے رہا ہوں اور ہاں جہان بھائی ایک بات اور سن لیں، ژالے بھابھی سے شادی کے بعد بھی آپ ایسے ہی رہیے گا، اگر بدل گئے تو..."
"کسی میں اتنا دم نہیں کہ مجھے بدل سکے، مجھے اپنے حقیقی رشتوں سے بڑھ کر نئے بننے والے رشتے ہرگز اہم نہیں ہونے والے، سو ڈونٹ یو وری۔" جہان نے پھر اسی رسانیت بھرے انداز میں کہا تو زیاد ہنسنے لگا تھا۔
"مسز آفریدی کی کال آئی تھی بیٹے، بتا رہی تھیں وہ شاپنگ دوبئی سے کر رہی ہیں مگر ژالے کا برائیڈل ڈریس یہاں کراچی سے لیں گی، میں چاہتی ہوں ولیمہ کا جوڑا آپ خود پسند کرو بلکہ جن دنوں ژالے یہاں آئے آپ ژالے کو ساتھ لے کر اس کی پسند کے مطابق لباس خرید دو، جب پہننا بچی نے ہے تو پسند بھی اس کی ہونی چاہیے، کیوں بھابھی بیگم؟" مما نے آخر میں مما جان کو بھی اپنا ہمنوا کرنا چاہا تو جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا۔
"جب پسند ان کی ہوگی تو پھر ساتھ کوئی بھی چلا جائے، میری موجودگی اتنی اہم نہیں ہے۔" وہ صاف دامن چھڑا رہا تھا۔
"ہر بچی کی زندگی میں یہ بے حد اہم موقع ہوتا ہے بیٹے جب اس کے شریک سفر کی کچھ مواقع پر موجودگی اس کے اعتماد اور ڈھارس کو بے حد اہم ہوتی ہے، آپ سمجھ رہے ہو میری بات؟" مما کا انداز

ناصحانہ تھا، زیاد نے کسی قدر شوخی سے تائیدی انداز میں سر ہلایا پھر بولا تھا۔
"ان کو چھوڑیں مما! میں ہر بات کو پلو سے باندھ رہا ہوں، میری باری پہ آپ کو مجھے کوئی نصیحت نہیں کرنے پڑے گی۔" وہ کھلکھلایا تو مما نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا۔
"بتانے کی ضرورت نہیں، مجھے اچھی طرح سے اپنے بیٹوں کی رنگین مزاجی کا پتہ ہے۔"
"صرف ہمیں کیوں الزام دیتی ہیں، پپا کا احوال سنائیں، بلکہ آپ سنائیں مما جان پپا اپنی جوانی میں مما پہ کیسے فدا ہوا کرتے تھے، ہم سب یقیناً انہی پہ پڑے ہیں مزاجاً۔" وہ دانت نکال کر کہہ رہا تھا، مما خفت سے سرخ پڑ گئیں ارادہ اسے پھر جھانپڑ لگانے کا تھا مگر زیاد کو بھلا ان کے ہاتھ آنا تھا، ہنستا ہوا بھاگ گیا۔

☆☆☆

ان کو ناموس بھی
عزت بھی پذیرائی بھی
مجھ کو رونے کو میسر نہیں تنہائی بھی
اپنے ہی حال پہ ہنسنا بھی ہنس کر رونا
میں بیک وقت تماشا بھی تماشائی بھی

اس نے غیر محسوس انداز میں بھیگے گالوں کو رگڑ کر خشک کر لیا مگر یہ آنسو تو تاسف و ملال کے تھے جو تھمے تھے نہ خشک ہوتے تھے، اس کی طبیعت سنبھل کر نہیں دے رہی تھی، تیمور آج پھر اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر آیا تھا، ڈاکٹر نے دواؤں کے ساتھ ہدایات اور تسلیاں دے کر بھیج دیا، شام سرمئی آنچل پھیلا چکی تھی، دور افق پر غروب ہوتے سورج کی سرخی میں گویا آگ دہک رہی تھی، پرندوں کی قطاریں بہت سرعت سے اپنے آشیانوں کی طرف محو سفر تھیں، ہوا میں خنکی رچی ہوئی تھی، کچھ دنوں سے برف باری کا سلسلہ موقوف تھا، سردیوں کا مخصوص خشک سناٹا اور ویرانی دھیرے دھیرے وادی کو اپنی لپیٹ میں لیتی جا رہی تھی، پوری وادی نے گویا برف کا سفید لباس زیب تن کیا ہوا تھا، برگ شجر پھول، سبزہ چھوٹی بڑی پہاڑیاں اور بلند و بالا آسمان کو چھوتی ہوئی چوٹیوں تک پہ برف ہی برف بکھری ہوئی تھی، برف کے ننھے ذرے ایک بار پھر آکاش سے سفید پریوں کی طرح اترنے لگے تھے، سردی اپنے عروج پہ پہنچتی جا رہی تھی، جیسے جیسے برف پڑتی زینب کا دل بھی کسی کھائی میں ڈوبنا شروع کر دیتا، اسے لگتا کسی نے اسے اس سرد جہنم میں قید کر دیا ہو، ایک بار پھر برف گرتے دیکھ کر اس کا دل بھاری ہونے لگا۔
سیاہ جیپ سبک خرامی سے لکڑی کے پل پر دوڑ رہی تھی، اطراف میں سبزے سے گھرے سبز میدان تھے، جن میں جگہ جگہ جنگلی پھولوں سے جھاڑیاں اور صنوبر کے ساتھ چنار کے درختوں کی بہتات تھی، سامنے بلند پہاڑ سے شاید جھرنا گرتا تھا جو اسی صورت میں جم چکا تھا، اس وادی کا ہر گوشہ قدرتی حسن کی دولت سے مالا مال تھا، مگر وہ اس ماحول اس جگہ سے مانوس نہیں ہو سکی تھی تو وجہ تیمور ہی تھا، اس کا رویہ اور اس کا دھوکہ تھا جو وہ اسے دے چکا تھا، جیپ پل سے اتر کر اب سڑک پہ دوڑ رہی تھی، معاً گھنی قد آور جھاڑیوں سے مویشیوں کا چھوٹا ریوڑ جیپ کے راستے میں حائل ہو گیا جس نے تیمور خان کی نازک طبع پہ ناگواری لا دی تھی، وہ بے دریغ بوڑھے پہ برس پڑا جو ان مویشیوں کو ہانک کر لے جا رہا تھا، تیمور کی جیپ

اس کی اہم شناخت تھی، اس پہ تیمور کی برہمی، بوڑھا بیچارا بدحواس ہو چلا تھا، زینب نے اس ماحول سے فرار کی خاطر آنکھیں بند کرلیں، پھر اس نے تب ہی آنکھیں کھولی تھیں جب جیپ حویلی کے بڑے پھاٹک سے اندر داخل ہو رہی تھی، پہلی بار جب وہ اس حویلی میں آئی تھی تو سرخ پتھروں سے بنی اس حویلی جس کے گوشے گوشے پھولوں اور پھلوں کی بہتات تھی دیکھ کر وہ عنقریب اس میں ملکیت کے احساس سمیت رہائش کے خیال سے کتنی سرشار تھی، مگر اس کی ساری خوشی ساری سرشاری بہت جلد بھاپ بن کر اڑ گئی، اس نے آو بھر کے حویلی کے اطراف میں پہاڑوں کی کوکھ سے گرتے جھرنوں اور آبشاروں کے ساتھ سر سبز خوبصورت پھولوں سے مہکتے ان کو دیکھا تھا اور طے کیا تھا کہ انسانی زندگی میں اطمینان اور سکون کے لئے دولت و حشمت نہیں محبت پذیرائی اور عزت ضروری ہوا کرتے ہیں، جو کم از کم اسے تیمور خان کی حویلی سے نہیں مل سکے تھے۔

"مجھے لگتا ہے زینب تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو۔" تیمور نے ملازمہ کو سبز قہوے کا کہا تھا پھر اپنی گرم مردانہ شال اتار کر رکھتا ہوا اس کے اداس اور بے زار چہرے کو دیکھ کر بولا تو زینب اس کی متوقع ناراض کے خیال سے حراساں سی ہو گئی۔

"ایسی تو بالکل کوئی بات نہیں ہے تیمور، بس میری طبیعت ٹھیک نہیں رہتی نا، اسی وجہ سے۔" وہ وضاحتوں پہ وضاحتیں دیتی چلی گئی، حالانکہ یہ وہی زینب تھی جس کا مزاج ہمیشہ شاہانہ رہا تھا، جو خلاف مزاج کوئی بات سنتی تو ایک حشر اٹھا دیتی تھی مگر وہ وقت بیت گیا تھا، وہ جو اسے سر آنکھوں پہ بٹھاتے تھے اب اس کے آس پاس نہیں تھے، اب اس کی زندگی کی ڈور جس کے ہاتھ تھی وہ خود بہت نازک مزاج تھا، اسے اپنی بجائے اس کے ناز اٹھانے پڑتے تھے۔

"اس گائناکالوجسٹ کے طریقہ علاج سے میں سیٹ سفائیڈ نہیں ہوں زینب، میں سوچ رہا ہوں تمہیں کراچی بھیج دوں، وہیں اچھے ہاسپٹل سے تم اپنا علاج کرواؤ، آف کورس میں اپنے بچے کے معاملے میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔" تیمور کی بات پہ زینب کے چہرے پہ یکدم روشنی سی چھا گئی مگر اس نے اپنے جذبات کو کنٹرول میں رکھا تھا وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی تیمور کو اس کی خوشی کی بھنک بھی پڑے۔

"کیا کہتی ہو پھر تم؟" تیمور کو شاید اس کی خاموشی کھلی تھی جبھی چلبلا کر بولا تھا۔

"جی بہتر جیسے آپ مناسب سمجھیں۔" اس نے فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا، ملازمہ قہوہ لے کر آئی تو تیمور اس جانب متوجہ ہو گیا۔

"اوکے میں کوشش کروں گا ایک دو دنوں میں تمہیں کراچی بھیج دوں، مجھے کچھ کام ہے، چلتا ہوں۔" وہ اسے اپنا خیال رکھنے کی خاص تاکید کرتا چلا گیا، اس کے جانے کے بعد زینب بھی اٹھ کر باہر آ گئی، آزادی چاہے عارضی سہی مگر وہ اس احساس کو اس خوشی کو محسوس کرنا چاہتی تھی، اس نے گہرا سانس بھر کے ریلنگ کے پار دور تک نگاہ کی، وادی رات کے اندھیرے میں گم تھی، ایک سرد سکوت ہر سو پھیلا ہوا تھا، کھیتوں، سبزے اور پھولوں کی مہک سے لبریز ہوائیں ہر سو سرسرا رہی تھیں، ارد گرد بلند و بالا پہاڑوں پہ گرتی برف ماحول میں عجیب سا نور کا احساس بن کر پھیلی ہوئی تھی، کہر کی دبیز چادر سے ہر شے نمی سے بھیگی ہوئی تھی، دھند میں لپٹے آسمان پر چاندنی سے منور چاند کسی تھکے ہارے مسافر کی طرح آہستگی سے اپنی منزل کی طرف سفر میں تھا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ماحول میں ٹھنڈک بڑھ رہی تھی، ایسے سرد

ترین موسم میں جہاں معمولی سی بے احتیاطی رگوں میں دوڑتے لہو کو برف کر دے وہ تمام تر سردی کے بچاؤ کے تقاضوں سے بے نیاز برآمدے میں ٹہلتی رہی۔

"آپ کا فون ہے بی بی صاحبہ۔" ملازمہ اس کا فون اور شال لئے نزدیک آ کھڑی ہوئی تھی، زینب نے سیل فون لیا تھا، فون پہ دوسری جانب زیاد تھا۔

"کیسی ہو زینب؟" وہ خاصے سے زیادہ فکر مند تھا۔

"الحمدللہ میں ٹھیک ہوں بھائی، آپ کیسے ہیں؟" وہ اب کے دل سے مسکرائی تھی، اس کی آواز کی کھنک نے یقیناً زیاد کو بھی مطمئن کیا تھا۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟ یہاں سب سے زیادہ اسی بات پہ فکرمند ہیں یونو؟"

"کم آن بھائی آئی ایم اوکے، آپ مما سے میری بات کروائیں ذرا۔"

"آپ پریشان نہ ہوا کریں مما، ایسی حالت میں طبیعت کا خراب ہونا تو معمولی بات ہے۔"

"ہاں بیٹے، لیکن پریشانی تو فطری بات ہے، پھر آپ سے بات بھی تو نہیں ہو پا رہی تھی۔"

"بات نہیں ہوئی تھی تب بھی آپ میں سے کسی نے یہاں آنے کی ضرورت نہیں محسوس کی، مما کیا میں سمجھوں کہ اس طرح مجھے یہ احساس دلایا جا رہا ہے کہ میں نے جو غلطی کی اسے مجھے تنہا ہی بھگتنا ہے، کیا آپ کی خوشیاں مجھ سے الگ ہو گئی ہیں۔"

اسے جانے کیا ہوا تھا کہ وہ پھپھک کر رو پڑی تھی، حالانکہ جب بات چیت کا آغاز کیا تو اس کا موڈ بے حد خوشگوار تھا، مما اس کی بات پھر اس کو یوں رو دینے سے یقیناً مضطرب ہوئی تھیں اور بار بار اسے پکارتیں اپنے انداز میں تسلی دے رہی تھیں مگر اس کے دل کا بوجھ یونہی قائم رہا۔

"آپ ایسا کیوں سوچتی ہو بیٹا۔"

"پھر اور کیا سوچوں، یہاں سب ہی کی خوشیوں میں مگن ہیں، میری کسی کو کوئی پرواہ نہیں۔" اس کی زبان پہ اصل شکوہ آ گیا، جواباً مما نے سرد آہ بھری تھی۔

"یہ ساری خوشیاں آپ کے بغیر ادھوری ہیں، آپ آؤ گی تو ہی کام آگے بڑھے گا۔" وہ اسے بہلا رہی تھیں جب معاذ نے ان کے ہاتھ سے سیل لے لیا تھا۔

"کیوں خواہ مخواہ مما کو پریشان کر رہی ہو زینی۔"

"سوری لالے، مجھے پتہ نہیں کیا ہو جاتا ہے۔" وہ دلگیری سے کہتی آنسو پونچھنے لگی۔

"چلو چھوڑو، یہ بتاؤ کب لینے آؤں تمہیں؟"

"میں خود آ جاؤں گی ایک دو دن میں لالہ ڈونٹ وری۔" اس نے خود کو سنبھال لیا، معاذ کے بعد اس کی پرنیاں سے بات ہوئی تھی۔

"تمہیں مبارک ہو پری، اب تم اپنے بیٹے کا نام عدن رکھ سکتی ہو، بہت پسند ہے نا یہ نام تمہیں؟" وہ یاسیت سمیت کر پھر سے خوشدلی اوڑھ چکی تھی۔

"ضروری تو نہیں ہے میری پسند کو اہمیت دی جائے۔" وہ پتہ نہیں کیوں زہر خند ہو رہی تھی، زینب حیران سی ہو کر رہ گئی۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ پری تمہیں شاید اپنی خوش بختی کا اندازہ نہیں ہے، نیک اور پارسا مرد کا ملنا

بھی خدا کا تحفہ ہے اور نعمتوں کی ناقدری کرنے والے خدا کے ہاں معتوب ٹھہرتے ہیں۔" پرنیاں کے شاکی انداز پہ وہ گہرے رنج اور کرب میں مبتلا ہو کر کہتی چلی گئی، دکھ تھا ملال تھا اور آزردگی تھی، اسے تو یہ ہو یا ڈالے یا پرنیاں ہر لڑکی خود سے کروڑ درجے بڑھ کر خوش بخت لگنے لگی تھی، زیاں تھا لامحدود زیاں جس نے اسے اب ہر پل ہر لمحہ رگیدنا شروع کر دیا تھا۔

"تمہارے بھائی ہے نا وہ، تم تو کرو گی ہی تعریفیں۔" پرنیاں بھی جواباً ہائپر ہوئی تو زینب بری طرح سے ہرٹ ہوئی تھی۔

"اس بات کا کیا مطلب ہے پری، تمہیں میری بات کا یقین نہیں یا لالے پہ کوئی شک ہے۔"

"یہ لاحاصل بحث ہے زینب، میں اس موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتی۔" زینب کو شدید اختلاف ہوا۔

"مجھے لگتا ہے پرنیاں تم لالے کے متعلق ابھی تک شدید غلط فہمی کا شکار ہو۔"

"دکھ اور افسوس کی بات ہی یہی ہے زینب کہ میری ساری غلط فہمیاں دور ہو گئی ہیں۔" پرنیاں کے لہجے میں تاسف تھا، دھیمے لہجے میں دکھ کی آنچ تھی، زینب کا اضطراب بڑھا۔

"اگر غلط فہمی دور ہو گئی ہے تو پھر بدگمانی کیوں ختم نہیں ہو رہی ہے پری؟"

"لیو دس ٹاپک زینب پلیز۔" وہ سخت عاجز ہو چکی تھی گویا زینب نے ٹھنڈا سانس کھینچا۔

"میں تم سے وہاں آ کے بات کروں گی پری، میرے لالہ بہت سویٹ بہت نائس ہیں، شاید تم انہیں صحیح طرح سے انڈر اسٹینڈ نہیں کر پائیں۔" پرنیاں نے اس بات کا جواب نہیں دیا تھا، زینب خود بھی کسی سوچ میں گم ہو گئی تھی۔

☆☆☆

کوئی سکوں کی جگہ تلاش کریں
آ مل کر وفا تلاش کریں
جرم دونوں کا ہے اک سا
آ اک جیسی سزا تلاش کریں
غم سینے میں بھی پھوٹنے نہ پائے
آ ایسی آب و ہوا تلاش کریں
دونوں اپنی انا میں نہ مٹ جائیں
کوئی درمیانی سی راہ تلاش کریں
قربت اپنی کیوں دوری میں بدل گئی
آ ہم اپنی اپنی خطا تلاش کریں
دیکھتے دیکھتے جو دل میں اتر گئی تھی
محبت کی وہ پہلی نگاہ تلاش کریں

کراچی ایئرپورٹ پہ جہان اس کا منتظر تھا، خوبصورت لباس پہنے بے حد اسٹائلش شال میں خود کو اچھی طرح لپیٹے وہ جب اس کے سامنے آئی تو جہان ایک لمحے کو اس پر سے نگاہ نہیں ہٹا سکا تھا، گلابوں کی

شرماتی اس کی نزاکت اور دلکشی و تازگی جیسے کہیں کھو گئی تھی، ماند پڑی رنگت اور آنکھوں تلے حلقوں کے ساتھ وہ صدیوں کی بیمار نظر آتی تھی، جہان کے تو جیسے دل پہ آرے چل گئے تھے۔

"زینب آر یو اوکے۔" وہ کسی طرح بھی خود کو اس سوال کے پوچھنے سے باز نہیں رکھ سکا تھا، جواب میں وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دی۔

(پودا اپنی جڑ اور بنیاد کھو دے تو اس کا نصیب مرجھانا ٹھہرا کرتا ہے، شاید مجھے اپنوں خاص طور پہ تمہارا دل دکھانے کی سزا ملی ہے)۔

"ہاں ٹھیک ہوں مجھے کیا ہونا ہے۔" اس نے پہلی بار اس کے سامنے بھرم رکھا تھا اور جہان نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

"مجھے پتہ چلا تھا پچھلے دنوں تمہاری طبیعت خراب رہی ہے۔"

"ہاں موسم کی تبدیلی کی وجہ سے ٹمپریچر ہو گیا تھا، اسی کے اثرات سمجھ لیں، وہاں موسم میں بہت شدت ہے، میں فی الحال عادی نہیں ہو پا رہی۔" وہ ایک کے بعد دوسرا پردہ اپنی ذات پہ گراتی چلی گئی، جہان نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ محض اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ کو بہت مبارک ہو جی شادی کی، مجھے لینے کیوں آ گئے آپ، میں تو سمجھی مایوں بیٹھے ہوں گے۔" وہ خواہ مخواہ چہکنے لگی، جہان نے نہ اسے دیکھا نہ ہنسی میں ساتھ دے سکا، شاید وہ ابھی تک اتنا بہادر نہیں ہو پایا تھا جتنا زینب ہو گئی تھی۔

"میرے پاس ڈالے کا نمبر نہیں تھا ورنہ اسے لازماً مبارکباد دیتی، آپ کے پاس تو ہو گا میری بات کرایئے گا۔" اس کے ہمراہ گاڑی میں آ کر بیٹھتے ہوئے وہ اسی اوپرے سے لہجے میں کہہ رہی تھی، جہان ونڈ اسکرین پہ نظریں مرکوز کیے گم صم بیٹھا ڈرائیو کر رہا تھا، زینب بھی جیسے تھک سی گئی تھی، سیٹ کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں تو جہان نے نگاہ کا زاویہ بدل کر اسے دیکھا تھا، رخساروں کی ابھری ہوئی ہڈیوں اور زرد پڑتی رنگت کے ساتھ وہ اپنا بھرم رکھنے میں بھی ناکام تھی، جہان کی جیسے آنکھیں جل اٹھیں۔

(تو کیا تم انکشافات کی زد پہ ہو زینب؟ اور خود کو سنبھال نہیں پا رہی، کیا میری دعائیں بھی تمہاری راہوں کے کانٹوں کو نہیں چن سکیں)۔

"دھیان سے جی! ابھی ایکسیڈنٹ ہو جاتا۔" گاڑی کے ٹائر زور سے چرچرائے اور ایک زوردار جھٹکا لگا تھا، یہ سارا جہان کی بٹی ہوئی توجہ اور پراگندہ ذہن کا شاخسانہ تھا۔

"آپ اتنے خاموش کیوں ہیں جی؟ من پسند ہم سفر کی رفاقت کا خیال تو بہت دلفریب ہوتا ہے۔" وہ پھر سیدھی ہو بیٹھی تھی، جہان نے اس بات کے جواب میں ایک کھینچی ہوئی سانس بھری تھی پھر خود کو کس قدر سنبھال کر بولا تھا۔

"مجھے تو تم بھی خوش نہیں لگ رہیں، تم نے بھی تو اپنی مرضی سے شادی کی تھی۔"

"طعنہ دے رہے ہیں جی؟ حالانکہ نہ آپ نے یہ کام کبھی کیا تھا، نہ آپ پہ یہ جچتا ہے۔" وہ گہرے دکھ کے حصار میں گھر کر زخمی انداز میں مسکرائی جہان نے سرد آہ بھری تھی۔

"میں وہ بات کر رہا ہوں زینب جو میں نے محسوس کی....." اس نے سادگی سے وضاحت کی تو

زینب کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا تھا، جہان نے بھی اس کی خاموشی کے بعد کچھ نہیں کہا، زینب کو دیکھ کر اس طرح باقی سب کو بھی دھچکا لگا تھا، جہان اسے سب کے بیچ چھوڑ کر خود واپس آفس آ گیا، ابھی فائل کھول رہا تھا جب اس کا سیل گنگنانے لگا تھا، نمبر مسز آفریدی کا تھا، جہان نے سیل کو سائلیںٹ پہ لگا کر دراز میں ڈال دیا اور اپنے کام میں مشغول ہوا تھا، مگر زینب کا ستا ہوا چہرا بار بار اس کو ڈسٹرب کرتا رہا، رات کو وہ گھر لوٹا تو شاہ ہاؤس کے درو دیوار سے قہقہے پھوٹ رہے تھے، وہ سب ہال میں جمع تھے اور ہنسی مذاق جاری تھا۔

''معاذ کہاں ہے؟'' زیاد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اپنے مقابل بٹھایا تو جہان نے فوری طور پہ اس کی کمی کو محسوس کیا تھا۔

''ہاسپٹل میں ہی ہیں، مجھے خصوصی رعایت دی ہے کہ شادی کے ہنگاموں میں بھرپور حصہ لوں۔'' زیاد کی وضاحت پہ جہان نے کچھ کہے بغیر سیل فون نکال لیا تھا اور اس کا نمبر ڈائل کیا۔

''تم ابھی تک گھر کیوں نہیں پہنچے ہو معاذ؟'' رابطہ بحال ہونے پہ اس نے کس قدر خفگی سے کہا تھا۔

''سوری جے مجھے اندازہ ہے میرے یار کی شادی ہے مگر کچھ ضروری کام تھا۔''

''پرنیاں بھی کچھ اداس لگتی ہے، پھر کوئی بات ہوئی ہے نا تم دونوں کے بیچ؟'' وہ سب کے درمیان سے اٹھ کر باہر آ گیا تھا۔

''میری جان ہماری فکر چھوڑو، ہم پرانے ہو گئے ہیں۔'' وہ صاف اسے ٹال رہا تھا مگر جہان ٹلا نہیں تھا۔

''تم سمجھتے ہو معاذ اسی طرح مجھ سے کچھ چھپا لو گے؟''

''میں کچھ نہیں چھپا رہا ہوں، پرنیاں کی طبیعت ان دنوں اپ سیٹ ہے، وہ اداس نہیں اس پریگنسی سے کچھ گھبراہٹ کا شکار ہے یار۔'' معاذ عاجز ہو کر یہ کہہ رہا تھا، جہان نے ہنکارا ابھرا۔

''تمہیں ان کا خیال زیادہ رکھنا چاہیے مگر تم ہاسپٹل کو زیادہ پیارے ہوتے جا رہے ہو، فوری گھر آؤ۔''

''جو حکم مائی لارڈ۔'' معاذ نے ہنستے ہوئے فرمانبرداری سے کہا تو جہان نے فون بند کر دیا تھا، واپس اندر جانے کو مڑا تو زینب کو کھڑے پا کر خود کو سنبھال کر نرمی سے مسکرایا۔

''ژالے سے بات کر رہے تھے؟ میں نے آپ سے کہا بھی تھا میری بات کرا دیجئے۔'' اس کے سوال نے جہان کی مسکراہٹ گویا نوچ لی تھی۔

''معاذ تھا فون پہ۔''

''چھپا رہے ہیں مجھ سے؟'' زینب نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا تو جہان نے گہرا سانس بھرا تھا۔

''شاید آپ ژالے سے میری بات نہیں کرانا چاہتے، خیر اسے میری طرف سے کہہ دیجئے کہ وہ بے حد لکی ہے، ہر لحاظ سے۔'' اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں تھی جہان ششدر سا کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆

''مما بتا رہی تھیں کہ تم اپنی ڈائٹ پہ توجہ دیتی ہو نہ ہی میڈیسن باقاعدگی سے لیتی ہو، آخر مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ؟''

معاذ کمرے میں آیا تو پرنیاں ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی ہاتھوں پہ لوشن کا مساج کر رہی تھی، ہلکے گلابی سوٹ میں اس کے تازہ شیمپو کیے بال پشت پہ سیدھے گر رہے تھے، لمبی پلکوں کا مرتعش سایہ صبیح گالوں پہ لرزتا تھا، پرل کے ٹاپس اس کے چہرے کو انوکھی سی کشش دے رہے تھے، ماں بننے کے مرحلے میں داخل ہوتے ہی اس کی خوبصورتی میں کچھ اور بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا گویا۔

''میں دیواروں سے نہیں تم سے مخاطب ہوں۔'' اس کی بات کو یکسر نظر انداز کیے وہ سونے کی چوڑیاں اتار اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھنے لگی تو معاذ توہین کے احساس سے سلگتا ہوا اس کے قریب آ کر کوئلے کی طرح سے چٹخا۔

''بے معنی اور فضول باتوں کے جواب نہیں ہوتے میرے پاس۔'' اس کا انداز آگ لگا دینے والا تھا، معاذ کا دماغ الٹ سا گیا۔

''تم خود کو آخر سمجھتی کیا ہو؟ میں جتنا جھک رہا ہوں تم اکڑتی جا رہی ہو۔'' وہ چیخ پڑا تھا۔

''تو نہ جھکیں، کس نے کہا ہے اپنی اکڑ توڑنے کو، آپ کو میری ڈائٹ کی اگر پرواہ ہے تو وجہ آپ کا بچہ ہے، ورنہ اس سے قبل تک آپ اس فکر میں کبھی ہلکان نظر نہیں آئے تھے۔'' پرنیاں کا ملامتی انداز معاذ کو گہرا سانس بھر کے اسے عاجزانہ انداز میں دیکھنے پہ مجبور کر گیا تھا۔

''میرا بچہ تمہارا کچھ نہیں لگتا پرنیاں؟'' وہ جیسے بے حد تھکا ہوا نظر آ رہا تھا۔

''فی الحال میں اس کے لئے کوئی فیلنگز محسوس نہیں کرتی۔'' اس کا لہجہ و انداز خشک تھا تڑخا ہوا جو معاذ کو ششدر کر کے رکھ گیا تھا۔

''تمہاری نفرت مجھ سے ہے پرنیاں، یہ بچہ جیسی بھی صورتحال کا پیداوار ہے مگر یہ مت بھولو کہ ہمارا جائز بچہ ہے اور صرف یہی نہیں میں تمہیں اس کی کوئی حق تلفی نہیں کرنے دوں گا۔'' انگلی اٹھا کر تنبیہی انداز میں جتلاتا ہوا وہ یکسر بدلے ہوئے انداز میں پھنکارا تو پرنیاں کے ہونٹوں پہ زہر خند پھیل گیا تھا۔

''اتنی جلدی اپنی اصلیت ظاہر کر دی آپ نے؟ گڈ مگر ایک بات دھیان میں رکھیے گا معاذ حسن کہ ابھی آپ کا بچہ میرے پاس ہے اور میرے رحم و کرم پہ بھی، آپ چاہنے کے باوجود بھی مجھے اپنے اشاروں پہ نہیں چلا سکتے۔''

پتہ نہیں غصے اور نفرت کی یہ کون سی کیفیت تھی کہ وہ اتنی کڑی بات کہہ گئی تھی، جس نے اگلے کئی لمحوں کے لئے معاذ کو حق دق کر دیا تھا۔

''بہت اچھا کیا کہ تم نے بھی مجھے اپنی پہچان کرا دی، ورنہ میں شاید کسی غلط فہمی کا شکار رہتا، نہایت افسوس کے ساتھ مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے آج کہ میں ان جذبوں پہ اس قربت پہ شرمندہ ہوں جو میں نے تمہارے لئے محسوس کیے جو تمہارے سنگ کسی بھول میں گزارے، کاش یہ آگاہی مجھے پہلے مل گئی ہوتی تو میں تم جیسی گمراہ اور سفاک عورت پہ تھوکنا بھی پسند نہیں کرتا۔'' اس کے غصے کے آگے وہ بھی بپھر گیا تھا، بات بڑی تھی، الفاظ کڑے تھے، معاذ کے بعد سکتے میں آنے اور رنج سے صدمے سے دوچار ہونے کی پرنیاں کی باری تھی، وہ فق چہرے کے ساتھ چکرائی ہوئی سی صوفے پہ گر سی گئی، اسے لگا تھا اس کے زخموں کے پھر سے ٹانکے تڑ تڑ کر کے ٹوٹے ہوں اور زخموں کے منہ کھل گئے ہوں، بے آواز بہتے آنسوؤں کے

ساتھ وہ ہاتھوں میں چہرا چھپا کر صوفے پہ ہی لیٹ گئی تھی۔

"آج سے تم بیڈ پہ سوؤ گی اس وقت تک جب تک میرا بچہ جنم نہیں لیتا، اس کے بعد تم بھاڑ میں بھی جاؤ تو مجھے پرواہ نہیں ہوگی، تمہارے ایٹی ٹیوڈ نے بارہا مجھے جتلا دیا کہ تمہیں مجھ سے نفرت ہے، مگر اس کے باوجود تمہیں مجھے برداشت کرنا ہے تو وجہ تم سمجھ سکتی ہو۔" معاذ نے اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ پہ پٹخ دیا تھا، وہ سانس روکے اسے دیکھنے لگی، ایک بار پھر وہ خوفناک موڈ میں تھا، ایسا موڈ جس سے مما بھی خائف رہا کرتی تھیں، اس میں اتنی بھی ہمت نہیں رہی تھی کہ اٹھ کر اپنا دوپٹہ اٹھا لیتی، جو وہاں صوفے کے پاس ہی گر گیا تھا، اس نے کروٹ بدل لی اور اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹنے کو منہ پہ تکیہ رکھ لیا تھا، یونہی روتے پتہ نہیں کب اس کی آنکھ لگی۔

☆☆☆

یہ مما کا شدید ترین دباؤ تھا کہ اور کچھ نہیں کم از کم وہ رونمائی گفٹ ضرور اپنی پسند سے خریدے، باقی ہر کام کی طرح وہ یہاں بھی محض طفل تسلیوں سے کام چلا لیتا مگر پچھلے ایک ہفتے سے وہ اس کی آفس واپسی پہ جب باقاعدگی سے اپنا سوال دہرا کر گفٹ کے متعلق پوچھتیں تو جہان کو ہر بار شرمندہ ہونا پڑتا، وہ ان کی خاطر یہ کام کر بھی لیتا مگر بات یادداشت کی بھی تھی جو ہر بار دغا دے جاتی، کل رات بھی اس نے خفت زدہ انداز میں ان سے سوری کی تھی۔

"زیٹی چچی جان مجھے واقعی یاد نہیں رہا، آفس کے کاموں میں لگ کر بھول جاتا ہوں۔"

"انسان ہمیشہ اسی کام کو بھولتا ہے جو اس کے نزدیک غیر اہم ہو، اب آگے تم خود سمجھ دار ہو۔" معاذ جو اس وقت وہیں تھا، کسی قدر سنجیدگی اور متانت سے بولا تھا، جہان کی خجالت میں گراں قدر اضافہ ہو کر رہ گیا۔

"چلو خیر ہے بیٹے! میں ایسا کروں گی کل آپ کو فون کر کے یاد کرا دوں گی۔" مما سے جہان کی خفت دیکھی نہیں گئی تھی، تبھی انہوں نے نارمل سے انداز میں کہہ کر بات ختم کر دی اور آج جب وہ آفس سے اٹھ رہا تھا صرف مما کی ہی یاددہانی کی کال نہیں آئی تھی، معاذ نے بھی اسے فون کیا تھا۔

"جے آج لازمی مال چلے جانے یار ورنہ مما کے ہاتھوں تیری خیر نہیں، دیکھ مجھے کتنا خیال ہے تیرا، یاد دلا دیا۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

(یہ سارا پراسس جس کی وجہ سے ہے وہی میرے لئے غیر اہم ہے معاذ! کہاں کہاں پہ کیا کچھ یاد کراؤ گے؟) اس کے اندر تھکن سی اترنے لگی۔

"ابھی سے اپنی شادی کی رات میں کھو گئے، یار پہلے گفٹ خرید تو لے پھر دیکھنا خواب۔" معاذ کی کھنک دار شوخ آواز پہ جہان کے ہونٹوں پہ زہرخند پھیل گیا تھا۔

(اگر میرے بس میں ہوتا تو یہ رات کبھی نہ آنے دیتا مگر......)

"تم آ جاؤ نہ معاذ میری ہیلپ کو، قسم سے مجھے بالکل کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔" وہ بے حد اکتاہٹ آمیز بےزاری سے کہہ رہا تھا، جواباً معاذ نے صاف ہری جھنڈی دکھا دی۔

"نہ جی میں تو بے حد مصروف ہوں ہاسپٹل میں، مما نے بھابھی کی خدمت کی آفر کی تو تھیں مگر تم۔"

"چلو ٹھیک ہے پھر خدا حافظ۔" جہان نے بے اعتنائی سے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تھا، اسی بے دلی

اور بےزاری کی کیفیت میں وہ شاپنگ آرکیڈ میں آیا تھا، جیولرز کی بڑی بڑی جگمگاتی شاپس تھیں جن میں سے وہ ایک کا گلاس ڈور دھکیل کر اندر داخل ہو گیا تھا، وہ کچھ بے خیال تھا یا پھر ماحول سے اتنا غافل کہ فوری طور پہ مسز آفریدی کے ساتھ موجود ژالے اسے نظر نہ آ سکی، اس کی نگاہ سرسری انداز میں اٹھی تھی اگلے لمحے وہ اس زاویے پہ ساکن رہ گیا، آتشی گلابی بے حد اسٹائلش لباس میں ملبوس بڑے سارے دوپٹے کو سلیقے سے اوڑھے وہ ہی تھی، اپنی تمام تر جاذبیت دلکشی اور جکڑ لینے والی خوبصورتی سمیت، مسز آفریدی نے اپنے ہاتھ میں موجود سرخ یاقوت سے سجے اس ٹیکے کو اس کی دمکتی ہوئی پیشانی پہ لگا کر ستائشی نظروں سے دیکھا تھا جبکہ وہ ان کے اشارے پہ آئینے کی سمت متوجہ ہوئی تو انداز میں ہی نہیں چہرے و آنکھوں میں بھی حجاب اور شرم کا اتنا خوبصورت احساس تھا کہ جہان بھی نگاہ نہیں ہٹا سکا تھا، دونوں نے شاید اسے نہیں دیکھا تھا مگر اسی پل وہ آئینے میں انہیں نظر آ گیا، ژالے تو اسے روبرو پا کے پہلے غیر یقینی سے ساکن ہوئی تھی پھر اس کے چہرے پہ شرگیں تاثر ابھرا تھا اس کے بعد وہ جانے کس احساس کے تحت کچھ خائف نظر آنے لگی تھی۔

"السلام علیکم! کیسے ہو بیٹے آپ، ابھی بھی کیا ناراضی کہ آپ ہمیں دیکھ لینے کے باوجود......"

"اس کی وجہ مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں پیش چاہیے تھی آپ کو آنٹی تھنک۔" خلاف مزاج وہ طنزیہ ٹون میں بولا تھا۔

"ہم یہاں شاپنگ کے لئے آئے ہیں، غالباً آپ بھی۔" مسز آفریدی نے ایک نظر ژالے کے پھیکے سے زرد پڑے چہرے کو دیکھ کر پھر سے خوش اخلاقی کا دامن تھاما اور چاپلوسی کا بھی۔

"میں تحمل نہیں ہو رہا آپ اپنا کام کر سکتی ہیں۔" وہ رکھائی اور بے اعتنائی کا اعلیٰ مظاہرہ کرتا ہوا نخوت بھرے انداز میں پلٹ کر شاپ کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا، ژالے کی ٹانگیں بے جان سی ہو گئیں، وہ بےدم سے انداز میں جا کر صوفے پہ گر سی گئی، جب مسز آفریدی بےزبردستی یہاں لا رہی تھیں تو وہ اس وعدے کے ساتھ آنے پہ آمادہ ہوئی تھی کہ وہ جہانگیر یا پھر اس کی فیملی کو اس بات کی ہوا بھی نہیں لگنے دیں گی، مسز آفریدی کہاں اس کی سننے والی تھیں وہ تو بات اہم یہ تھی کہ جہان نے ہی ان کی ہر کال اگنور کر دی تھی، مجبوراً انہیں دل پہ پتھر رکھنا پڑا تھا، مگر یوں غیر متوقع طور پہ جہان کو سامنے دیکھ کر وہ ڈھنگ سے خوشی بھی نہیں ہو پائی تھیں کہ...... بلکہ ان کے خیال میں تو وہ ژالے کے سامنے انہیں ذلیل کر کے جا چکا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے بنی خود کو سنبھالو بیٹا، میں قسم کھا سکتی ہوں کہ یہی جہانگیر کبھی تمہیں پوری عزت اور احترام سے نوازے گا، معافی مانگے گا تم سے اپنے رویے کی۔" وہ بڑے بڑے دعوے کر رہی تھیں، مگر ژالے جیسے بنا آنسو بہاتی رہی۔

"آپ نے اچھا نہیں کیا ممی، آپ نے بالکل اچھا نہیں کیا، کاش اے کاش اس شرمندگی سے خدا مجھے بچا لے، شادی سے پہلے موت آ جائے مجھے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی، مسز آفریدی کے دل پہ جیسے کسی نے مضراب دے مارا تھا، انہوں نے تڑپ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو بنی، خدا سے رحم مانگو، میں نے کہا نا سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اس کے آنسو پونچھ کر بولتے ہوئے کہہ رہی تھیں، وہ شاپنگ ادھوری چھوڑ کر اسے لے کر گاڑی میں آ بیٹھی تھیں۔

”میں نہیں برداشت کرسکتی ممی، کاش آپ نے میرے ساتھ یہ ظلم نہ کیا ہوتا۔“

”یہ ظلم نہیں ہے، پاگل ہو بالکل تم۔“ مسز آفریدی پہ جھنجلاہٹ سوار ہونے لگی، مگر وہ لے ان کی بغیر روئے جارہی تھی۔

☆☆☆

وہ ہاسپٹل میں تھا جب اسے بھابھی کی کال آئی تھی کہ پرنیاں سیڑھیوں سے پھسل کر گر گئی ہے۔ بھابھی نے اسے قریبی ہاسپٹل کا نام بتا کر عجلت میں وہاں پہنچنے کا کہا تھا، ان کے لہجے میں جتنی پریشانی تھی معاذ کے اسی لحاظ سے ہاتھ پیر پھولے تھے، سائیں سائیں کرتے ذہن کے ساتھ وہ بے حد مضطرب اور وحشت زدہ سا ہاسپٹل پہنچا تھا، جہان اسے ہاسپٹل کے احاطے میں ہی مل گیا، وہ اس قدر خوفزدہ ہو چکا تھا کہ اس سے کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہیں کرسکا بس متوحش اور بے حد فکر مندانہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”ریلیکس معاذ! خدا کا شکر ہے، سب خیریت گزری۔“ جہان نے اس کی کیفیت کے زیر اثر اسے گلے لگا کر تسلی سے نوازا تھا۔

”بچہ... ب... بچے بچے کو کوئی نقصان؟“

”ٹیک اٹ ایزی معاذ! سب ٹھیک ہے پرنیاں کا پیر سیڑھیوں سے سلیپ ہوگیا تھا، بھابھی گھبرا زیادہ گئی تھیں جبھی تمہیں کال کی، ورنہ پریشانی کی بات نہیں تھی۔“

”تم سچ کہہ رہے ہو نا جے؟“ وہ ابھی تک خوف کے حصار میں تھا، جہان نے مسکرا کر رسانیت بھرے انداز میں اس کا کاندھا تھپکا۔

”تم مل لو پرنیاں سے، وہ بالکل ٹھیک ہیں۔“ جہان اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈاکٹر کے آفس میں لے کر آیا جہاں مما پرنیاں کو تھامے باہر ہی آرہی تھیں۔

”پریشان نہیں ہونا بیٹے! اللہ نے کرم کیا ہے اپنا۔“ مما اسے دیکھ کر مسکرائی تھیں، معاذ نے پرنیاں کو دیکھا وہ جھکے سر کے ساتھ کچھ نڈھال سی کھڑی تھی، معاذ جہاں ریلیکس ہوا تھا وہاں اس کی آنکھیں سلگ اٹھی تھیں غصے سے۔

”جی بلاشبہ خدا کا ہی کرم ہے، ورنہ لوگوں نے اپنی طرف سے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔“ اس کا کاٹ دار لہجہ اتنا مدھم تھا کہ نزدیک ہونے کے باعث پرنیاں ہی بامشکل سن پائی اور جیسے سخت احتجاجی نظروں سے اسے دیکھا تھا، معاذ کی نظروں میں ملامت اور تنفر کے سوا کچھ نہیں تھا۔

”میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ تم میری نفرت میں اس حد تک گر جاؤ گی، اپنی طرف سے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تم نے، ہے نا؟“ معاذ کو جیسے ہی کمرے میں اس کے ساتھ تنہائی میسر آئی وہ اس پہ چڑھ دوڑا تھا، اس سراسر الزام پہ پرنیاں کے اندر غضب کا احتجاج اٹھا تھا۔

”دس از ٹو مچ، میں نے ایسا نہیں کیا سمجھے آپ، میرا پیر پھسلا تھا اور میں ایسا کیوں کروں گی؟“ وہ روہانسی ہوگئی تھی وضاحت دیتے ہوئے مگر معاذ بدگمانی کی اس انتہا پہ جا پہنچا تھا جہاں سے شاید واپسی ممکن نہیں رہی تھی۔

”تم کیا سمجھتی ہو تم اپنی صفائی پیش کرو گی اور میں مان لوں گا، اتنا احمق سمجھ رکھا ہے؟ اور کیوں کرو گی؟ یہ مجھ سے پوچھتی ہو؟ اونہہ تمہاری نفرت اس کا جواز ہے۔“ ایک ایک لفظ چبا کر ادا کرتے اس کی

آنکھوں کی تپش بڑھتی جارہی تھی، پرنیاں اس درجہ شک برداشت نہیں کرسکتی تھی جبھی بے ساختہ رو پڑی۔

”مجھے کوئی ضرورت نہیں تھی اتنا گھٹیا کام کرنے کی، نہ میں اتنی ظالم ہوں کہ اپنے بچے کے ساتھ یہ سلوک کروں۔“

”اوہ اتنا تضاد؟ کہاں آپ کی اس کے لئے کوئی فیلنگز نہیں تھیں اور... اچھی طرح سوچ لیں محترمہ آپ کے آخری الفاظ میں کس حد تک صداقت ہے، اس بچے سے واقعی آپ کا کوئی تعلق یا رشتہ ہے؟“ ادھر ادھر چکراتے ہوئے وہ مشتعل سا پھنکار پھنکار کر کہہ رہا تھا، پرنیاں کا چہرا متغیر ہو کر رہ گیا، طیش اور غصے میں کہی باتیں اس کے لئے معاذ نے یوں سنبھال کر رکھ لی ہوں گی یا وہ اتنا بدگمان ہو جائے گا تب اگر اسے ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو وہ منہ سے ایسی بات نکالنے سے قبل سو بار سوچتی۔

”ہوگئی نا بولتی بند، سچی بات انسان کو یونہی ہونق بنا دیا کرتی ہے۔“ اس کی خاموشی کو نشانہ بنا کر وہ پھر اس پہ طنز کے تیر چلانے لگا، پرنیاں اتنی عاجز ہوئی تھی کہ بے ساختہ چیخ۔

”مجھے اپنی صفائیاں پیش نہیں کرنی، آپ کا جو دل چاہتا ہے سوچیں۔“ الفاظ کے برعکس اس کی آنکھوں سے بے بسی کے مظہر آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے رہے، معاذ کے ہونٹوں پہ تمسخر سے بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔

”بتلانے کی ضرورت نہیں ہے، میں تمہاری ہٹ دھرمی سے اچھی طرح آگاہ ہوں۔“ پرنیاں نے اب کے جواب نہیں دیا تھا، تکیے میں چھپائے گھٹ گھٹ کر روئے گئی تھی۔

☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں مقید سگریٹ کا دھواں اڑا رہا تھا، جب زیاد آ کر زبردستی اسے ساتھ گھسیٹ کر لے گیا۔

”وہاں جو محفل سجی ہوئی ہے نا وہ آپ کے ہی اعزاز میں ہے جناب! اس میں کچھ تو حصہ اور گرما گرمی آپ کو بھی شامل کرنی چاہیے۔“

”یہ خالصتاً خواتین کی محفلیں ہوتی ہیں یار، میں کیا کروں گا؟“ جہان نے جان چھڑانا چاہی تھی، مگر وہ کہاں تھا اتنی آسانی سے چھوڑنے والا۔

”لالے کی شادی یاد ہے، پتہ ہے اتنی یادگار کیوں ہوئی کہ دولہا صاحب خود سب سے زیادہ پرجوش تھے، ایسی محفل جماتے تھے کہ مزا آجاتا تھا۔“

”وہ معاذ تھا، میرا ایسا مزاج نہیں ہے سنا۔“ اس کے پاس لاکھوں عذر تھے۔

”اوہ آپ لالے کی طرح گانے نہ سنایئے گا، گانے ہم خود گالیں گے، آپ بس ہمیں جوائن کریں بھائی۔“ اور وہ مزید انکار نہیں کرسکا، وہ سب اس کے اپنے تھے، بے حد پیارے، وہ ان کے دل نہیں توڑ سکتا تھا، انہی کی خاطر تو اس نے زہر کا یہ گھونٹ پیا تھا، ورنہ شاید مسز آفریدی تو قیامت تک بھی اسے مجبور نہ کرسکتیں۔

”بھابھی آپ چائے بنا لائیں، آج میں گانا سناتا ہوں اور یہ جہان بھائی کی طرف سے ڈالے بھابھی کو ڈیڈیکیٹ ہوگا، اور میری طرف سے نوریہ کو۔“ زیاد نے آخر میں دانت نکال کر نوریہ کو دیکھا جو وہاں موجود تھی مگر بے حد ریزروڈ نظر آئی تھی۔

نسرین خالد

''افوہ اک تیر سے دو شکار، تمہارا کیا بنے گا لڑکے۔'' معاذ نے اظہار افسوس کیا، زیاد اتر ے بغیر ہنسے گیا تھا۔

''لالے آپ کی طرح میرے پاس گانوں کا اسٹاک نہیں ہے، سو گزارا تو کرنا پڑے گا۔'' پھر ایسی باتوں کے بعد وہ باقاعدہ سر اڑانے لگا تھا۔

دل تیرے بن کہیں لگتا نہیں وقت گزرتا نہیں
کیا یہی پیار ہے ، کیا یہی پیار ہے
پہلے میں سمجھا کچھ اور وجہ ہے ان باتوں کی
لیکن اب جانا کہاں نیند گئی میری راتوں کی
جاگتی رہتی ہوں میں بھی چاند لکھا نہیں
دل تیرے بن کہیں لگتا نہیں وقت گزرتا نہیں

جہان کی نظر بے خیالی و بے خودی کی کیفیت میں اٹھی تھی، زینب گم صم بیٹھی تھی، ویران اور پژمردہ، جہان نے جلتی ہوئی آنکھوں کا رخ پھیرا تو اسی وقت زینب نے اسے دیکھا تھا، زیاں کے اسی دل گداز احساس سمیت۔

زیاد کے الفاظ اس کے اپنے دل کے عکاس بن گئے تھے، وہ اتنا گھبرئی کہ یکلخت اٹھ کر کھڑی ہو گئی جہان نے ہی سب سے پہلے چونک کر اسے دیکھا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

''کیا ہوا زینی؟'' پرنیاں نے اس کا سرد پڑتا ہاتھ تھام کر تشویش سے اسے دیکھا تھا۔

''میری طبیعت خراب ہو رہی ہے پری، شاید یہاں گھٹن بہت زیادہ ہے۔''

وہ اگلے لمحے اس سے ہاتھ چھڑا کر باہر نکل گئی تھی، پرنیاں کے علاوہ شاید کسی نے بھی اس کے اس طرح اٹھ کر جانے کو محسوس بھی نہیں کیا، پرنیاں اس کے پیچھے چلی گئی، جہان سے بھی وہاں بیٹھا نہیں گیا۔

''میں بہت تھک گئی ہوں پری، بہت زیادہ، سب سے بڑی اذیت میرے لئے یہ ہے کہ یہ عذاب مسلسل میں نے خود اپنے لئے چنا ہے، مجھے بتاؤ کیا مجھے اس اپنی ہی بھڑکائی آگ میں چپ چاپ خود کو جلتے رہنے دینا چاہیے؟''

جہان برآمدے کی سیڑھیاں اترتے ہوئے وہیں ٹھٹھک گیا تھا، زینب پرنیاں کے گلے سے لگی زارو قطار رو رہی تھی، جہان کو لگا تھا وہ اسی جگہ پہ پتھر کا ہو گیا ہو۔

''کوئی بھی میرے نقصان سے آگاہ نہیں ہے، وہ نقصان جو میں نے کسی اس اور امید کے جگنوؤں کو اپنی مٹھیوں میں قید کرکے بہت زعم سے کرنا چاہا تھا کہ مجھے عین وقت پہ بچا لیا جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا جس سے آس تھی امید تھی، غلط تھی پھر مجھے لٹنے سے، ڈوبنے سے کون بچاتا۔''

(جاری ہے)

"زین یار تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟ میری بیوی آئے دن کوئی نہ کوئی فرمائش کر دیتی ہے پچھلے ماہ سونے کے کنگن بنوائے ہیں تجھے تو پتہ ہے نا سونے کا ریٹ آسمان سے باتیں کر رہا ہے، اس ماہ نیا شوشہ چھوڑ دیا ہے گھر کا فرنیچر بدلنے کا، حالانکہ پرانا فرنیچر بالکل ٹھیک حالت میں موجود ہے پر اس کی ایک ہی رٹ ہے اگر اس ماہ نیا فرنیچر نہیں لے کر دیا تو ناراض ہو کر میکے چلی جاؤں گی۔"

رجب میرے سامنے بیٹھا اپنے دکھڑے رو رہا تھا اس کے چہرے پر چھائی مسکینیت دیکھ کر مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"تم ہنس رہے ہو میری بے بسی پر۔" مجھے لگا رجب رو پڑے گا، میں نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تمہاری بے بسی پر نہیں، تمہاری بے وقوفی پر ہنس رہا ہوں، تمہیں کس نے کہا تھا کہ اپنی بیوی کو اتنا سر پر چڑھا لو کہ بعد میں وہ تمہیں بات بات پر بلیک میل کرے۔" رجب نے حیرت سے مجھے دیکھا میری بات شاید اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔

"دیکھو تمہاری شادی کو پانچ سال ہو چکے ہیں پر ان پانچ سالوں میں، میں نے تمہیں ہمیشہ پریشان ہی دیکھا ہے تمہاری بیوی ہر ماہ سیلری ملنے سے پہلے کوئی نئی فرمائش کر کے تمہیں خوب تنگ کرتی ہے، کرتی ہے کہ نہیں؟"

"ہاں کرتی ہے۔" رجب نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے دیکھو میں اس معاملے میں تم سے سینئر ہوں میری شادی کو آٹھ سال ہو چکے ہیں پر تم نے مجھے آج تک اس طرح پریشان دیکھا؟" میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا حالانکہ اس کا جواب میں جانتا تھا اسے نفی میں سر ہلاتے دیکھ کر میرے چہرے پر فخریہ مسکراہٹ آ گئی۔

"تمہیں پتہ ہے اس کی کیا وجہ ہے؟"

"کیا؟" رجب نے بے تابی سے پوچھا۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اپنی زندگی کو چند اصول کے ساتھ گزارتا ہوں میں نے زندگی گزارنے کا اپنا فارمولا بنایا ہوا ہے اور میں اس سے ایک انچ بھی نہیں ہٹتا۔"

"کیسا فارمولا؟" رجب نے اشتیاق سے پوچھا۔

"کبھی کسی کو یہ احساس مت دلاؤ کہ وہ تمہارے لئے کتنا ضروری ہے یا تم اس کے بغیر نہیں رہ سکتے، کیونکہ ایسا کرنے سے اگلے بندے کے ہاتھ تمہاری کمزوری لگ جائے گی اور پھر وہ ضرور فائدہ اٹھائے گا اس بات سے، جیسے تمہاری بیوی تمہیں تنگ کرتی ہے۔" رجب بڑے غور سے میری بات سن رہا تھا میں نے ٹیبل سے گلاس اٹھایا اور جگ سے اس میں پانی انڈیلنے لگا۔

"ہمیشہ دوسرے پر یہی ظاہر کرو کہ تمہیں اس کے ہونے نا ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا، تمہیں شروع سے اپنی بیوی کو یہی باور کروانا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ رہ کر تم پر کوئی احسان نہیں کر رہی بلکہ تم اسے اپنے ساتھ رکھ کر اس پر احسان کر رہے ہو۔" میں نے سہل زندگی گزارنے کا گُر اس کے کانوں میں انڈیلا اور پانی پینے لگا، رجب میرے فارمولے سے بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔

"زین! اب تو میں یہ غلطی کر چکا ہوں اب تم ہی بتاؤ آگے میں کیا کروں؟"

"تم یوں کرو جب بھی بھابھی میکے جانے کی بات کرے اسے بالکل مت روکنا، جب وہ چلی جائے تو تم اسے بالکل مت منانا، بالکل فون مت کرنا، اگر وہ خود تم سے کانٹیکٹ کرے تو بھی

روڈ سا رویہ اپنائے رکھنا، یقین کرو وہ دو ہفتے کے اندر خود گھر آ جائے گی۔" میں نے بڑے اعتماد سے کہا جیسے آج کل ڈبا پیر حضرات کہتے ہیں۔

"دو ہفتے کے اندر اندر محبوب آپ کے قدموں میں۔"

"بہت بہت شکریہ زین! تم نے میری مشکل آسان کر دی ہے۔" رجب نے تشکر بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، میں نے رسٹ واچ دیکھی تو فوراً ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے جلدی سے کام سمیٹتے ہوئے کھڑا ہو گیا، میں باتوں میں بھول ہی گیا تھا کہ مجھے بچوں کو اسکول سے لینا ہے۔

گاڑی اسکول کی طرف موڑتے ہوئے مجھے بار بار ایک ہی بات تنگ کر رہی تھی۔

"آج ایک ہفتہ ہو گیا تھا پر سارہ نے کوئی کانٹیکٹ نہیں کیا تھا میں منتظر تھا کہ وہ کال کر کے کہے کہ مجھے لے جائیں۔"

"کہہ دے گی، آج نہیں تو کل ضرور کہے گی کیونکہ اتنا تو اسے پتہ ہے کہ میں خود سے اسے کبھی نہیں مناؤں گا ان آٹھ سالوں میں یہ بات تو وہ جان چکی ہو گی۔" میں نے خود کو تسلی دی۔

بچوں کو اسکول سے لے کر میں نے ایک ہوٹل کی پارکنگ میں گاڑی پارک کی اور وہاں لنچ کرنے کے بعد رات کے لئے کھانا پیک کروا کر گھر آ گیا، بکھرا اور بے ترتیب سا گھر دیکھ کر میرا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

☆☆☆

"پپا! پونی بنا دیں۔" ہبہ کی آواز پر میں فرائی پین سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا وہ معصومیت سے مجھے دیکھ رہی تھی، میں اس وقت شدید غصے میں تھا پر اپنی بیٹی کو جھڑکنا یا اس کا دل توڑنا میرے لئے بہت مشکل تھا حالانکہ میں پچھلے آٹھ سالوں سے کسی کی بیٹی کو بات بے بات جھڑک بھی دیتا تھا اور اس کا دل بھی توڑ دیتا تھا میری بیٹی کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کرے یہ بات میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، کسی کی بیٹی کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کی میرے پاس بڑی معقول وجہ تھی "یہ میری بیوی ہے۔"

میں نے مسکرا کر ہبہ کو دیکھا اور اس کے ہاتھ سے ربڑ بینڈ لے کر اس کے بال آہستگی سے مٹھی میں لئے اور ان پر ربڑ بینڈ چڑھا دیا۔

"پپا یہ کیسی پونی ہے؟" چھ سالہ ہبہ نے آنکھوں میں حیرت سموتے ہوئے ماتھے پہ جھکی اس پونی کو دیکھا۔

"سوری بیٹا مجھے ایسی پونی بنانی آتی ہے۔" میں نے جلدی سے آملیٹ پلٹتے ہوئے کہا، آملیٹ ایک طرف سے جل چکا تھا۔

"اوہ نو۔" آملیٹ کی شکل دیکھ کر مجھے افسوس ہوا۔

"ضرورت کیا تھی اس دن اتنا ہائپر ہونے کی چھوٹی سی بات پر اسے اتنا کچھ سنا ڈالا کہ وہ ناراض ہو کر میکے ہی چلی گئی۔" مجھے تو ٹھیک سے یاد بھی نہیں تھا کہ میں نے اسے کیا کیا کہا تھا میں غصے میں بالکل آؤٹ آف کنٹرول ہو جاتا ہوں، جو منہ میں آئے بول دیتا ہوں۔

مجھے خود پر غصہ آ رہا تھا یہ مصیبت میری اپنی مول لی ہوئی تھی نہیں تو کہاں زین احمد اور کہاں گھر کے کام، سارہ کے ہوتے ہوئے میں پانی کا گلاس بھی خود لے کر نہیں پیتا تھا۔

"پپا! مون سو رہا ہے۔" ہبہ نے میری توجہ مون کی طرف مبذول کروائی، میں نے ناشتہ ٹیبل پر رکھتے ہوئے دائیں بائیں جھولتے مون کو دیکھا، میں نے کندھا ہلا کر اپنے صاحبزادے کو جگانا چاہا پر وہ ڈھیٹ ٹیبل پہ ہاتھ رکھ کر اور پھر سر

ٹیبل پر رکھ کر ہیڈ ڈاؤن ہو گیا میں بڑی مشکلوں سے اسے جگانے میں کامیاب ہوا۔

"ناشتہ کرو۔" اسے ہدایت دے کر میں خود بھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"میں یہ ناشتہ نہیں کروں گا؟ مجھے الٹی ہو جائے گی۔" مون نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"آج کل سے بہتر ہے تم کھا کے تو دیکھو۔"

"نہیں آپ روز یہی کہتے ہیں۔" مون کسی صورت میری بات کا یقین کرنے کو تیار نہیں تھا مجھے غصہ تو بہت آ رہا تھا پر مون کی بات بھی درست تھی وہ سارہ کے ہاتھ کی لذیذ کھانے کھانے کا عادی تھا اسے میرا پکایا ہوا کیسے بھا سکتا تھا۔

میں نے ہنیہ کو دیکھا جو بڑی مشکلوں سے ناشتہ کر رہی تھی اس پل مجھے اپنی بیٹی پر بے تحاشا پیار آیا، جو ناشتہ میرے اپنے حلق سے نہیں اتر رہا تھا وہ میری بیٹی اپنے پپا کے خاطر کھا رہی تھی ہنیہ ہو بہو سارہ کی کاپی تھی جبکہ مون میرے جیسا تھا۔

"چلو باہر سے ناشتہ کرلیں گے۔" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو بچے فوراً کمرے سے بیگ لے کر آ گئے۔

بچوں کو اسکول چھوڑ کر میں آفس پہنچا تو مجھے اچھی خاصی دیر ہو چکی تھی پچھلے ایک ہفتے سے میں ڈیلی لیٹ آفس پہنچتا تھا، زبیر صاحب آج بھی مجھے بخشنے کے موڈ میں نہیں تھے روز کی طرح آج بھی جب میں زبیر صاحب کی ڈانٹ سن کر ان کے آفس سے نکلا تو میرا موڈ آف ہو چکا تھا۔

میرا دل چاہا سارہ کا گلا دبا دوں، جس کے جانے سے میرا سارا سکون برباد ہو گیا تھا روز آفس میں بے عزتی ہوٹل کے بل ادا کر کر کے والٹ خالی ہونے والا تھا اور گھر ایک بکھرا پڑا تھا بلکہ سارہ کے نہ ہونے سے ہر چیز بکھری ہوئی تھی۔

☆☆☆

"زین! میں تو تمہارا فین ہو گیا یار، تمہارے بتائے فارمولے سے میری زندگی میں سکون آ گیا۔" میں بری طرح کام میں مصروف تھا جب رجب خوشی سے چہکتا میرے پاس آیا۔

"میں ساری زندگی تمہیں دعائیں دوں گا، تم گریٹ ہو، میرے بچے بھی تمہیں دعائیں دیں گے۔"

"دیکھ کر، اب ہر بار اس فارمولے کو اپلائی مت کرنا، کہیں ایسا نہ ہو تم اور تمہارے بچے مجھے بددعائیں دیں۔" میں نے فائل سے نظر اٹھا کر اسے خبردار کیا۔

"کیا مطلب؟" رجب نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

"مطلب یہ کہ ایسا نہ ہو کہ پھر تمہاری بیوی میکے جا کر واپس ہی نہ آئے اور تم اور تمہارے بچے مجھے بددعائیں دو۔" اسے تنبیہ کرنے کے بعد میں پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا وہ عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا پر میں کام میں مصروف رہا مجھے جلدی جلدی کام نپٹا کر بچوں کو اسکول سے لینے جانا تھا۔

"ایک ماہ پہلے کتنی آسانی تھی بس ایک کال کرنی ہوتی تھی سارہ کو، "مجھے آفس سے دیر ہو جائے گی بچوں کو اسکول سے لے آنا" اور جب میں آفس سے گھر پہنچتا تھا بچے یا تو کھیلتے ہوئے ملتے تھے یا ہوم ورک کرتے۔" مجھے صحیح معنوں میں سارہ کی قدر محسوس ہو رہی تھی وہ ہر لحاظ سے پرفیکٹ بیوی تھی۔

میں روز کی طرح آج بھی اس کی کال کا

انتظار کر رہا تھا کیونکہ میں ایک روایتی مرد ہوں میری بھی کوشش ہوگی کہ میری بیوی میرے سامنے جھکے، کیونکہ میری انا مجھے اس کے آگے جھکنے نہیں دے گی۔

☆☆☆

کھانے کا بل ادا کرتے ہوئے میرے ماتھے پر فکرمندی کی لکیر ابھری، مہینہ ختم ہونے میں کافی دن تھے، پر میرے والٹ میں صرف دو نوٹ بچے تھے۔

"پپا کھانا کھائیں۔" ہنیہ کو جیسے ہی احساس ہوا کہ میں کھانا نہیں کھا رہا اس نے میری توجہ کھانے کی طرف مبذول کروائی، میں نے کھانا کھاتے ہوئے مون کو دیکھا وہ کھا کم اور کپڑوں پر گرا زیادہ رہا تھا، اس کے یونیفارم پر جا بجا سالن کے داغ تھے ہنیہ کا حلیہ بس تھوڑا ہی مختلف تھا اس سے، میں نے بچوں کو ٹوکنے کا ارادہ کینسل کیا اور خود کھانا کھانے لگا۔

گھر پہنچتے ہی میں نے بیزاری سے بے ترتیب گھر کو دیکھا، ساری چیزیں بکھری پڑی تھیں کہیں میرے کپڑے، کہیں بچوں کے کپڑے، کہیں ٹاول، ناشتے کے برتن جوں کے توں ڈائننگ ٹیبل پر پڑے تھے۔

میں نے وارڈروب سے کپڑے نکالنے چاہے پر یہ دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہوئی کہ وہاں سرمئی رنگ کے شلوار سوٹ کے علاوہ اور کوئی سوٹ نہیں تھا مجھے اندازہ ہی نہیں ہوا استری شدہ سوٹوں کی بھری ہوئی وارڈروب خالی ہو گئی ہے۔

یہ سارے حساب کتاب سارہ رکھتی تھی وہ خود ہی میرے سارے سوٹ دھو کر استری کر کے لٹکا دیتی تھی مجھے کبھی کہنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی، میں سامنے پڑے صوفے پر ڈھے گیا میں بہت تھک گیا تھا سارہ کی کمی بہت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

☆☆☆

"میں آج اسکول نہیں جاؤں گا۔"

"کیوں؟" میں نے آنکھیں ماتھے پر رکھتے ہوئے مون کو دیکھا۔

"میری مس روز مجھے پنش دیتی ہیں کبھی اسکول لیٹ آنے پر اور کبھی یونیفارم گندا ہونے پر، آپ ماما کو بھی نہیں لے کر آتے ہمارے یونیفارم اتنے میلے ہو گئے ہیں۔"

مجھے اچانک یاد آیا میرے کپڑے بھی دھلے ہوئے نہیں ہیں، اگر اس طرح آفس چلا گیا تو آج پھر زبیر صاحب کے ہاتھوں ذلیل ہونا پڑتا۔

"او کے آج کوئی کہیں نہیں جا رہا، آج ہم سب چھٹی کریں گے۔" میری بات سن کر مون خوشی سے چلا اٹھا، اس نے بڑی خاموشی سے میرا بنایا ہوا ناشتہ کیا اور ہنیہ کے ساتھ مل کر کھیلنے لگا، ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے کپڑے دھونے کا فیصلہ کیا، میرے خیال میں کپڑے دھونا کوئی اتنا مشکل کام نہیں تھا کیونکہ مجھے تو بس کپڑے مشین میں ڈالنے اور نکالنے تھے، باقی دھونے تو مشین کو تھے، پر یہ میری خام خیالی تھی جب میں کپڑے دھو کر فارغ ہوا تو تھکن سے میری بری حالت تھی۔

"پپا بھوک لگ رہی ہے۔" ہنیہ کا جملہ میرے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح لگا تھا، میں نے وال کلاک دیکھی ایک بجنے والا تھا، بس اس لمحے میں نے وہ فیصلہ کیا جو میں کئی دنوں سے نہیں کر پا رہا تھا، میں بچوں کو تیار ہونے کا کہا اور گاڑی کی چابی اٹھا کر انہیں اپنے پیچھے آنے کو کہا، وہ فوراً تیار ہو کر میرے ساتھ چل پڑے۔

"پپا ہم کہاں جا رہے ہیں؟" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے مون نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"آپ کی ماما کو لینے۔"

"یاہو۔" میرا جواب سن کر وہ دونوں خوشی سے چلائے، مجھے ان کی خوشی دیکھ کر ندامت سی ہوئی میں نے ایسے ہی اتنے دن انہیں ان کی ماں سے دور رکھا۔

"ماما!" ہنیہ اور مون کی آواز پر سارہ جیسے ہوش میں آئی، وہ لاؤنج میں بیٹھی جانے کن سوچوں میں گم تھی۔

بچوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بڑی خوبصورت سی چمک آ گئی تھی، اس نے فوراً بازو پھیلا دیئے تھے وہ دونوں بھاگتے ہوئے سارہ سے لپٹ گئے میں چہرے پر مسکراہٹ سجائے بڑی دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

"سارہ آئی ایم سوری۔" مجھے آج اندازہ ہو رہا تھا اپنی غلطی کو مان کر معافی مانگ لینے سے کوئی برائی نہیں ہوتی، سارہ کی آنکھوں میں حیرت تھی، میں ان آٹھ سالوں میں پہلی بار اس سے اپنے رویے کی معافی مانگ رہا تھا۔

"سارہ! تمہارے بغیر میرا گھر، میرا دل بالکل ویران ہے ہر چیز سے اداسی ٹپکتی ہے بچے بھی اداس تھے اپنی ماما کے بغیر اور سچ تو یہ ہے میں بھی اداس تھا ان کی ماما کے بغیر۔" میری بات پر سارہ کے چہرے پر خوبصورت سی مسکراہٹ آ گئی، وہ ان آٹھ سالوں میں پہلی بار میرے منہ سے ایسے جملے سن رہی تھی وہ حیران بھی تھی اور خوش بھی۔

سارہ نے مجھے پرانی باتوں کا حوالہ دے کر بالکل تنگ نہیں کیا، بلکہ فوراً گھر چلنے کو تیار ہو گئی۔

"آپ اتنے کمزور کیوں ہو گئے ہیں؟" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے سارہ نے تشویش سے پوچھنے پر میرا دل باغ باغ ہو گیا، کوئی تھا جسے میری فکر تھی میری پروا تھی۔

"بس تمہاری جدائی میں۔" میرے جواب پر وہ جھینپ سی گئی، اس کا یہ انداز میرے دل پر لگا تھا ٹھاہ کر کے۔

میں شرمندہ بھی تھا ایسے یہ اتنا عرصہ اپنی خود ساختہ انا کا پرچم سربلند کیے رکھا، خیر دیر سے ہی سہی پر مجھے سمجھ آ گئی تھی، زندگی گزارنے کا آسان فارمولا میرے ہاتھ لگ گیا تھا سارہ بہت خوش تھی اور میں بھی۔

☆☆☆

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا میں کیا کروں ایسا نہیں ہے کہ میں کند ذہن ہوں نہیں، ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے یعنی ثانیہ عباس کو عقل کی دولت سے مالا مال کیا ہے (آہم) میں اپنے بارے میں اپنے میاں مٹھو، بھی نہیں بن رہی، ارے یہ سب تو میرے دوستوں، گھر والوں اور اساتذہ کا کہنا ہے کہ۔''

''ثانیہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت ذہین و فطین بنایا ہے، آپ یقیناً کہیں گی کہ پھر اب ایسا کیا ہوا کہ عقل کام نہیں کر رہی، بھئی وہی تو بتانے جا رہی ہوں ناں، بھئی مسئلہ دراصل یہ ہے کہ میرے شوہر نامدار بہت اچھے ہیں زبردست شاعر ہیں، کبھی کبھی تو مجھے اس شاعری سے بہت حسد محسوس ہوتا ہے، لوگ کہتے ہیں شاعر بہت رومانٹک ہوتے ہیں، لیکن ان کو تو رومانیت چھو کر بھی نہیں گزری اگر کبھی بھولے سے میری تعریف کر بھی دیں تو وہ بھی اسی محترمہ کی زبان سے بھلا ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں مگر یہ ہیں کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی کتاب لئے بیٹھے ہیں ایک دن کہنے لگے۔''

''تم بہت ذہین ہو کالج میں مختلف سرگرمیوں میں حصہ لیتی رہی ہو بتاؤ تمہیں نثر سے زیادہ دلچسپی ہے یا شاعری سے۔'' میں ہڑبڑا کر رہ گئی۔

''اب مختلف سرگرمیوں میں حصہ لینے کا یہ تو ہرگز مطلب نہیں ہے ناں کہ انسان شاعری کو اپنی سرگرمی کا حصہ بنائے۔'' میں نے بات کو دوسرا رخ دینے کے لئے فوراً پوچھا۔

''آپ کو کیا پسند ہے؟'' فوراً جواب آیا۔

''بندے کو ادبی ذوق سے لگاؤ ہے چاہے وہ نثر ہو یا شاعری البتہ شاعری کی طرف میرا زیادہ رجحان ہے۔''

''پھر وہی شاعری، مجھے ان کی شاعری کے ساتھ ان پر بھی بے تحاشہ غصہ آتا ہے اور جب وہ کوئی کتاب لے کر بیٹھتے ہیں تو میرا غصہ سوا نیزے پہ پہنچ جاتا ہے میں کچھ دیر تو ضبط کرتے ہوئے انہیں دیکھتی رہتی ہوں کہ چلو کچھ تو شرمندگی محسوس کریں گے مگر وہ تو کتاب ہاتھ میں لے کر دنیا و مافیہا سے ہی بے خبر ہو جاتے ہیں گویا، دو دلہن کی اہمیت بھی اس کتاب سے آگے کچھ نہیں، (ہائے ری قسمت) پھر جب میرا ضبط جواب دے جاتا ہے تو پھر میں بھی تھک ہار کر پیچ کرواک آؤٹ کر جاتی ہوں اور اگر کبھی انہیں بھولے سے میری ناراضگی کا خیال آ بھی جائے تو یوں۔''

لله بتا بھی دیجئے کچھ وجہ بے رخی
تم کیوں خفا خفا سے ہو کیا بات ہے

''ہماری شادی کو پورا ایک مہینہ ہو چلا تھا گھر سے ''ہنی مون'' کا بہانہ لے کر چلے تھے، مگر اصل تو وہ اس شاعری کی بچی کے ساتھ آئے تھے، میری کیا وقعت، اگر کوئی بات کرنے بیٹھو تو ہر بات میں شاعری یا پھر اتنی مشکل اردو بولتے کہ مجھے تو مرزا غالب کا دور یاد آجاتا، کیونکہ مجھے تو شاعری کی الف ب بھی نہیں آتی تھی، سمجھ میں کیا خاک آتی کبھی کبھی تو میں زچ ہو کر رونے بیٹھ جاتی ہوں یا پھر اللہ سے شکوہ کرنے مگر پھر اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی اس سے معافی بھی مانگتی ہوں۔''

''ثانیہ ذرا میرے کپڑے تو پریس کر دو۔'' کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئے، میں بادل نخواستہ اٹھی اور پھر کپڑے استری اسٹینڈ تک لائی ہی تھی کہ بجلی دغا دے گئی، مجھے اس بجلی پر سخت غصہ آیا تھا بھلا بے وقت جانے کا مقصد؟ تھوڑی دیر بعد میاں صاحب کی واپسی ہوئی تو انہوں نے کپڑوں کی بابت استفسار کیا، میں جواباً منہ پھلائے بیٹھی رہی۔

''میں روزانہ ہی کہتا ہوں کہ کپڑے پہلے ہی استری کر دیا کرو مگر نہیں۔'' وہ انتہائی جلال میں آگئے پھر کیا تھا۔

میں بھی ثانیہ عباس تھی کیسے خود پر کنٹرول کرتی، ایک بات بتاتی چلوں کہ میں ذہین ہونے کے ساتھ کچھ منہ پھٹ بھی مشہور تھی۔

''مسٹر داود یزدانی، کیا آپ نے کبھی وقت کی قدر کی ہے، وقت کی قدر تو وہ آپ کو انسانوں کی قدر کرنی بھی نہیں آتی، صبح ناشتے کے بعد بیٹھتے ہیں اسٹڈی روم میں پھر کہیں رات گئے آپ کو ہوش آتا ہے کہ اس گھر میں آپ کے علاوہ بھی کوئی جیتا جاگتا شخص موجود ہے، وہ لڑکی جسے آپ نے اپنے نام پر لے کر آئے ہیں، اس کے بھی کچھ حقوق و خواب اور خواہشیں ہیں، اگر آپ کو مجھ میں کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی تو مجھ سے شادی ہی کیوں کی اپنی ان کتابوں سے شادی بھی کر لیتے۔'' میں شروع ہوئی تو بس پھر بولتی چلی گئی وہ حیرت سے میرا منہ دیکھنے لگے بھلا میں اتنا بولتے ہوئے کبھی دیکھا جو نہیں تھا اور جب بولتے بولتے میں تھک گئی اور چپ سادھ لی تو کمرے میں سناٹا چھا گیا، ان کے چہرے پہ ابھی تک حیرانی تھی مجھے دل ہی دل میں کچھ شرمندگی تو ہوئی مگر میں نے بھی آج تہیہ کر لیا تھا سب کچھ کہنے کا جان تو گئے ہوں گے کہ مجھے ان کی شاعری سے کوئی شغف نہیں اور نہ ہی شاعری پہ اس طرح سر دھننا اب بھی منتظر تھی کہ وہ کہیں گے۔

''آئی ایم سوری ثانیہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہیں شاعری اس قدر ناپسند ہے، میں آئندہ خیال رکھوں گا۔''

مگر یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وہ بولے تو کچھ یوں سا۔

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

میرے تو سر پہ سے گزر گئی مجھے پتہ تو چلا کہ کیا کہا ہے البتہ شاعری کی سمجھ آگئی اتنا مجھے معلوم ہو گیا کہ انہوں نے مجھے ''شیخ'' کہہ کر بلایا ہے، میں نے کچھ کہنا چاہا مگر......

مری سے واپس آتے ہی میں فوراً اپنے میکے آگئی میں نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک وہ اس شاعری کو چھوڑیں گے نہیں میں بھی واپس نہیں جاؤں گی اور میں اس عہد پر کاربند بھی رہتی اگر جو اگلے ہی دن ان کا فون نہ آجاتا۔

''ثانیہ آپی، داود بھائی کا فون آیا ہے۔'' عمر میرا چھوٹا بھائی دوڑتا ہوا آیا میں برے برے منہ بناتی اٹھ گئی۔

''السلام علیکم!'' میں نے لٹھ مار انداز میں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' میرا انداز جتنا لٹھ مار تھا ان کا اتنا ہی پرسکون تھا گویا ان کو میرے اس انداز سے کوئی فرق نہ پڑا ہو۔

''کیسے ہیں آپ؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد میں نے خود ہی پوچھ لیا۔

''ٹھیک ہوں تم سناؤ؟''

''میں تو ٹھیک ہی ہوں کہاں ہیں اس وقت آپ آفس میں یا لائبریری میں۔'' میں نے چاہتے ہوئے بھی طنز کر گئی۔

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

''جی کیا مطلب! آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟'' مجھے یہ تو پتا تھا کہ شاعری کچھ ٹیڑھی سی ہے مگر پھر بھی تشویش لاحق ہو گئی جواباً وہ کچھ بھی نہ بولے کافی دیر گزر گئی تو میں نے فون رکھ دیا، آخر ایسا بھی کیا کہ ہر بات ہی اس نحوست کی ماری

شاعری میں کی جائے مجھے اس وقت سچ مچ کی جلن ہونے لگی (ان کے ادبی ذوق سے) مجھے واپس جانا تھا آخر کب تک میکے میں دھرنا مار کے بیٹھے رہتی آخر میں نے فیصلہ کرلیا کہ جتنا وقت میں جلنے کڑھنے میں لگاتی ہوں اگر اتنا وقت میں اللہ رب العزت کی عبادت اور دینی کتب کے مطالعے میں لگاؤں تو میری آخرت تو سنور ہی جائے گی، یہ خیال میرے ذہن میں اچانک ہی آ گیا آخر میں ذہین تو مشہور ہوں ناں تو یہ سب عطا اللہ نے کیا ہے سو یہ خیال بھی اللہ نے میرے دل میں ڈال دیا۔

☆☆☆

گل ہائے رنگ رنگ سے زینت چمن
اے ذوق اس جہاں کو زیب اختلاف سے

شاعر کا کہنا بجا سہی مگر بعض دفعہ اختلاف انسان کو عجیب دوراہے پہ لا کھڑا کرتا ہے، جیسا کہ میں یعنی داؤد یزدانی شاعری اور نثر کا دلدادہ، نجانے میں سب کو میرے اس مشغلے سے کیا بیر تھا، مجھے لوگوں کے رویوں سے کوئی فرق نہ پڑتا اگر ثانیہ عباس اس سے اختلاف نہ کرتی۔

وہ میری زندگی میں بہار کا ایک جھونکا ہی تو تھی
نکھر آئی نکھار آئی سنور آئی سنوار آئی
گلوں کی زندگی لے کر گلستان میں بہار آئی

مگر مجھے محسوس ہوا کہ اسے میرے اس مشغلے سے دلچسپی نہیں ہے دلچسپی نہ ہونے کی حد تک تو ٹھیک تھا، مگر اسے اس سے بھرپور اختلاف تھا اور وہ اس کا برملا اظہار کرنے سے چوکتی بھی نہ تھی میں نے کئی بار اس کی خاطر اس مشغلے کو ترک کرنا چاہا مگر انسان کو واقعی خود پر کوئی اختیار نہیں، وہ بہت غصے والی تھی غصہ تو گویا اس کی ناک پر رکھا تھا، مجھے ڈر تھا کہ غصے کی زد میں آ کر وہ کچھ غلط نہ کر بیٹھے، یعنی میری کتابوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔

غرض ڈھایا بہایا اور توڑا
پڑا جو سامنے اس کو نہ چھوڑا

مگر میں ان کتابوں کو نہیں چھوڑ سکتا تھا، یہ تو گویا میری روح تھیں نہ دیکھوں تو چین ہی نہ آتا تھا، اگر دنیا داری اور ماں باپ کی خواہشوں کا پاس نہ ہوتا تو میں داؤد یزدانی حقیقتاً ان کتابوں میں ہی دنیا بسر کر دیتا اور پھر برملا کہتا میری شادی تو ان کتابوں سے ہو چکی ہے جیسے بابائے مولوی عبدالحق نے کسی کے سوال کے جواب میں کیا لطیفا جواب دیا تھا میری شادی تو اردو سے ہو چکی ہے، انہیں اردو سے عشق تھا اور مجھے اردو ادب سے عشق ہے، اس لئے شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ہم نشینی اگر کتاب سے ہو
اس سے بہتر کوئی رفیق نہیں

مگر پھر وہی ڈھاک کے تین پات کہ ثانیہ انہیں رفیق نہیں سمجھتی تھی، میں جانتا ہوں کہ میں واقعی اس کے ساتھ ناانصافی کر رہا ہوں نئی نویلی دلہن واقعی توجہ مانگتی ہے، مگر میں نے کہا ناں مجھے خود پر اختیار نہیں تھا، تنگ آ کر میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ نہایت خشوع خضوع سے کہ وہی ہستی ہے بااختیار۔

☆☆☆

میں نے واپس آتے ہی اپنے فیصلے پر عمل درآمد شروع کر دیا تھا اور واقعی مجھے یک گونہ سکون محسوس ہوا اب میں جلنے کڑھنے کے بجائے سکون سے رہتی ہوں داؤد بھی کبھی کبھی مجھے حیران ہو کر دیکھتے ہیں تو میں دل ہی دل میں خوب محظوظ ہوتی ہوں، صبح سویرے ہی نماز ادا کر کے میں دو تین گھنٹے خوب خشوع خضوع سے تلاوت کرتی ہوں اتنی دیر میں داؤد بھی آ جاتے ہیں نماز اور واک

کر کے وہ فجر کی نماز کے بعد عموماً قریبی پارک میں واک کرنے چلے جاتے ہیں پھر ناشتے اور صفائی کے بعد میں گھر کے دیگر کام میں مشغول ہو جاتی ہوں، غرض یہ کہ کوئی بھی لمحہ فارغ نہیں جانے دیتی کیونکہ فارغ دماغ شیطان کا کارخانہ ہوتا ہے اور خالی دماغ میں وہی الٹی سیدھی سوچیں اور الجھن و کڑھن کے علاوہ مجھے ملتا بھی کیا، سو میں نے بھی بہترین سے بہترین معروفیت تلاش کرنے کی ٹھان رکھی تھی، اب داؤد حیران ہوتے ہیں کہ میں نے ان سے زبان درازی کرنا اور ان کی شاعری سے خار کھانا چھوڑ دیا ہے،

☆☆☆

میں کچھ دنوں سے دیکھ رہا تھا، ثانیہ بہت پرہیزگار ہوتی جا رہی ہے اور اس کی پرہیزگاری اور اپنی ذات سے لاپرواہی پر میں اضطراب میں مبتلا ہونے لگا ہوں اور آج تو حد ہی ہو گئی میں ثانیہ کے بارے میں ہی سوچتے سوچتے سو گیا اور آج نہ تو میں نے کسی کتاب کو ہاتھ لگایا نہ مجھے احساس ہوا مجھے بے چینی ہونے لگی تھی کہ وہ اب مجھ سے جھگڑتی کیوں نہیں میری شاعری پر اعتراض کیوں نہیں کرتی شاید میں لاشعور طور پہ اس کی آواز سننے اور اس کے مخاطب ہونے کا منتظر تھا، میں بہت پریشان تھا اور میری یہ پریشانی صبح کی نماز میں امام صاحب نے بھی نوٹ کرلی۔

"کیا بات ہے بیٹے آپ پریشان ہیں کیا؟" انہوں نے نرم لہجے میں استفسار کیا اور میں نجانے کیوں انہیں سب کچھ بتا بیٹھا وہ کچھ دیر تو میری طرف دیکھتے رہے پھر مسکراتے ہوئے بولے۔

"بیٹا آپ کو تو اپنے رب کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اللہ نے آپ کو اچھی اور سمجھدار بیوی عطا کی، ایسی بیویاں بہت کم دیکھنے میں ملتی ہیں جو شوہر کی طرف سے بے توجہی سے کوئی غلط راستہ اختیار کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتی ہیں، آپ کو بھی چاہیے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور سکون حاصل کریں، بے شک اللہ کی یاد میں ہی دلوں کا سکون پوشیدہ ہے شاعری اگر زیادہ پسند ہے تو اسے کبھی کبھار پڑھ لیا کیجئے مگر زیادہ وقت بیوی کو دیں اور اللہ کا شکر ادا کریں۔"

☆☆☆

آسمان کی نیلاہٹ آہستہ آہستہ زرد رنگ میں بدلنے لگی تھی۔

فبای آلاء ربکما تکذبن۔

(تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے) داؤد کی آواز اس وقت ماحول کی عکاسی کر رہی تھی فجر کا دھندلکا چھٹنے لگا تھا اور رب کی حمد و ثناء پر پھول، پودوں اور چڑیوں کے ساتھ آسمان پر بادلوں کے پیچھے چھپا سورج بھی میری طرح گویا داؤد کی خوش الحانی سے کی گئی تلاوت سننے کے لئے بے تاب نکل آیا تھا میں بھی نہایت خشوع خضوع سے ان کی خوبصورت آواز میں سورۃ رحمٰن کی تلاوت سن رہی تھی اور آج اس خوبصورت سورۃ کو سنتے ہوئے مجھے ثانیہ داؤد کو یہ قبول کرنے میں کوئی عار نہیں کہ بے شک ہم اپنی رب کی نعمتوں کو جھٹلانے کے بجائے صبر و شکر کے ساتھ اس کی رضا میں راضی رہ کر مدد مانگیں تو کوئی بعید نہیں کہ ہم جو مانگیں وہ ہمیں مل نہ سکے اور آج اسی رب کی محبت پانے کے ساتھ مجھے داؤد کی بے پایاں محبت بھی حاصل کر چکی ہوں جس پر میں اس کریم ذات کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے اور یہی دونوں محبتیں آج میری زندگی کا کل حاصل ہیں۔

☆☆☆

فرحت عمران

کھڑکی کے پار بارش تواتر سے برس رہی تھی، آج آسمان شاید اپنے سارے آنسو بہا دینے پر تلا ہوا تھا، شام سے برستی بوندا باندی تیز بارش کا روپ دھار کر ہر شے جل تھل کر چکی تھی، اسے بھی یہ موسم بے حد اچھا لگتا تھا مگر اب.....

اب اسے ہمہ وقت اداسی و بے زاری گھیرے رہتی تھی، وہ بے زاری اور گھنٹہ بھر سے اپنی اسائنمنٹ مکمل کر رہی تھی۔

"تحریم بیٹا! رات کافی ہو چکی ہے تم اب سو جاؤ۔" دادی اس کے لئے دودھ لے کر آئی تھیں، اس نے چونک کر انہیں غائب دماغی سے دیکھا، دادی اسے دکھ سے دیکھ کر رہ گئیں، انہوں نے دودھ اسے تھماتے ہوئے محبت سے اس کا ماتھا چوم لیا، ان کا بس چلتا تو اس کا دکھ اپنی پوروں پر سمیٹ لیتیں، تحریم نے خاموشی سے دودھ لبوں سے لگا لیا، دادی مزید اصرار کیے بنا چلی گئیں وہ جانتی تھیں کہ وہ اپنے دکھ سے فرار کا راستہ ڈھونڈ رہی ہے۔

تحریم نے ان کے جانے کے بعد دو گھونٹ دودھ لے کر مگ اسٹڈی ٹیبل پر رکھ دیا، اس کا دل دودھ پینے کو نہ چاہ رہا تھا اس نے محض دادی کی محبت بھری ڈانٹ سے بچنے کے لئے دودھ کا مگ لے لیا تھا، اس نے اسائنمنٹ سمیٹ کر ٹیبل کے دراز میں رکھ دی، اسائنمنٹ پچھلے کئی روز سے ادھوری تھی اسے صبح اسائنمنٹ سبمٹ کروانا تھی، لیکن دل..... اس کا دل کسی چیز میں نہ لگ رہا تھا، اس نے سر چیئر کی بیک سے ٹکاتے ہوئے کنپٹیوں کو انگلیوں سے دباتے ہوئے درد کی اٹھتی ٹیسیں دبانے کی کوشش کی، درد کرب کی صورت اس کی رگ رگ میں اترنے لگا، اس نے پلکیں سختی سے میچتے ہوئے یاد ماضی سے چھٹکارا پانے کی سعی کی، اس نے دادی کی جرح و محبت بھری ڈانٹ سے

مکمل ناول

بچنے کے لئے دودھ کا مگ لبوں سے لگالیا تھا مگر
اس کے پاس یادِ ماضی سے بچنے کا کوئی طریقہ یا
حل نہ تھا، آنسو اس کی پلکوں کی باڑ سے موتیوں
کی صورت گرنے لگے۔
بند پلکوں کے پیچھے ماضی کی یادیں کسی فلم کی
طرح متحرک تھیں اس کے آنسوؤں میں شدت
آنے لگی تھی۔

☆☆☆

آسمان بادلوں سے ڈھک کر ہر شے پر
تاریکی پھیلا چکا تھا، موسم نے لیکا یک اپنی جون
بدلی تو سب کا دل پکوڑے کھانے کو مچلنے لگا۔
"تحریم بیٹا! تم جلدی سے پکوڑے بنا کر
لان میں لے آؤ۔" وہ گھر میں پکوڑے سب سے
لذیذ بناتی تھی بابا کو اس کے ہاتھ کے پکوڑے
بہت پسند تھے، انہوں نے فرمائش کی یہ ہو ہی نہ
سکتا تھا کہ وہ بابا کی کوئی فرمائش رد کر دیتی، سو وہ
بیس منٹ بعد پکوڑوں اور چٹنی سمیت سب کے
درمیان تھی۔
"واؤ۔" سب سے پہلی نظر پکوڑوں پر بھیا
کی پڑی تھی، وہ مسکراتی ہوئی پلیٹ میز پر رکھ کر
بھیا کی چیئر کی بازو پر ٹک گئی۔
"منیرہ تم بھی تحریم سے پکوڑوں کی ریسپی
سیکھ لو۔" بھیا نے منہ میں پکوڑا ڈالتے ہوئے
بھابھی کو چھیڑا۔
"سیکھنے کی کیا ضرورت ہے، میں ہوں
بنانے کو بھیا۔" منیرہ اور تحریم میں روایتی نند
بھابھی سا رویہ نہ تھا بلکہ ان میں مثالی محبت تھی
تحریم نے فوراً بھابھی کی سائیڈ لی۔
"لو جی، ہو گیا دونوں میں ایکا۔" بھیا نے
چہرے پر مسکینیت طاری کرتے ہوئے سننے کی
بھرپور ایکٹنگ کی تھی، فضا میں ایک جاندار قہقہہ
بکھر گیا۔

☆☆☆

"بھیا! آج میری وین نہیں آئے گی، پ
مجھے کالج ڈراپ کر دیجئے گا۔" تیمور بریڈ پر
لگا رہا تھا کہ تحریم نے آ کر اس کی توجہ
سنبھالی، وہ کالج یونیفارم میں تیار تھی۔
"تو تم آج چھٹی کر لیتی۔" اس کا کا
کے آفس سے بالکل آؤٹ آف وے تھا، ا
اسے کالج ڈراپ کر کے آفس پہنچنے میں دو
لگ جاتے، انہوں نے نیا بزنس سٹارٹ کیا تو
ان کا پہلا اصول وقت کی پابندی تھی، سو ان
چہرے پر بیزاری ہی بیزاری تھی، جو ان کے
میں بھی در آئی تھی۔
"بھیا! پلیز میں اب تیار ہو چکی ہوں۔"
تحریم نے جیسے ان کی منت کی۔
"بیٹا چھوڑ آؤ نا، بہن کو۔" بابا کو بالآخر اس
کی سائیڈ لینا پڑی۔
"بابا پلیز آپ ارہم سے کہہ دیں، وہ چھوڑ
آئے گا۔" تیمور نے عجلت میں اٹھتے ہوئے
معذرت خواہانہ نظر بابا پر ڈالی اور گاڑی کی چابی
لے کر چلا گیا، تحریم منہ بسورتی اسے جاتا دیکھتی
رہ گئی۔
"نہ میری بچی! تو ارہم کے ساتھ چلی جا، جا
اسے جا کے کہہ، دادی بلا رہی ہیں۔" دادی نے
اسے بہلاتے ہوئے پچکارا تو وہ بہل گئی، بھابھی
اور امی بھی اب مطمئن تھیں، وہ گھر بھر کی جان
تھی، اس کی خفگی برداشت کرنا کسی کے بھی بس
میں نہ تھا، اگلے لمحے وہ ناشتہ بعجلت ختم کرکے
پھپھو کے پورشن میں تھی۔

☆☆☆

"ارہم...... ارہم......" وہ دور سے اسے
آوازیں دیتی ہوئی آ رہی تھی، اس کا پہلا پیریڈ مس
ہو گیا تھا مگر وہ مزید کوئی پیریڈ مس نہ کرنا چاہتی تھی

۔۔۔ ہوا کے گھوڑے پر سوار تھی۔
"بیٹا! وہ تو یونیورسٹی جا چکا ہے۔" پھپھو
نے قریب آ کر اسے اطلاع دی بلکہ اس کے سر پر
بم پھوڑا۔
"واٹ... اوہ نو۔" وہ مایوسی سے تقریباً
بیٹھتے ہوئے صوفے پر ڈھے گئی اس کا کیمسٹری کا
بہت اہم پریکٹیکل ہونا تھا، وہ پریکٹیکل کسی قیمت
پر چھوڑنے کا رسک نہ لے سکتی تھی اسے اب کالج
ڈراپ کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔
"بیٹا! تم عدن کے ساتھ چلی جاؤ۔" انہوں
نے بھانجے کا نام لیا جو تحریم کا ماموں زاد بھی تھا،
اسے عدن بالکل پسند نہ تھا اس کی بھی عدن سے
نہ بنی تھی کوئی اور موقع ہوتا تو وہ کبھی بھی اس کے
ساتھ نہ جاتی مگر اب مجبوری تھی اور مجبوری میں
انسان بعض اوقات ناپسندیدہ کام بھی کر لیتا ہے۔
"او کے پھپھو! بس آپ دعا کیجئے گا کہ وہ
گھر پر ہی ہو۔" اس کے چہرے پر امید کی کرن
جاگی اور پھپھو سے الوداعی کلمات کہہ کر تیزی سے
چھوٹی پھپھو کے گھر بھاگی۔
"ارے..... ارے، لوگ کدھر ہوا کے
گھوڑے پر سوار ہیں۔" عدن یونیورسٹی کے لئے
نکل رہا تھا کہ اس نے تحریم کو دیکھ کر گاڑی روکتے
ہوئے سر باہر نکالا۔
"مجھے کالج ڈراپ کر دو۔" نہ سلام، نہ دعا،
صبح صبح حکمیہ انداز اور شاہانہ طریقہ، وہ دل و جان
سے فدا ہو گیا، اس کی والہانہ نظریں تحریم کے
سراپے سے لپٹی جا رہی تھیں، وہ تحریم کو اسی لئے
زہر لگتا تھا کہ وہ ہمہ وقت بقول تحریم "لوفرانہ
نظروں" سے اسے گھورتا تھا۔
دونوں کا جب بھی ٹاکرا ہوتا عدن پھول کی
طرح کھل جاتا اور وہ جل کر جی جان سے خاک
ہو جاتی، عدن کی خاموشی بھری جتاتی نگاہیں تحریم
پر مرکوز تھیں جو گاڑی کے گرد گھوم کر فرنٹ سیٹ پر
بیٹھ چکی تھی، یہ بھی اس کی ذرہ نوازی تھی کہ وہ
فرنٹ سیٹ سنبھال چکی تھی ورنہ اس سے بعید نہ تھا
کہ وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاتی۔
"کیا اب یہیں مستقل قیام کا ارادہ ہے۔"
تحریم نے لفظ لفظ چباتے ہوئے طنزیہ نظریں
عدن پر جمائیں، وہ اس کی حد درجہ رکھائی بے رخی
پر خائف ہو کر گاڑی سٹارٹ کرنے لگا۔

☆☆☆

"کہاں تھے تم اب تک؟ تم نے اتنی دیر کر
دی۔" وہ جونہی ڈیپارٹمنٹ کے داخلی دروازے
سے داخل ہوا فاطمہ تیزی سے اس کی طرف لپکی،
وہ پچھلے آدھ گھنٹے سے اس کے انتظار میں ٹہل رہی
تھی، ارہم کے چہرے پر آسودہ مسکان بکھر گئی،
محبتیں ہمراہ ہوں تو مسکانیں چہرے پر بچھی رہتی
ہیں، اس کی گہری براؤن آنکھوں میں محبت کی
ہزاروں قندیلیں جگمگا اٹھیں جن کی روشنی فاطمہ
کے چہرے کو گلابی کر گئی۔
"شکر ہے تم نے بھی میرا انتظار کیا۔" فاطمہ
ہمیشہ دیر کر دیتی تھی وہ اس سے پہلے یونیورسٹی پہنچ
جاتا تھا، آج فاطمہ کے بابا کو آفس جلدی جانا تھا
سو وہ اسے جلدی یونیورسٹی ڈراپ کر گئے، ان کا
گھر یونیورسٹی کی مین روڈ پر دس منٹ کی ڈرائیو
پر تھا، ارہم کے لطیف مذاق نے اسے خفیف کر دیا،
وہ خفت سے نظریں جھکا کر انگلیاں مروڑنے لگی۔
"یار سوری! میرا مقصد تمہیں شرمندہ کرنا نہ
تھا۔" ارہم کے دل کو کچھ ہوا تھا، اسے فاطمہ لڑتی
جھگڑتی، شوخی پہ مائل اور مسکراتی اچھی لگتی تھی۔
"نہیں ارہم! میں سوچ رہی ہوں میں کل
سے جلدی آیا کروں گی۔" دونوں زوالوجی فائنل
ایئر کے سٹوڈنٹ تھے محبت نے کب دونوں کو اپنی
اسیری میں جکڑا دونوں ہی بے خبر تھے ہاں البتہ

اب دونوں ہی کے لئے رہائی ناممکن ہی نہیں بلکہ سوہان روح تھی، فاطمہ شرمندہ تھی اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ ارہم اس کے انتظار میں کتنا بور ہوا ہوگا۔

"اوہو۔" ارہم نے شوخی بھری نگاہوں سے اسے سرتاپا گھورا تھا وہ خود میں سمٹ گئی۔

☆☆☆

امی نے بریانی بنائی تھی، ان کے ہاتھ کی بنی بریانی دونوں پھپھوؤں کو بے حد مرغوب تھی۔

"تحریم! تم یہ پلیٹ اپنی سارا پھپھو کے گھر دے آؤ۔" دادی نے بریانی بھری پلیٹ ڈھک کر تحریم کو پلیٹ تھمائی، تحریم درمیانی راستہ عبور کرکے بڑی پھپھو کے گھر داخل ہوئی تو ارہم لان میں بیٹھا موسیقی سے لطف اندوز ہو رہا تھا، وہ کانوں پر ہیڈ فون لگا ہونے سے آہٹ نہ محسوس کر پایا تھا، تحریم نے آہستگی سے پلیٹ نیچے رکھ کر دونوں ہاتھ پیچھے سے ارہم کی آنکھوں پر رکھ دیے۔

"کون؟" ارہم نے چونک کر اس کے ہاتھ ٹٹولے۔

"بوجھیں تو جانیں۔" تحریم شوخی سے چہکی اور بول کر پچھتائی، اس نے سرعت سے ہاتھ کھینچ لئے، ارہم کا جاندار قہقہہ فضا میں بلند ہوا۔

وہ اس کی آواز پہچان چکا تھا اگر وہ نہ بولتی تو اسے اس کھیل میں مزہ آتا، اس نے بول کر خود ہی اسے اپنے متعلق بتا دیا تھا تو مزید ہاتھ رکھے رکھنے کا جواز ختم ہو گیا تھا۔

"ہوں ہے میری اک سویٹ سی، چھوٹی سی کزن تحریم فاروق، مجھے تو آواز سے ہی لگتا ہے، کیا تمہیں بھی وہی لگی ہے۔" ارہم نے شوخی سے رخ موڑے بنا اپنے پیچھے کھڑی تحریم کے ہاتھ اپنی مضبوط ہتھیلیوں میں سختی سے یوں پکڑے کہ اس کے لئے جائے فرار نہ رہا، وہ سیکنڈ ایئر پری میڈیکل کی سٹوڈنٹ تھی اور ارہم سے پانچ برس چھوٹی تھی، وہ اسے بہنوں جیسی عزیز تھی، دونوں میں بے حد بے تکلفی تھی۔

"بول نے بول کر خود آپ کو بتایا ہے، اگر میں نہ بولتی تو پھر دیکھتی آپ مجھے کیسے پہچانتے۔" اسے اپنی غلطی کا قلق کھائے جا رہا تھا۔

"پھپھو کدھر ہیں ارہم۔" وہ عمروں کے فرق کے باوجود اس کا نام لیتی تھی۔

"وہ اندر ہوں گی۔" ارہم نے گھر کے اندرونی حصے کی سمت اشارہ کیا تحریم شرارت سے پلیٹ اٹھا کر اندر بڑھ گئی۔

"اے..... اے لڑکی، رکو ذرا۔" تحریم کے بڑھتے قدم تھم گئے مگر وہ مڑی نہیں، ارہم نے لپک کر اس کے ہاتھوں سے پلیٹ دبوچ لی۔

"واؤ، بریانی۔" ارہم کے منہ میں حقیقتاً پانی بھر آیا تھا۔

☆☆☆

"امی بھوک لگی ہے۔" زارا کچن میں کھانا تیار کر رہی تھیں کھانا تیار ہونے میں تھوڑی دیر تھی مگر عدن سے بھوک برداشت نہ ہو رہی تھی اس نے مسلسل بھوک کا راگ الاپ کر زارا کو پریشان کیا ہوا تھا۔

"امی بھوک لگی ہے۔" اس نے بلا مبالغہ کوئی بیسیوں بار کہا تھا وہ کھانا کا انتظار کی کوفت سے دو چار کچن میں چلا آیا، اس کی بھوک کا راگ زارا کے ہاتھ پاؤں پھلائے دے رہا تھا۔

"جاؤ جا کر گیٹ دیکھو کون آیا ہے۔" گیٹ پر بیل ہوئی تو زارا نے اسے وہاں سے ہٹایا، وہ کوفت سے برے منہ بناتا گیٹ پر چلا آیا۔

"السلام علیکم!" تحریم اس کے گیٹ کھولتے ہی سلام کرتی اندر داخل ہوئی۔

"ارے میری بیٹی ہے۔" پھپھو اس کی آواز سنتے ہی باہر آ گئیں، انہیں وہ منیرہ جیسی عزیز تھی، انہوں نے محبت سے اس کی بلائیں لے لیں۔

"پھپھو! دادی نے آپ کے لئے بریانی بھجوائی ہے۔" تحریم نے ان کے والہانہ پن سے جھینپتے ہوئے پلیٹ ان کی طرف بڑھائی جسے عدن نے درمیان میں اچک لیا۔

"تحریم آؤ بیٹھو بیٹا۔" ان کی اکلوتی بھتیجی قریب ہونے کے باوجود کئی روز بعد ان کے ہاں آئی تھی، تحریم نے جانا چاہا تو وہ اسے بازو سے پکڑ کر ڈرائنگ روم میں لے آئیں، تحریم کی آنکھوں کے سامنے ارہم کا سوبر سراپا گھوم گیا، اس نے بھی پلیٹ تقریباً اس کے ہاتھوں سے جھپٹی تھی لیکن یوں سرعام ندیدے پن کا مظاہرہ نہ کیا تھا، جبکہ عدن..... اس نے ترچھی نظر ہاتھوں سے چاول کھاتے عدن پر ڈالی جواب چکن پیس دانتوں سے کتر رہا تھا۔

"شکر ہے تمہیں بھی ہمارے گھر کی راہ آئی۔" عدن کے پیٹ کا دوزخ بھرا تو اسے تحریم کے سامنے مہذب بننے کا خیال آ ہی گیا، زارا کھانا تیار کر چکی تھیں اور ڈائننگ ٹیبل پر چن رہی تھیں، تحریم نے نخوت سے سر جھٹکا اور اسے کوئی جواب دیے بنا پھپھو کی ہیلپ کروانے لگی عدن کے دل کو کچھ ہوا، محبوب کی بے رخی سہنا بھلا کہاں آسان ہوتا ہے، اس کی سوچتی نگاہیں تحریم کے حسین سراپے پر جمی تھیں۔

☆☆☆

صغیر احمد اور نصیر احمد کی بیویاں بہنیں تھیں، دونوں بھائیوں کی مثالی محبت اور بیویوں کے اتفاق نے گھر کو بلاشبہ جنت بنا ڈالا تھا، صغیر کی دونوں بیٹیاں زارا، سارا اور ایک بیٹا فاروق تھا، جبکہ نصیر احمد کے ایک بیٹا ظہیر اور بیٹی عائشہ تھی، وقت کے ساتھ بچے بڑے ہوئے تو صغیر احمد کو سارا کی شادی کی فکر ستانے لگی، دراصل انہیں اچانک کینسر جیسے موذی مرض نے جکڑ لیا تھا، وہ اپنی زندگی میں اپنے بچوں کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے، انہوں نے بھائی سے ذکر کیا تو انہوں نے بیوی سے مشورہ کیے بنا ظہیر اور زارا جبکہ عائشہ اور فاروق کی نسبت طے کر دی، دونوں بھائیوں کے فیصلے پر کسی کو بھی اعتراض نہ تھا، صغیر کو سارا کی فکر کھائے جا رہی تھی، قدرت نے ان کی زندگی میں ہی سارا کا بھی وسیلہ پیدا کر دیا، نادر اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے، ان کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا صغیر نے انہیں گھر داماد بنا لیا، نصیر کو ان کے مرض کا علم ہوا تو وہ بھائی سے بہت لڑے انہوں نے بھائی کا بہتر اعلاج کروایا مگر وہ جانبر نہ ہو سکے، ان کے انتقال کے بعد نصیر کی بیوی اور وہ خود بھی کچھ عرصے بعد دیگرے انتقال کر گئے، آمنہ خاتون تنہا رہ گئیں، تمام محبت بھرے رشتے انہیں چھوڑ گئے، انہیں صرف بچوں کا سہارا تھا، انہوں نے گھر کی ویرانی سے تنگ آ کر ظہیر اور عائشہ کی شادیاں کر دیں تاکہ گھر میں رونق ہو۔

ظہیر اور زارا کے دو بچے منیرہ اور عدن تھے، عائشہ اور فاروق کے بھی دو بچے تحریم اور تیمور تھے جبکہ سارا کا ایک بیٹا ارہم تھا، تحریم سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے گھر بھر کی لاڈلی تھی، وہ دادی کے ساتھ دونوں پھپھوؤں کی بھی جان تھی۔

"ارہم! آؤ ٹینس کھیلتے ہیں۔" تحریم کے فائنل ایگزامز قریب تھے، وہ جی جان سے اسٹڈی میں مگن تھی، وہ لان میں گھاس پر نوٹس پھیلائے بیٹھی تھی کہ ارہم کو آتا دیکھ کر اس کا دل نجانے کیوں اس کے ساتھ ٹینس کھیلنے کو مچل اٹھا، وہ

نوٹس سمیٹ کر اٹھ گئی، اس کا موڈ اب اسٹڈی کا نہ تھا، ارہم کے لئے اپنی چہیتی کزن کی بات ٹالنا ناممکنات میں سے تھا، اس نے مسکرا کر اس کے خیال کی تائید کی، وہ بھاگ کر اندر سے ریکٹ اور کاک ٹیل لے آئی۔

"بس...... بس میرا ہارا یار، تم جیتی۔" تحریم نے مستعدی اور چستی میں اسے ہرا دیا، وہ پھولے سانس سے گھاس پر لیٹ گیا۔

"کیوں اتنی جلدی تھک گئے آپ ارہم۔" تحریم نے بے تکلفی سے پونی میں کسے بال چھلاتے ہوئے اسے کے قریب بیٹھتے ہوئے ریکٹ گھاس پر پٹخا تھا۔

"تحریم آج میں نے یونیورسٹی میں بہت واک کی تھی۔" ارہم کے وجیہہ چہرے پر کوئی حسین خیال مسکان کی صورت جم گیا، آج ان کی دو کلاسز آف تھیں، فاطمہ اسے لئے یونیورسٹی میں خوب گھومی تھی، فاطمہ کی حسین قربت کے تصور نے اس کی وجاہت میں اضافہ کر دیا تھا، تحریم کی نگاہیں ارہم کے وجیہہ چہرے سے ہٹنا بھول گئیں، نجانے کیسے اس کے دل کی بیٹ مس ہونے لگی، وہ عجب بے خودی سے ارہم کو دیکھنے لگی جس کی آنکھوں میں خوبصورت یاد کی پرچھائیاں اور لبوں پر دلکش مسکراہٹ تھی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے۔" وہ ہونق پن سے ارہم کو بے خود دیکھے جا رہی تھی کہ ارہم نے فاطمہ کے تصور سے انگلی چھڑوا کے ہولے سے اس کے سر پر محبت بھری چپت لگائی، وہ اسے عزیز بھی تو بہت تھی۔

"ہوں...... ہاں۔" وہ بری طرح چونکی دل کی بدلی لے نے اسے حواس باختہ کر دیا، وہ کوئی جواب دیئے بغیر ریکٹ اٹھا کر چلی گئی جبکہ ارہم ناسمجھی سے اسے جاتا دیکھنے لگا۔

☆☆☆

اگر وہ میری آنکھوں میں
مجسم دیکھ لے خود کو
مجھے پورا یقین ہے کہ
اسے میری محبت سے
بلا کا عشق ہو جائے

"آپی...... آپی کہاں ہیں بھئی آپ؟"

شام کا دھندلکا ہر سو پھیل چکا تھا، کائنات پر رات کی گہری تاریکی دھیرے دھیرے پھیل کر سورج کی بنفشی شعاعیں خود میں ضم کرنے لگی تھی، زارا کی طبیعت صبح سے خراب تھی، موسم بدل رہا تھا، خنک اکتوبر کے دن تھے، فضا میں خنکی بسنے لگی تھی، زارا کی ناسازی طبیعت کے باعث کوئی گھر میں ڈنر تیار کرنے والا نہ تھا، عدن یونیورسٹی سے آ کر آملیٹ کے ساتھ لنچ کر چکا تھا اور اب ڈنر پر آملیٹ کھانے کا کوئی ارادہ نہ تھا، وہ امی کے لاکھ منع کرنے کے باوجود منیرہ کو بلانے آ گیا تھا تاکہ وہ ڈنر تیار کر دے، اس کی نظر لاؤنج میں موجود اسٹڈی میں محو تحریم پر پڑی تو اس کے قدموں نے راہیں بدل لیں۔

"ہاؤ۔" وہ دبے قدموں اس کی پشت پر آ گیا، تحریم سوچوں میں گم بظاہر نظریں نوٹس پر جمائے ہوئے کہیں اور پہنچی ہوئی تھی، اس کی غائب دماغی اور انجانی اداسی عدن سے چھپی نہ رہ سکی تھی، اس نے چند ثانیے رک کر اس کے ردعمل کا انتظار کیا مگر وہ اس کی موجودگی سے ہنوز بے خبر تھی، اس نے تحریم کے کان کے قریب منہ لے جا کر زوردار آواز نکالی، سوچوں میں گم تحریم بری طرح اچھلی، اس کی گود میں دھرے نوٹس نیچے گر گئے۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ عدن۔" وہ مڑ کر غصے سے لال بھبھوکا چہرے لئے مسلسل قہقہے لگاتے

عدن پر زوردار آواز میں گرجی، وہ سنجیدہ ہو گیا، تحریم کا لال بھبھوکا چہرہ پر پھیلا تنفر اس کی رگیں چیرنے لگا۔

"سوری تحریم؟" وہ نوٹس اٹھا کر جانے لگی تو عدن اس کی راہ میں حائل ہو گیا، دل اس کی خفگی سہنے کو تیار ہی نہ تھا، وہ دل کے ہاتھوں مجبور اس کی خفگی فوراً دور کر دینا چاہتا تھا، وہ تحریم کی بیزار صورت سے پریشان ہو گیا۔

"ہٹو میرے راستے سے۔" اس کے چہرے کی بیزاری بڑھتی جا رہی تھی وہ غصے و بیزاری سے جھنجلا اٹھی، عدن نے اس دشمن جان کے اک دیدار کی یہاں آتے ہوئے کئی دعائیں مانگ ڈالی تھیں، دعائیں بار مقبولیت تو پا گئیں مگر اس کی خفگی......

"تحریم میں سوری کر رہا ہوں نا۔" وہ اسے ہر صورت منا لینا چاہتا تھا، اس کا رویہ پہلے ہی اس سے لیا دیا اور روکھا پھیکا تھا، وہ اسے خود سے مزید دور نہ کرنا چاہتا تھا۔

"تم دفع ہو جاؤ۔" وہ بنا لحاظ کیے سائیڈ پر ہو کر تیزی سے نکلتی چلی گئی، عدن مست قدموں سے منیرہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

"عدن آ کر کھانا کھا لو۔" آپی امی کی خراب طبیعت کا سنتے ہی آ گئیں، انہوں نے امی سے خوب خفگی کا اظہار بھی کیا تھا کہ انہوں نے فوراً اسے کیوں نہ بلوا لیا تھا، اب وہ ڈنر تیار کر کے عدن کو بلا کر چلی گئیں، عدن بھوک کر چکا تھا، اس نے دوپہر کو آملیٹ چائے اور فریج میں پڑے کباب کھائے تھے، اس وقت اس کا دل کھانا کھانے کو بالکل نہ چاہ رہا تھا، اس کے دھیان کے سارے رنگ تحریم کی سمت تھے، وہ دونوں بچپن سے ساتھ پل کر جوان ہوئے تھے، منیرہ آپی اور تیمور بھائی ہم عمر تھے، درمیان میں ارہم تھا، وہ سارا خالہ کے ہاں شادی کے چار سال بعد پیدا ہوا تھا، پھر وہ اور تحریم تھے، وہ ارہم سے تین سال چھوٹا اور تحریم سے اڑھائی سال بڑا تھا، اس نے ارہم کے ڈیپارٹمنٹ میں حال ہی میں ایڈمیشن لیا تھا، نجانے کب اور کیسے تحریم کی محبت اس کے دل میں بس گئی تھی، تحریم کا رویہ اس سے لیا دیا اور ارہم سے خاصا بے تکلفانہ تھا، دونوں میں بے تکلفی بھی نہ تھی وہ جتنا اس سے فری ہونے کی کوشش کرتا وہ اتنا دور بھاگتی، وہ ابھی تحریم کے ہاتھ پر اظہار کی کوئی کلی نہ رکھنا چاہتا تھا تاکہ اس کا ذہن نہ بھٹکے، وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی، ابھی مناسب وقت نہ آیا تھا، مگر آج...... اس کا کھویا کھویا اداس چہرہ عدن کے خیالوں میں گھوم گیا، وہ بے چینی سے اٹھ بیٹھا، کہیں کچھ غلط تھا مگر کیا، وہ سمجھنے سے قاصر تھا، وہ جتنا سلجھانے کی کوشش کر رہا تھا، اتنا ہی الجھتا جا رہا تھا۔

"عدن...... عدن...... عدن بیٹا۔" کھانا لگ چکا تھا، بابا بھی آفس سے آ چکے تھے، اس کا انتظار تھا، آپی اور امی اسے بار بار بلانے لگیں تو ناچار اسے اٹھنا پڑا۔

☆☆☆

سر طاہر کی بیٹی کی شادی تھی، سر نے تمام سٹاف کو انوائیٹ کیا ہوا تھا، تمام ٹیچرز فورتھ پیریڈ کے بعد کلاسز بنک کر کے جا چکے تھے، سٹوڈنٹس بھی ادھر اُدھر ہو گئے تھے کہ روٹس جانے میں ابھی پورے دو گھنٹے تھے، ارہم اور فاطمہ یونیورسٹی کی پچھلی سائیڈ پر پھیلے اوپن جنگل نما گراؤنڈ میں آ گئے، تاحد نگاہ درخت اور سبزہ تھا، ہمہ وقت چہکنے والی فاطمہ خاصا الجھی اور خاموش سی تھی۔

"فاطمہ تم اپنی پریشانی مجھ سے بھی شیئر نہیں کرو گی۔" ارہم نے گھاس روند کر آگے بڑھتی

فاطمہ کا بازو تھام لیا، اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے، ارہم نے تڑپ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"تم وعدہ کرو کہ میرا مذاق نہیں اڑاؤ گے۔" فاطمہ نے آنسو پیتے ہوئے انگلی اٹھا کر اسے وارننگ دی، اس کی آنکھوں میں الجھن، چہرے پر اضطراب اور لبوں پر مبہم مسکان تھی، ارہم کی تشویش کچھ کم ہوئی۔

"میں نے پہلے بھلا کب تمہارا کوئی مذاق اڑایا ہے فاطمہ۔" ارہم کی محبت سے جگمگاتی آنکھوں میں شکوہ مچلا، وہ غلط نہ کہہ رہا تھا، وہ خاصا سوبر اور ڈیسنٹ تھا، وہ ان لوگوں میں سے تھا جو الفاظ کو تول کر بولتے ہیں اور پھر انہیں کبھی اپنے کیے پر پچھتانا نہیں پڑتا ہے، وہ اپنی پریشانی اور دل کی وحشت سے بھول گئی کہ ارہم کبھی اس کا مذاق نہیں اڑا سکتا، اسے خود پر یکدم شدید غصہ آیا، ارہم کی پرشوق نظریں اس کے من موہنے چہرے کا عقیدت سے طواف کر رہی تھیں، ان دونوں کی دو سالہ رفاقت میں لڑنے اور منانے کا مرحلہ کبھی نہ آیا تھا کہ ارہم نے اس کی کبھی نوبت ہی نہ آنے دی تھی۔

"وہ...... وہ مجھے رات کو خواب آیا تھا۔"
اس کی پرشوق نظروں سے خائف فاطمہ نے رخ موڑ لیا، اس کا اعتماد بھاپ کی مانند اڑ گیا اور ہتھیلیاں مارے گھبراہٹ کے پسینے سے بھیگ گئیں۔

"تم نے کیا دیکھا تھا خواب میں۔" ارہم بے تکلفی و شوخی پہ مائل تھا، فاطمہ کا جھینپا روپ اسے چاہے جانے کے سرور میں مبتلا کر کے تسکین پہنچا رہا تھا، دل کی سرزمین پر محبت کے پھول مہک اٹھے تھے۔

"تمہاری کسی اور لڑکی سے شادی ہو رہی ہے۔" وہ یکلخت مڑی اور اپنے عین پیچھے کھڑے ارہم کے کندھے سے جا ٹکرائی، اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا جیسے وہ پسلیاں توڑ کر باہر آ جائے گا۔

"تم نے یہ سوچا بھی کیسے، کہ تمہارا خواب سچ ہو سکتا ہے۔" اس کی سمجھ میں فاطمہ کی بے چینی کی وجہ آ گئی تھی، وہ اس کی رگ جاں تھی، دونوں ایک دوجے کے بنا جینے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے، ارہم نے محبت سے اسے کندھوں سے تھام لیا وہ اسے نظر اٹھا کر نہ دیکھ پائی۔

"فاطمہ کیا مجھے کہنا پڑے گا کہ تم پریشان نہ ہو۔" اس کی محبت کی آنچ سے سلگتے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا کہ وہ بے اختیار سر اٹھا کر اس کی محبت سے جگمگاتی آنکھوں میں جھانکنے لگی، جہاں سچائی درج تھی، دونوں کے درمیان صرف یقین تھا نہ ارہم کو کچھ کہنے کی ضرورت تھی اور نہ ہی فاطمہ کو کچھ سننے کی، فاطمہ کے چہرے پر آسودہ مسکان سج گئی۔

سنا ہے اس محبت میں
بہت نقصان ہوتا ہے
مہکتا جھومتا جیون
غموں کے نام ہوتا ہے
سنا ہے چین کھو کر وہ
صبح و شام روتا ہے
محبت جو بھی کرتا ہے
بہت بدنام ہوتا ہے
سنا ہے اس محبت میں
کہیں بھی دل نہیں لگتا
بنا اس کے نگاہوں میں
کوئی موسم نہیں جچتا
خفا جس سے محبت ہو
وہ جیون بھر نہیں ہنستا
وہ دل بہت انمول ہے

جس میں محبت ہوتی ہے
اعتبار و یقین مل کر
محبت کو سجاتے ہیں

وہ کافی دیر سے بائیو کی ایک ڈائیا گرام بنانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ہر بار کوئی نہ کوئی غلطی ہو جاتی تھی، بالآخر اس نے جھنجھلا کر پنسل اور ربڑ غصے سے دور پٹخ دیا، ٹی وی پر نیوز چینل سرچ کرتے، تیمور بھیا نے چونک کر اسے دیکھا وہ کچھ روز سے بدلی بدلی خاموش تھی، اس کی دلچسپی ٹی وی میں بھی کم ہو چکی تھی اس کے فائنل ایگزامز قریب تھے، اس نے کبھی بھی ایگزامز کو خود پر اتنا سوار نہ کیا تھا کہ وہ ہنسنا بولنا ختم کر دے، وہ بے حد ذہین تھی اور کم وقت میں پیپرز کی تیاری کر کے شاندار مارکس لے لیتی تھی۔

"تحریم میرے پاس لاؤ پریکٹیکل بک۔"
انہیں اپنی بہن پر ٹوٹ کر پیار آیا، وہ ان سے نو سال چھوٹی تھی انہوں نے ہمیشہ اس کے لاڈ اٹھائے تھے، وہ منہ بسورتی نوٹ بک ربڑ اور پنسل سمیت کر ان کے قریب آ گئی، انہوں نے اسے سے مطلوبہ اشیاء لے کر اسے ڈائیا گرام بنا دی۔

"ڈائیا گرام تو بے حد آسان تھی تحریم، تم مجھے اپنی اصل الجھن بتاؤ۔" وہ بھیا سے نوٹ بک لے کر جانے لگی تو بھیا کے الفاظ نے اس کے قدم روک دیئے وہ بھونچکا رہ گئی، واقعی ڈائیا گرام آسان تھی بس اسی کا دھیان بار بار ارہم کی سمت جا رہا تھا وہ جتنا اس کا خیال دل و دماغ سے کھرچنے کی کوشش کر رہی تھی اس کی محبت اتنا ہی کسی آسیب کی مانند اس کی ذات سے چمٹ رہی تھی اسے بھی عمروں کے تفاوت کا خیال تھا مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی، دل پانچ سات سال کی تفاوت کو اہمیت دینے کو تیار ہی نہ تھا، اس کے چہرے پر سجے محبت کے انوکھے رنگ اسے سب کے سامنے عیاں کرنے لگے تھے۔

وہ جھٹکا کھا کر پلٹی بھیا کی کھوجتی نگاہوں کا مرکز وہی تھی۔

"نہیں بھیا! ایسا تو کچھ نہیں ہے۔" اس نے تھوک نگل کر خود میں اعتماد پیدا کرنا چاہا تھا، وہ اب انہیں بھلا کیا بتاتی کہ محبت اسے اپنی گرفت میں لے کر اسے ہمہ وقت وسوسوں میں مبتلا کیے رکھتی ہے۔

"او کے جاؤ۔" بھیا نجانے مطمئن ہوئے یا نہیں مگر انہوں نے اسے جانے کی اجازت دے دی، وہ یوں سرپٹ بھاگی جیسے وہ مزید ایک لمحہ بھی رکی تو وہ اس سے اگلوا کر رہیں گے، بھیا کی پرسوچ نظروں نے اس کا دور تک پیچھا کیا تھا۔

ڈھلتے سورج کے سائے سمٹ کر درختوں کی چوٹی تک پہنچ گئے تھے، کہ عدن تھکا تھکا اور خاموش سا اسے آتا دکھائی دیا، وہ دادی سے بالوں میں تیل کی مالش کروا رہی تھی، انہوں نے ہی زبردستی اسے اپنے سامنے بالوں کی مالش کے لیے بٹھایا تھا۔

"شکر ہے تجھے بھی نانی کا خیال آیا۔"
عدن نے سلام کے بعد ان کے سامنے سر کیا تو انہوں نے گلا آمیز شفقت بھرا بوسہ دیا، عدن کے لبوں پر دریدہ مسکراہٹ بکھر گئی، ان دونوں کا اس روز کے بعد آج سامنا ہوا تھا، تحریم لاتعلق بنی رہی، اس نے بھی اسے مخاطب نہ کیا البتہ وہ گاہے بگاہے اس پر اک نظر ڈال لیتا تھا۔

"سوری عدن، میں اس روز نجانے کیوں بے حد روڈ ہو گئی تھی۔" عدن واپسی جانے لگا تو وہ اسے گیٹ تک چھوڑنے آئی، اسے اپنے رویے کی بدسلوکی کا احساس تھا وہ اس سے معذرت کرنا چاہتی تھی۔

''سوری فار واٹ۔'' عدن اس کی ''خصوصی عنایت'' پر مسرور تھا، مگر وہ کسی غلط فہمی یا خوش فہمی کا شکار نہ ہوا تھا، اس نے رسانیت بھری نرمی سے اس کی خفت ختم کرنا چاہی تھی، وہ اسے شرمندہ نہ کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی اسے اپنے سامنے شرمندہ دیکھ سکتا تھا، خفت سے انگلیاں مروڑتی تحریم نے عدن کو ممنونیت سے دیکھا، وہ اسے معاف کر چکا تھا، وہ بے خبر تھی کہ محبتوں میں معافی تلافی جیسے عمل محبتوں کا گلا گھونٹ دیتے ہیں اور وہ تو اسے دل و جان سے چاہتا تھا۔

☆☆☆

''تحریم! آج تمہاری پھپھو نے تمہیں بلوایا ہے۔'' وہ کالج سے آئی تو اسے آتے ہی امی نے پیغام دے دیا، صبح ارہم یونیورسٹی جاتے ہوئے پھپھو کا پیغام دے گیا تھا، وہ کئی روز سے ان کے ہاں نہ گئی تھی، وہ اسے یاد کر رہی تھیں۔

''اچھا۔'' اس نے عجب خفس انداز میں جواب دیا، وہ اسے دیکھ کر رہ گئیں، وہ چند روز سے کھوئی کھوئی اور خاموش رہنے لگی تھی، انہوں نے اس کے ایگزامز کی ٹینشن سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا، انہیں اس کے کترائے انداز نے چونکا دیا۔

''تحریم!'' سارا کی کوئی بیٹی نہ تھی وہ اسے بیٹیوں کی طرح چاہتی تھیں سو اسے ٹوکے بنا نہ رہ سکیں، وہ اس دوران کھانا میز پر لگا چکی تھیں۔

''امی میں چلی جاؤں گی۔'' اس نے لہجے میں نرمی سمو لی اور یونیفارم چینج کیے بنا کھانا کھانے لگی۔

''کیوں میری بچی کے پیچھے ہی پڑ گئی ہو۔'' انہوں نے خشمگیں نگاہوں سے تحریم کو گھورا تو دادی نے الٹا انہیں گھر کا تھا۔

''خالہ جان، آپ کے بے جا لاڈ پیار نے اسے بگاڑا ہے۔'' انہوں نے غصے سے سالن کا ڈونگا پٹخا۔

''ہائیں ہائیں۔'' دادی ہکا بکا منہ پر ہاتھ رکھ کر رہ گئیں جبکہ بھابی کی ہنسی چھوٹ گئی۔

دن بھر کی دھوپ سمٹ کر شام کی ٹھنڈی میٹھی آغوش میں پناہ لے چکی تھی، اس کے ایگزامز شروع ہونے میں ہفتہ بھر تھا، وہ جی جان سے تیاری میں مگن تھی، اس کا دل یکا یک سیر کے لئے مچل اٹھا، وسط نومبر کے دن تھے، شام ہوتے ہی سردی کا احساس بھی جاگ اٹھتا تھا، وہ لانگ سویٹر پہن کر قریبی پارک میں آ گئی۔

وہ واک کے بعد بینچ پر بیٹھی اپنی سانسیں ہموار کر رہی تھی، ان کا یوں اچانک سامنا ہو جائے گا اس کے گمان میں نہ تھا۔

''کہاں ہوتی ہو تم آج کل؟'' وہ سر اٹھانا نہ چاہتی تھی مگر اٹھانا پڑا، ارہم اس کی دائیں سمت موجود تھا، اس نے دوبارہ پوچھا تو وہ خود میں الجھن سی محسوس کرنے لگی۔

''میرے ایگزامز ہو رہے ہیں۔'' اس نے دل کی منتشر دھڑکنوں کو بمشکل سنبھالتے ہوئے تھوک نگلا، چہرہ الگ حیاء کی لالی سے کوئی اور داستان سنا رہا تھا، اس کی دھیمی آواز میں جھجک نمایاں تھی۔

''محترمہ ہو نہیں رہے ہیں، ہونے والے ہیں وہ بھی دس روز بعد۔'' ارہم نے اپنے مخصوص دھیمے نرم لہجے میں اس کی شوخی سے تصحیح کی۔

''ارہم کو میرے متعلق تمام خبریں علم ہیں یہ مجھ سے کتنا باخبر ہیں۔'' دل خوش فہم نے اسے خوش گمانی کی راہ دکھائی، اس نے آہستہ سے سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں اس کے لئے پہلی جیسی محبت و نرمی تھی لیکن وہ اس کی محبت کو نیا رنگ دینے لگی۔

''آپ کو میرے متعلق ہر خبر رہتی ہے۔'' اس کی محبت سے بوجھل لہجے میں سرگوشی نما دھیمی آواز ابھری، اس کا من موہنا چہرہ محبت کے رنگوں سے سجا تھا اور آنکھوں میں محبت کی چمک تھی، ارہم لمحہ بھر کو گنگ رہ گیا، وہ بچہ نہ تھا کہ اس کے بدلے تیور نہ سمجھتا۔

''تم میری سویٹ سی بہن نما کزن ہو اور ویسے بھی انٹر کی ڈیٹ شیٹ اور ایگزامز کی ڈیٹ نیوز پیپرز میں آ چکی ہے۔'' ارہم نے لہجے میں سنجیدگی سموتے ہوئے اس کی خوش گمانی دور کرنے کی سعی کی، تحریم نے چونک کر اسے دیکھا، اس کے چہرے پر چھائی گمبھیرتا اور آنکھوں کی سنجیدگی نے تحریم کو ''حد ادب'' کا اشارہ دے دیا تھا۔

''تمہیں واک کرنا ہو گی، میں چلتا ہوں۔'' ارہم نے اپنے سوال کا جواب جاننے کی مزید کوشش نہ کی تھی اسے شدت سے کسی انہونی کا احساس ہوا تو اس نے مزید وہاں بیٹھنا مناسب نہ سمجھا تھا۔

اس کا دل جیسے کسی نے مسل ڈالا، آنسو اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے، آنسوؤں کی تنی چادر میں دھیرے دھیرے ارہم کا ہیولا گم ہونے لگا۔

☆☆☆

''مجھے بتاؤ گے نہیں کہ کیا بات ہے۔'' وہ دونوں کلاس اٹینڈ کر کے نکلے تو دونوں کے قدم کینٹین کی طرف اٹھنے لگے کہ اگلا پریڈ میں پندرہ منٹ کا گیپ تھا، فاطمہ نے راہداری میں خاموش اور سوچوں میں گم ارہم کا کندھا ہولے سے ہلایا، وہ کچھ پریشان لگ رہا تھا اور یہ ہو ہی نہ سکتا تھا کہ وہ اس کی پریشانی نہ بھانپتی۔

''کچھ نہیں ہوا ہے۔'' وہ شام سے اپنی سوچوں کو خود ہی ماننے سے انکاری تھا تو اسے کیا بتاتا، وہ اسے پریشان نہ کرنا چاہتا تھا، اس نے چہرے پر جبری مسکراہٹ طاری کر لی۔

''تم کیوں جھوٹ بول رہے ہو جبکہ تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ میں تمہارے جھوٹ فوراً پکڑ لیتی ہوں۔'' وہ اس سے جھوٹ بول ہی نہ سکتا تھا اس نے اپنی محبت کی بنیاد پر خلوص جذبوں اور سچائی پر رکھی تھی، فاطمہ غلط نہ کہہ رہی تھی اس کے لئے جھوٹ بولنا آسان نہ تھا کم از کم فاطمہ کے سامنے تو بالکل بھی نہیں، فاطمہ نے اس کی آنکھوں میں اعتماد سے جھانکا اس نے اپنی آنکھوں کی سرخی چھپانے کو منہ پھیر لیا۔

''کیا ہوا ہے ارہم۔'' فاطمہ حقیقتاً پریشان ہو گئی۔

''کچھ نہیں یار بس ذرا موسم بدل رہا ہے نا تو سر بھاری ہے۔'' ارہم نے اس کی تشویش کم کرنے کے لئے بہانہ گھڑا، ارہم نے مصنوعی بشاشت و مسکراہٹ چہرے پر طاری کی اور پھر اس نے فاطمہ کو اپنے چٹکلوں اور باتوں سے جلد بہلا لیا تھا۔

''عدن ناراض ہو مجھ سے۔'' عدن یونیورسٹی سے لوٹا تو ماموں کے گھر کے کھلے گیٹ سے اسے لان میں زور و شور سے ٹہل کر پڑھتی تحریم نظر آئی وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا، تحریم اسے دیکھ چکی تھی وہ تیزی سے پیچھے لپکی، ان دونوں کا ٹاکرا کم ہوتا تھا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے کوئی ہرٹ ہو۔

''نہیں میں کیوں ناراض ہونے لگا بھلا۔'' عدن کو ناچار رکنا پڑا، وہ اس دشمن جان کی اک جھلک کو ترستا تھا اور اب اس کی نفرت سے ڈرنے لگا تھا، حالانکہ تحریم نے اسے کبھی ناپسند یا قابل نفرت نہ سمجھا تھا وہ تو محض اس کی والہانہ نگاہوں سے چڑتی تھی، ان دونوں کا بچپن بھی اکٹھا گزرا

تھا۔

''آؤ میں تمہیں چائے پلاتی ہوں۔'' تحریم نے مسکرا کر اسے آفر کی تو وہ اس کی غیر متوقع آفر پر متحیر رہ گیا، تحریم کو اپنے رویے کی بدسلوکی کا احساس تھا اور وہ اس کا مداوا کرنا چاہتی تھی، عدن اس کی آفر پر بے یقین تھا، کیا وہ واقعی تحریم تھی یا وہ کوئی خواب دیکھ رہا تھا، اس نے زور سے آنکھیں جھپکیں۔

''ہاں ہاں یہ میں ہی ہوں۔'' تحریم نے اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا کر اس کا بازو تھام لیا، وہ بے یقینی سے بے ہوش ہونے کو تھا، ان کے درمیان کبھی بھی اتنی تکلفی نہ رہی تھی، وہ ٹرانس میں اس کے پیچھے ہولیا۔

''شکر ہے تمہیں میری یاد آئی۔'' وہ سلام دعا کے بعد پھپھو کے گلے لگی، تو انہوں نے محبت بھرا شکوہ کیا، وہ شرمندہ ہوگئی، اس نے ارہم سے بچنے کے لئے پھپھو کو بھی نظر انداز کر دیا تھا، اس کے ایگزامز شروع ہو چکے تھے، اگلے پیپر میں چار روز کا گیپ تھا، وہ آتے ہی پھپھو کی طرف آگئی اس کا ارادہ شام تک ادھر رہنے کا تھا۔

''پھپھو! ارہم کس وقت گھر آتے ہیں۔'' سارا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا، پھپھو اس کے لئے چائے بنانے لگیں تو وہ ان کے ساتھ کچن میں آگئی۔

''اس کا آف دو بجے ہوتا ہے۔'' پھپھو نے کیتلی میں دودھ پتی برنر پر رکھتے ہوئے معروف انداز میں بتایا۔

''ابھی سوا بارہ ہوئے ہیں، انہیں روٹ سے آتے گھنٹہ لگ جائے گا یعنی وہ تین بجے تک آئیں گے۔'' اس نے دل میں سارا حساب لگایا، وہ اس کے ساتھ سہ پہر کو واک کے لئے جائے گی اور واپسی پر اپنے، اس نے پروگرام ترتیب دے دیا، دل و جان پر ارہم کے دیدار کے تصور نے عجیب سرور طاری کر دیا۔

''پھپھو! ارہم کب آئیں گے۔'' گھڑی کی سوئیاں تین سے اوپر ہوئیں تو اس نے بے چینی سے پوچھا، پھپھو نے اس کے لئے کھانے پر خصوصی اہتمام کیا تھا، وہ شوگر کے مرض کا شکار تھیں اور وہ بھوک لگنے پر ارہم کا انتظار کیے بناہ کھانا کھا لیتیں، وہ کھانا کھا چکی تھیں جبکہ تحریم ارہم کا انتظار کر رہی تھی۔

''لو وہ آگیا۔'' پھپھو کے جواب دینے سے قبل ڈور بیل ہوئی تو پھپھو گیٹ کھولنے چلی گئیں۔

''السلام علیکم!'' وہ اندر آیا تو تحریم نے اسے سلام کیا اس کے دل کی بدلی لے ہونٹوں اور آنکھوں کو شرگیں احساس بخش رہی تھی، اس نے بے چینی سے لب دانتوں تلے داب لیا۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہے میری بہنا۔'' وہ اسے خود سے فاصلے پر رکھنا چاہتا تھا سو اس نے احتیاط کا دامن تھاما۔

''تم دونوں باتیں کرو، میں کھانا لگاتی ہوں۔'' پھپھو انہیں چھوڑ کر کچن میں چلی گئیں، تحریم تنہائی میں پزل ہونے لگی۔

''میں فریش ہو کر آتا ہوں، تم امی کے ساتھ کھانا لگاؤ۔'' تحریم کی گھبراہٹ دل کی ان کہی داستانیں چیخ چیخ کر بیان کر رہی تھی، ارہم نے اس پاگل لڑکی پر تاسف بھری نگاہ ڈالی۔ وہ اسے ایک نظر دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆☆

وہ گلابوں کی باڑ کے قریب بیٹھی پودوں کی گوڈی کر رہی تھی، اس نے موتیے کے پودے کی لٹکی شاخوں کو رسی کی مدد سے دیوار کے ساتھ لگی کیل سے باندھا اور پودوں کو پانی دینے لگی، اس کی مٹی سے لتھڑے ہاتھ گیلے ہو کر گارے سے بھر گئے تھے، ہوا کا اک جھونکا اس کی زلفوں کو چھیڑ کر آگے بڑھ گیا، اس نے بے دھیانی میں گارے بھرے ہاتھ سے بالوں کی لٹ کانوں کے پیچھے اڑسی دفعتاً اس کے کانوں سے بھاری مردانہ قہقہہ ٹکرایا وہ چونک کر مڑی، ارہم اس کی مٹی سے لپے چہرے کو دیکھ کر ہنسے جا رہا تھا۔

''کیا ہوا؟'' وہ ہونق پن سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ذرا اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھو۔'' ارہم نے قہقہہ ضبط کر لیا مگر اس کے ہونٹ متبسم تھے، تحریم کی سمجھ میں اس کی ہنسی آگئی، وہ نل کے قریب جا کر ہاتھ دھونے لگی، اسے احساس توہین سلگانے لگا، ارہم نے کبھی زندگی میں اس کا مذاق نہ اڑایا تھا بلکہ اگر عدن کبھی اس سے کوئی مذاق یا شرارت کرتا تو وہ ارہم ہی کو جا کر بتاتی تھی پھر وہ عدن کو سمجھاتا یا ڈانٹتا تھا مگر آج...... آج وہ خود اس پر ہنس رہا تھا، وہ تو عدن سے مختلف تھا بہت مختلف، پھر اس نے ایسا کیوں کیا، اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے، ارہم وہیں کھڑا تھا غالباً وہ اس کی واپسی کے منتظر تھا، وہ اس سے آنسو چھپانے کو قدرے رخ موڑ گئی، وہ اب آنسو ضبط کرنے میں ناکامی محسوس کر رہی تھی، اس نے تیزی سے بہتے آنسوؤں پر پانی کے چھپاکے مارے، آنسو پانی میں مل کر بے مول ہو گئے مگر دل...... دل کی آہ و بکا جاری تھی، اسے ارہم کے ذرا سے مذاق نے بے حد تکلیف دی تھی۔

''تحریم!'' وہ کافی دیر سے یونہی منہ پر پانی کے چھپاکے مارے جا رہی تھی کہ ارہم اس کے قریب آگیا، وہ تیمور بھیا کے پاس کسی کام سے آیا تھا، اس کی نظر تحریم کے مٹی سے لتھڑے چہرے پر پڑی تو قدم خود بخود اس طرف مڑ گئے۔

''تحریم!'' ان کے اس نے نرمی سے اسے سیدھا کھڑا کیا، پانی بہہ رہا تھا اور چھینٹے دونوں کے پیر بھگو رہے تھے اس کی جھکی پلکیں گالوں پر لرزنے لگیں، ارہم کچھ یاد آنے پر بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹا، وہ عجلت میں تھا اسی لئے وہ تحریم کا بدلاؤ بھلا کر اس کے پاس آیا تھا اور اب اسے خود پر غصہ آ رہا تھا، وہ اس کی نرمی کو کوئی غلط رنگ بھی دے سکتی تھی وہ کم عمر و نادان تھی اس عمر میں لڑکیاں خوش گمانی کی تتلیوں سے اپنی مٹھیاں بھرنے کی کوشش کرتی ہیں بھلے بعد میں اپنی ہتھیلیوں پر رہ جانے والے کچے رنگوں کو دیکھ کر ساری زندگی روتی رہیں تحریم نے ارہم کے گریز سے تڑپ کر اسے دیکھا وہ کمی چھپا چکی تھی، تحریم کے اردگرد صرف احساس محبت تھا جو اسے اپنی گرفت میں مضبوطی سے جکڑے اس پر فسوں پھونک رہا تھا، وہ بے خود ارہم کے چہرے پر ٹکٹکی باندھے ہوئے تھی، دونوں کے درمیان ایک چبھتی خاموشی حائل تھی، ارہم کا دل شدت سے اسے جھنجھوڑنے کو چاہا جو انجانے میں محبت کی خاردار وادی میں پاؤں رکھ چکی تھی، اگلے لمحے وہ تیزی سے لمبے ڈگ بھرتا اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا، تحریم ان چاہے جذبوں میں گھری سوچوں کی لمبی اڑان بھرنے میں مگن تھی، وہ بے خبر تھی کہ بسا اوقات انسان سب کچھ پا کر بھی تہی دست رہ جاتا ہے۔

☆☆☆

وہ آخری پیپر دے کر لوٹی اور جو لمبی تان کر سوئی تو شام کی خبر لائی، وہ کسلمندی سے آنکھیں ملتی ڈرائنگ روم میں آگئی، منیرہ بھابھی کہیں جانے کو تیار بے چینی سے تیمور بھیا کی منتظر تھیں، وہ ان کے قریب آن بیٹھی۔

''ہیلو تیمور۔'' ان کے موبائل کی سکرین

جونہی روشن ہوئی انہوں نے بے تابی سے کال پک کر لی، وہ جوں جوں فون سنتی جا رہی تھیں، ان کے چہرے پر مایوسی پھیل رہی تھی۔

"کیا بات ہے بھابھی۔" منیرہ نے مایوسی سے فون بند کیا تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"مجھے اپنی بیسٹ فرینڈ کی شادی میں جانا ہے لیکن تیمور بزنس میٹنگ میں بزی ہیں۔" منیرہ نے اپنی مشکل بیان کی۔

"لیں، آپ کی مدد کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتہ بھیج دیا ہے۔" تحریم عدن پر نظریں جما کر شوخی سے مسکرائی، اس کی آنکھوں میں شوخی اور چہرے پر دھیمی مسکان تھی۔

"عدن تم جلدی سے گاڑی نکالو، میں ابھی آتی ہوں۔" منیرہ کو تحریم کا مشورہ بھایا تھا، وہ جوتے کا اسٹیپ بند کرتے ہوئے عدن سے مخاطب ہوئی، عدن تحریم کی شرارت پر ہنستا گاڑی نکالنے کے لئے مڑ گیا، اسے دیدار یار تو نصیب ہو ہی چکا تھا۔

☆☆☆

اس نے کوک کا آخری گھونٹ پی کر خالی ٹن دور اچھال دیا اور اونچے درخت پر بیٹھی فاختاؤں کے جوڑے کو محویت سے دیکھتی فاطمہ کو محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگا، وہ اپنا کوک ٹن ختم کر چکی تھی، دونوں ایگزامز قریب ہونے سے کمبائن اسٹڈی کے لئے یونیورسٹی آ رہے تھے اور ڈیپارٹمنٹ کی بجائے یونیورسٹی کے پچھواڑے پھیلے وسیع جنگل نما باغ میں آ کر گھنٹوں بیٹھے رہتے، دونوں کی باتیں ہی ختم نہ ہوتی تھیں تو ایسے میں پڑھائی کا سوال ہی نہ اٹھتا تھا۔

"فاطمہ! میں سوچ رہا ہوں کہ اب ہم یونیورسٹی آنا چھوڑ دیں۔" ارہم نے سنجیدگی سے ایگزامز کی تیاری کا فیصلہ کر لیا تھا وہ پہ پولیس کا ٹاپر تھا اور اپنا شاندار اکیڈمک ریکارڈ قائم رکھنا چاہتا تھا اس کے شاندار اکیڈمک ریکارڈ کی بنا پر سر آفندی (جو سینیارٹی کے لحاظ سے اگلے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ تھے) نے اعزازی لیکچرر شپ کی آفر بھی کر دی تھی، اسے اپنے برائٹ فیوچر کے لئے سخت محنت کی ضرورت تھی جبکہ وہ دھیان سے پڑھ بھی نہ پا رہا تھا، فاطمہ نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"کیوں۔" ان کے ایگزامز میں چند روز رہ گئے تھے اس سے چند روز کی جدائی بھی سہنا مشکل تھا اسے ارہم کو روزانہ دیکھے بنا چین نہ آتا تھا۔

"ہم دونوں کے برائٹ فیوچر کے لئے۔" اس نے شوخی سے اسے چھیڑا، فاطمہ نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا، اس کی بات کچھ غلط بھی نہ تھی، اس کی اپنی تیاری بھی ادھوری تھی۔

"ہوں، تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس نے گہری سنجیدگی سے ارہم کی تائید کی تھی، فاختاؤں کا جوڑا درخت سے اڑ چکا تھا، اس نے گھڑی پر نظر ڈالی اور ہاتھ جھاڑتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

"کہاں۔" ارہم نے قدرے تحیر سے استفسار کیا۔

"اوہ۔" فاطمہ نے اس کے سامنے گھڑی کی تو وہ بھی فوراً اٹھ گیا، دونوں مین سٹاپ کی بجائے قریبی سٹاپ پر آ گئے۔

☆☆☆

"آخر کب ختم ہوں گے آپ کے ایگزامز۔" وہ اسٹڈی میں بزی تھا کہ تحریم نے آ کر بے تکلفی سے اس کے سامنے دھرے نوٹس اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیئے وہ ایگزامز کے بعد فری تھی اور روزانہ دونوں پھپھوؤں کے ہاں چکر لگا لیتی تھی عدن فری ہونے کی وجہ سے اسے

ٹینشن دیتا تھا جبکہ ارہم اسٹڈی میں بزی ہونے کی وجہ سے اسے ٹائم نہیں دے پا رہا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے تحریم۔" نرم خو اور بردبار ارہم کا ٹمپر لوز ہو گیا، وہ تحریم سے جتنا کترا تا تھا وہ اتنا ہی فری ہونے کی کوشش کرتی تھی، تحریم کا چہرہ مارے خجالت کے سرخ پڑ گیا اور آنکھوں میں نمی اکٹھا ہونے لگی اس نے سائیڈ ٹیبل سے نوٹس اٹھا کر ارہم کے سامنے رکھے اور خفگی سے آنسو پیتی ہوئی وہاں سے جانے لگی۔

"رکو تحریم۔" چند ثانیے بعد ارہم کی نرمی جیسی آواز ابھری تو دل بے قرار کو قرار آنے لگا، اس کی پشت پر قدموں کی چاپ ابھرنے لگی۔

"آخر انہیں اپنے رویئے کی بدسلوکی کا احساس ہو ہی گیا۔" دل خوش فہم نے خوش گمانی کی کئی منزلیں طے کر لیں، وہ ارہم کو بنا معافی مانگے معاف کرنے کو تیار تھی، اس نے کبھی تحریم پر غصہ نہ کیا تھا، وہ پہلی دفعہ اور شدید غم میں تھا وہ تو اس کے نرم میٹھے لہجے کی عادی تھی، وہ بنا ملٹے رک کر اس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگی، قدموں کی چاپ پشت سے معدوم ہو کر اس کے سامنے رک گئی۔

"میں تم سے چھ سال بڑا ہوں، تم میرا نام لینے کی بجائے بھائی کہا کرو، تم میری بہنوں جیسی ہو۔" اس نے سلگتے لہجے میں تحریم کو باور کرایا اور باہر نکل گیا، جبکہ وہ ہکا بکا اپنے جذبوں کے عیاں ہونے پر متحیر تھی، اس کی تحیر بھری پھٹی پھٹی آنکھوں دروازے پر مرکوز تھیں جہاں سے ارہم گزر کر گیا تھا۔

بڑی بے چین بستی ہے کبھی ملنے چلے آؤ
مجھے ہر سانس ڈستی ہے کبھی ملنے چلے آؤ
بہت مدت ہوئی تمہیں میں نے دیکھا نہیں
نگاہ میری ترستی ہے کبھی ملنے چلے آؤ
کوئی لمحہ نہیں گزرا جو تیری یاد سے خالی ہو
میرے دل پہ ترس کھاؤ کبھی ملنے چلے آؤ

اس نے بڑی پھپھو کے ہاں جانا کم کر دیا تھا، ارہم اس کے جذبوں سے آشنا ہو کر بیگانگی اپنا رہا تھا، اس کے دل کا درد بڑھتا جا رہا تھا وہ ایگزامز میں بزی تھا اور وہ اسے ڈسٹرب نہ کرنا چاہتی تھی، وہ خود بھی اس کا سامنا کرتے ہوئے جھجک محسوس کر رہی تھی، وہ لان میں پھولوں کی کنج کے پاس بیٹھی سوچوں میں گم، ہاتھ میں پکڑے گلاب کی پتیاں ایک ایک کر کے نیچے پھینک رہی تھی، دفعتاً اسے کسی کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس ہوا، اس نے گردن ذرا سی دائیں سمت موڑی، ارہم اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا اسی کو دیکھ رہا تھا، دونوں کی نظریں ملیں تو وہ کھڑکی بند کر کے پلٹ گیا، تحریم کا دل کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا اور آنسو آنکھوں میں جمع ہونے لگے آج کل اس کی آنکھیں ذرا ذرا سی بات پر نم ہونے لگی تھیں، وہ گلاب کی آخری پتی نوچ کر پھینکتی کھڑی ہو گئی، اسے اب ارہم کے گریز کو ختم کرنا تھا اس کی پرسوچ نظریں کھڑکی پر جمی تھیں۔

☆☆☆

"تحریم مجھے ریموٹ دو، مجھے نیوز سننا ہیں۔" وہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی کہ تیمور بھیا آ گئے، وہ آفس سے خلاف معمول جلد آ گئے تھے، تحریم سنی ان سنی کرتی ٹی وی دیکھتی رہی۔

"تحریم مجھے ریموٹ دو۔" تیمور نے نرمی سے بات دہرائی، وہ ڈرامہ رات کو دیکھ چکی تھی اب محض ٹائم پاس کرنے کے لئے ٹی وی دیکھ رہی تھی، اسے ارہم پر غصہ تھا وہ صبح ان کی طرف گئی اور وہ اسے دیکھ کر کمرے میں جا گھسا تھا۔

"یہ لیں۔" تحریم نے ریموٹ ان کے سامنے تقریباً پٹخا، اسے آنسو بہانے کا کوئی بہانہ

چاہیے تھا جو اسے مل گیا، وہ روتی ہوئی اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔

"ارے ارے۔" تیمور بھائی ہکا بکا رہ گئے پھر وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکے، وہ ان کی اکلوتی اور لاڈلی بہن تھی، ان کے لئے اس کی آنسو باعث اذیت تھے، وہ بھلا کیسے اسے رونے دیتے۔

"تحریم میری جان تم ٹی وی دیکھ لو، نیوز تو سارا دن ری پیٹ ہوتی رہتی ہیں میں بعد میں سن لوں گا۔" انہوں نے محبت سے اسے منانے کی کوشش کی مگر اسے نہ ماننا تھا، نہ مانی، بلکہ اسے ارہم کے گریز اور بھیا کی بے پناہ محبت پر اور رونا آنے لگا۔

"تحریم سوری بہنا۔" تیمور بھیا کے لئے اس کی خفگی ناقابل برداشت تھی انہوں نے معذرت کرتے ہوئے اپنے کان پکڑ لئے، وہ منہ بسورتی ہنس دی، تیمور بھیا نے سکون بھری سانس لی۔

"چلو اب میرے ساتھ چل کر ٹی وی دیکھو۔" وہ اس کے ماننے پر اسے ساتھ لئے لاؤنج میں آ گئے، تحریم نے محض بھیا کی خاطر ٹی وی آن کر لیا مگر اسے رہ رہ کر اپنی بے ساختگی پر ندامت محسوس ہو رہی تھی، اس نے کئی اکھیوں سے بھیا کو دیکھا وہ ٹی وی میں مگن تھے۔

☆☆☆

"عدن! مجھے آئس کریم کھانی ہے۔" عدن نے اپنے جذبوں کو عیاں کرنا چھوڑ دیا تو وہ تحریم کو سوبر لگنے لگا اور وہ اس سے بے تکلف بھی ہونے لگی، دسمبر کا آغاز تھا اور رات کے گیارہ بج رہے تھے، وہ دونوں لڈو کھیل رہے تھے، تحریم نے شرط لگائی تھی کہ اگر وہ جیت گئی تو وہ جو کہے گی عدن وہ مانے گا، عدن نے خوش دلی سے اس کی شرط مان لی تھی لیکن وہ اس کی بے وقت اور بے تکی فرمائش پر اسے گھور کر رہ گیا۔

"تم نے اپنی طبیعت دیکھی ہے اور محترمہ خراب گلے کے ساتھ سردی میں آئس کریم کھانی ہے۔" اسے دو روز سے بخار اور کھانسی تھی، عدن نے اسے چڑایا تو وہ برا ماننے کی بجائے کھلکھلا اٹھی، عدن اسے والہانہ پن سے دیکھے گیا، وہ بلیو اور بلیک کنٹراسٹ سوٹ میں ملبوس بلاشبہ بے پناہ حسین لگ رہی تھی۔

"یہ فاؤل ہے، تمہیں میری ہر بات ماننا ہو گی۔" اس نے ہنسی پر بمشکل قابو پا کر اسے اس کا وعدہ یاد دلایا۔

"تم میرا ساتھ دو تو میں تمہاری ہر بات پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔" عدن نے بے ساختہ سوچا ضرور مگر کہا نہیں، وہ کہہ کر اسے خود سے فاصلے پر نہ لے جانا چاہتا تھا، وہ اس کے گریز کو سمجھ کر اپنی خامیوں پر قابو پا رہا تھا، وہ پھر سے کوئی حماقت نہ کرنا چاہتا تھا۔

"اوہ، کہاں ہو۔" تحریم نے خیالوں میں گم عدن کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ نچایا۔

"آں ہاں۔" وہ چونک کر اس کی سمت توجہ ہوا۔

"تم ایسے بھلا میری جان چھوڑو گی۔" اس نے ہار مانتے ہوئے ہتھیار ڈال دیئے اور والٹ نکال کر پیسے چیک کرنے لگا۔

"چلیں پھر۔" وہ فوراً تیار ہو گئی۔

"تحریم!" باہر بہت ٹھنڈ تھی، عدن نے سردی سے کپکپاتی تحریم کو اپنا کوٹ پہنا دیا، اس کے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ وہ چونک پڑی، کہتے ہیں عورت اپنی طرف اٹھتی محبت بھری نگاہ فوراً پہچان لیتی ہے، اسے عدن کی دی خصوصی توجہ سے محبت کی خوشبو آنے لگی، اسے انوکھے احساس نے

بی گرفت میں کس لیا۔

"عدن! میں گھر چلتی ہوں، پھر کل سہی۔" ان کے گھر ایک ہی گلی میں قطار وار تھے، وہ دونوں گیٹ سے باہر نکلے، تو تحریم اپنے گھر کے کھلے گیٹ سے غڑاپ اندر غائب ہو گئی جبکہ عدن اس کی پل میں تولہ، پل میں ماشہ کیفیت پر نا سمجھی سے کندھے اچکا کر رہ گیا۔

☆☆☆

"پھپھو! ارہم کے پیپرز کب ختم ہوں گے؟" اس روز اسے شاپنگ کے لئے جانا تھا، منیرہ بھابھی اپنی امی کی طرف گئی تھیں، وہ امی سے پوچھ کر بڑی پھپھو کی طرف آ گئی، اسے قریبی مارکیٹ تک جانا تھا، ارہم اسے اکثر کالونی کے آخری سرے پر واقع مارکیٹ لے جاتا تھا، ارہم کا اگلے روز پیپر تھا وہ فارغ نہ تھا تحریم جھنجھلا کر صوفے پر ڈھے گئی، پھپھو ہولے سے ہنس دیں۔

"بیٹا! میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" انہیں اکلوتی بھتیجی پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا، انہوں نے اپنے تئیں اس کی مشکل آسان کی۔

"نہیں، میں کل ارہم کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" دل اس کی ہمراہی کے بہانے ڈھونڈتا تھا، وہ ارہم کے کمرے کے بند دروازے کو گھورتی بدک کر بے ساختہ سیدھی ہو بیٹھی، اپنے کمرے میں موجود اسٹڈی میں محو ارہم تک اس کی آواز بخوبی پہنچ رہی تھی اور اس کا خون کھول گیا تھا، وہ اس کی ڈھٹائی پر دانت پیس کر رہ گیا۔

"امی آپ اس کے ساتھ چلی جائیں، میرے پاس کل بھی ٹائم نہیں ہو گا۔" ارہم نے کمرے سے آ کر ماں سے مخاطب ہوتے ہوئے اسے سرد نگاہوں سے سرتاپا گھورا تحریم کو پورے بدن میں جھرجھری محسوس ہوئی، وہ اس کی نظروں کی بیگانگی اور سرد پن سے پوری جان سے کانپ کر رہ گئی، جبکہ پھپھو اس کے غصے سے سرخ چہرے پر نظر پڑتے ہی حیران رہ گئیں، وہ خاصا کول مائنڈڈ تھا، اگلے لمحے وہ تحریم کو اپنے غصے کی آگ سے جھلسا کر اپنے کمرے میں غڑاپ سے غائب ہو گیا، تحریم اپنی جگہ سن رہ گئی۔

اور پھر یوں ہوا کہ ارہم نے اپنے اور تحریم کے درمیان فاصلوں کی وسیع خلیج حائل کر لی، وہ اس کے سائے سے بھی بچنے کی کوشش کرتا، نجانے وہ احمق لڑکی کب اور کیسے اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی، وہ سب کی لاڈلی اور چہیتی تھی اسے بھی بے حد عزیز تھی وہ اسے کوئی دکھ دینے کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا، اسی لئے وہ اس سے فاصلہ رکھے ہوئے تھا تاکہ وہ محبت میں مزید آگے نہ بڑھے وہ بے خبر تھا کہ تحریم محبت کے سفر میں اتنا آگے بڑھ چکی تھی کہ واپسی اس کے لئے ناممکن تھی۔

"ارہم آپ مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہیں۔" اس روز اسے تیمور کو کوئی فائل چیک کروانا تھی، وہ ایگزامز کے بعد فارغ تھا اسے تیمور نے اپنے آفس میں جاب کی آفر کی تو اس نے فراغت سے بچنے کے لئے اس کی آفر قبول کر لی، وہ جونہی لان سے راہداری میں داخل ہوا اسے تحریم نے گھیر لیا، اس کے اعتماد اور بہادری نے ارہم کو مشتعل کر دیا۔

"تحریم پلیز جاؤ یہاں سے۔" وہ اس لڑکی کو جتنا برداشت کر رہا تھا وہ اتنا اس کے سر چڑھ رہی تھی اس کے ضبط سے بھینچ گئے۔

"آپ میری محبت سے انجان تو نہیں ہیں ارہم۔" تحریم کو سمجھ میں اس کا گریز نہ آیا تھا، وہ خوبصورت، نو عمر اور دراز قد تھی اور وہ کسی کا بھی آئیڈیل ہو سکتی تھی لیکن ارہم اس پر دوسری نظر تک ڈالنے کا روادار نہ تھا۔

"چٹاخ۔" ارہم کا اس پر ہاتھ اٹھ گیا، وہ

اس کی پذیرائی نہ کرنا چاہتا تھا۔
"وہ کون ہیں جس کے لئے آپ نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔" ارہم نے اس کے بہت ڈلا اٹھائے تھے، اس کی کوئی بہن نہ تھی منیرہ اس سے چند سال بڑی تھی اس نے تحریم کے بہت نخرے اٹھائے تھے، تحریم کا دل کرچی کرچی ہونے لگا، اس نے اس پل پہلی بار ارہم کی آنکھوں میں اپنے لئے غصہ و نفرت دیکھی تھی۔
"وہ جو کوئی بھی ہے مگر تم نہیں ہو انڈرسینڈ۔" وہ سلگتے لہجے میں اس پر شعلے برساتا دھکا دیتے ہوئے پاس سے گزر گیا، وہ ذرا سا لڑکھڑائی اور بلر کا سہارا لے کر سنبھل گئی، اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چادر تن گئی۔
ابھی تیزی سے گزرتے دنوں میں زارا پھپھو نے عدن کے لئے تحریم کا ہاتھ مانگ لیا، دادی بہت خوش تھیں ان کی چہیتی پوتی ان کی آنکھوں کے سامنے رہتی ابو اور امی کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا عدن گھر کا دیکھا بھالا ایجوکیٹڈ اور سلجھا ہوا لڑکا تھا اس رشتے کے لئے کسی کو بھی چھان بین کی ضرورت نہ تھی، گھر میں سب بہت خوش تھے خصوصاً منیرہ بھابھی، انہیں تحریم بطور نند اور بھابھی بہت پیاری تھی، تحریم نے سنا تو اس نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا۔
"مجھے ابھی پڑھنا ہے میں ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں۔" منیرہ نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے بہانہ بنا دیا۔
"تم پڑھتی رہنا، تمہیں عدن منع تھوڑی کرے گا۔" منیرہ نے اس کے بچگانہ انکار کو چٹکیوں میں اڑا دیا، تحریم کا غم کم ہونے کا نام نہ لے رہا تھا، سب اپنی خوشی میں مست اس کا دکھ محسوس ہی نہ کر پا رہے تھے، ابھی صرف بات زبانی طے پائی تھی، منگنی کی باقاعدہ رسم عدن کے جاب کرنے پر ہونا تھی۔
"تحریم ابھی تو تمہاری منگنی میں چند ... ہیں اور تم یوں رو رہی ہو جیسے کل رخصتی ہے۔" منیرہ نے شگفتگی سے اسے چھیڑا۔
"نہیں کرنا ہے مجھے عدن سے شادی۔" اس نے روتے ہوئے غصے سے اپنے ہاتھ جھٹکے منیرہ ہکا بکا سا ساکت رہ گئی۔
"تحریم تمہیں عدن سے شادی پر اعتراض کیوں ہے۔" دادی امی نے سوال کیا، منیرہ حسب معمول رات کو سب کو دودھ دیا تو دادی نے اسے تحریم کے کمرے میں جانے سے روک دیا، وہ خود اس کے لئے دودھ لے کر اس کے پاس گئیں تحریم اوندھے منہ بیڈ پر لیٹی تھی وہ اس کے پاس بیٹھ گئیں اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر اس کے بال شفقت سے سہلاتے ہوئے استفسار کرنے لگیں۔
"دادی! میں ارہم سے شادی کروں گی، آپ میرا ساتھ دیں گی نا۔" اسے امید کی کوئی کرن نظر آئی وہ آنکھوں میں آس و امید کی لگن لئے اٹھ بیٹھی، دادی کے لئے اس کا جواب غیر متوقع تھا وہ چند لمحے کچھ نہ بول پائیں، یہ سب اتنا آسان نہ تھا تحریم نے انہیں عجب کشمکش میں مبتلا کر کے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔
"دادی پلیز میں مر جاؤں گی ارہم کے بغیر۔" وہ ان کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے تھامے بلک بلک کر رو دی تھی، ان کا نرم دل موم پگھلنے لگے، وہ اس کے آنسو نہ برداشت کر سکتی تھیں۔
"تحریم! تم کیا کہہ رہی ہو۔" ان کے لئے اس کی فرمائش پوری کرنا بھی مشکل تھا، وہ عجب دوراہے پر تھیں، ان کے لبوں سے لفظ کپکپائے گئے۔

"دادی پلیز!" تحریم کے آنسو تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے، وہ تو اسے سمجھانے آئی تھیں، انہیں خبر نہ تھی کہ وہ انہیں کشمکش میں ڈال دے گی، دادی نے اپنا سر پکڑ لیا۔

☆☆☆

اسے کمرے میں گھٹن محسوس ہوئی تو وہ ٹیرس پر تازہ ہوا کے لئے آ گیا، تازہ ہوا بھی اس کے اندر کی گھٹن کم نہ کر سکی، وہ ریلنگ پر جھک کر باہر جھانکنے لگا، گلی میں پھل فروش آوازیں لگا رہا تھا، وہ اکتا کر آس پاس کی ٹیرس پر جھانکنے لگا، تحریم چھت پر پرندوں کو دانہ ڈال رہی تھیں، اسے پالتو پرندے پالنے کا بہت شوق تھا، وہ دبے پاؤں دوسری طرف کود گیا، وہ پرندوں کو دانہ ڈالنے کے بعد انہیں پانی دے رہی تھی، وہ عدن کے قدموں کی آہٹ نہ سن پائی تھی۔
"تحریم!" وہ آواز پر خوفزدہ ہو کر پلٹی، عدن پر نظر پڑتے ہی اس نے اطمینان بھری طویل سانس کھینچی۔
"تم ٹیرس سے کیوں کود کر آئے ہو۔" اس کا خوف کم ہوا تو وہ اس پر چڑھ دوڑی، عدن اس کے غصے پر بوکھلا گیا۔
"تحریم تم نے شادی سے انکار کیوں کیا ہے۔" وہ اس سوال کا جواب سوچ سوچ کر تھک چکا تھا، ان دونوں کے درمیان رفتہ رفتہ بے تکلفی بڑھنے لگی تھی اسی لئے اس نے امی کے تحریم کے متعلق استفسار پر فوراً ہاں کر دی تھی، اس کی تو دلی مراد بر آئی تھی، مگر اس کے انکار نے اسے دھچکا دیا تھا، وہ جواب نہ ملنے پر اس کے روبرو تھا۔
"عدن مجھے تم سے شادی نہیں کرنی ہے۔" اس نے عدن کی اداس آنکھوں میں جھانکا، اس کی آنکھوں کی چمک معدوم ہو کر بجھنے کی لالی میں ڈھل گئی تھی۔
"مجھے وجہ سننا ہے تحریم۔" وہ بے تابی سے اصل سوال پوچھنے لگا، وہ خوبرو اکلوتا اور اپنے والد کی تمام پراپرٹی کا مالک تھا، اس کی شخصیت میں کوئی کمی نہ تھی۔
"تم مجھ سے کیوں شادی کرنا چاہتے ہو۔" اس نے الٹا سوال داغ دیا۔
"میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں تحریم۔" وہ رو دینے کو تھا۔
"میں بھی کسی سے بہت محبت کرتی ہوں عدن۔" اسے عدن کے دکھ پر رنج ہوا تھا وہ اپنی ذات سے کسی کو دکھ دینے کا سوچ بھی نہ سکتی تھی۔
"کس سے۔" عدن کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی سی چبھن تھی، اس نے نوعمری سے تحریم کو چاہا تھا، اس نے خود کو اسی کی خاطر بدلا تھا۔
"پلیز عدن مجھے مجبور مت کرو، میں تمہیں وقت آنے پر اس کا نام بتا دوں گی۔" اس نے بے بسی سے کہتے ہوئے پنجرے کا دروازہ بند کر دیا، طوطے اور فاختہ شور کرنے لگے، وہ دانستہ رخ موڑے بیٹھی رہی۔
"تم مجھے وقت آنے پر اس کا نام بتا دو گی یا مجھے وقت آنے پر خود سب کچھ علم ہو جائے گا۔" عدن نے لب بھینچ کر سوچا ضرور لیکن اس سے کہہ نہ سکا، وہ چند ثانیے اس کی پشت کو گھورتا رہا، پھر آہستگی سے واپس پلٹ گیا، اس کا اٹھتا ہر قدم تحریم کے نازک دل پر بھاری تھا، اس نے تاسف سے پلٹ کر شکستہ قدموں سے جاتے عدن کو دیکھا، اس کی آنکھ سے اک آنسو ٹپک پڑا، وہ خود محبت کی ماری تھی، بھلا اس کا دکھ کیسے نہ سمجھتی۔

☆☆☆

وہ ریوالونگ چیئر پر بیٹھا فائل سامنے کھولے آفس ورک میں انہماک سے مگن تھا کہ

اس کے موبائل کی بپ بجی، اسے لنچ بریک تک فائل میں موجود تمام ڈاکومنٹس چیک کر کے فائل تیمور کو دینا تھی، لنچ بریک کے بعد ہونے والی میٹنگ میں انہی ڈاکومنٹس پر بحث ہونا تھی، تیمور کا بزنس دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہا تھا۔

"ہیلو۔" اس نے معروف انداز میں موبائل اوکے کر کے کان سے لگالیا۔

"السلام علیکم! بندہ کبھی فون ہی کر لیتا ہے۔" فاطمہ نے سلام کرتے ہی گلہ کیا، ارہم اپنی بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے اسے کئی روز سے فون نہ کر سکا تھا۔

"وعلیکم السلام! ویسے میں تمہیں فون کرنے کا سوچ ہی رہا تھا۔" ارہم نے بھی اسی کے انداز میں جواباً سلامتی بھیجتے ہوئے اس کا گلہ دور کرنا چاہا۔

"تم صرف سوچتے رہ جانا، کرنا کچھ نہیں۔" فاطمہ نے سنجیدگی بھری خفگی سے اسے لتاڑا۔

"کیا مطلب؟" ارہم نے فائل بند کر کے توجہ فاطمہ کی طرف کر لی، وہ اس سے خفا تھی اور اس کی خفگی سہنا ارہم کے لئے آسان نہ تھا۔

"ارہم کیا تم نے اپنے گھر میں میرا ذکر کیا ہے۔" فاطمہ نے اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد اصل مقصد کا ذکر کیا۔

"تمہیں بہت جلدی ہے شادی کی۔" ارہم نے شگفتگی سے اسے چھیڑتے ہوئے چیئر کی بیک سے کمر نکالی۔

"میری جان پر بنی ہے اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔" فاطمہ اس کے مذاق پر چڑ کر روٹھی ہوئی۔

"فاطمہ! آر یو اوکے۔" ارہم کے متبسم لب سکڑ گئے۔

"میں نے آج پھر خواب میں تمہاری شادی دیکھی ہے۔" فاطمہ کے آنسو ہزار ضبط کے باوجود گالوں پر لڑھک گئے۔

"تم نے غور سے دیکھنا تھا دلہن تم ہی تو تھیں۔" ارہم نے غیر سنجیدگی سے اسے چھیڑا۔

"ارہم میں بہت سیریس ہوں، تم آج ہی اپنے گھر والوں سے میرا ذکر کرو۔" فاطمہ دانت پیستے ہوئے لفظ لفظ پر زور دے کر بولی۔

"واٹ آج ہی۔" فاطمہ کے لہجے کی گمبھیر سنجیدگی نے ارہم کو بھی سنجیدہ کر دیا۔

"ہاں آج ہی۔" فاطمہ نے پھر خواب میں اسے کسی اور کا ہوتے دیکھا تھا وہ بہت سہم گئی تھی کسی انہونی کا احساس اس کا دل ہمہ وقت دھڑکائے رکھتا تھا، وہ ارہم کے بغیر جینے کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی، وہ اپنے خواب سے سخت خوفزدہ ہو کر ارہم کو رشتے کی بات چھیڑنے پر فورس کر رہی تھی۔

"اوکے، مگر مجھے صرف ایک ہفتے کی مہلت دے دو، میں اپنے گھر والوں کو لے آؤں گا۔" ارہم کو اسی سے شادی کرنا تھی پھر وہ اسے خواہ مخواہ پریشان کیوں کرتا، اس نے آفس کی مصروفیات کی وجہ سے ہفتہ کی مہلت مانگی تھی۔

تیمور بھیا نے ایک مشہور کمپنی سے چند کنٹریکٹ سائن کیے تھے، انہیں کل تین چار روز کے لئے اسلام آباد جانا تھا، اسے ان کی غیر موجودگی میں آفس سنبھالنا تھا۔

"ارہم پلیز، ذرا جلدی۔" فاطمہ کو کسی طور قرار نہ آ رہا تھا اس کا بس نہ چل رہا تھا وہ کوئی جادوئی چھڑی سے اسے فوراً اپنا بنا لیتی۔

"بری بات، مشرقی لڑکیاں اپنی جلد شادی کی بات کرتی اچھی نہیں لگتی ہیں۔" ارہم نے فاطمہ کو محبت بھری شوخی سے چھیڑا، اس کے لبوں پر دھیمی مسکان بکھر گئی، اس کے بے تاب دل کو چین آنے لگا۔

"اور کوئی نئی تازی۔" فاطمہ نے مطمئن ہو کر گفتگو کا موضوع بدل ڈالا، پھر ارہم کو باتوں میں وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا، اس نے فون بند کیا تو لنچ بریک میں ڈیڑھ گھنٹہ تھا، اس نے فوراً فائل اپنے سامنے کھول لی۔

وہ آفس سے آ کر فریش ہو کر نکلا تو موبائل بپ بجنے لگی وہ تولیے سے بال رگڑتا رک گیا۔

"سر آفندی کالنگ۔" سکرین پر جگمگاتے حروف نے اسے چونکا دیا۔

"ہیلو۔" اس نے دھڑکتے دل سے موبائل آن کر کے کان سے لگالیا۔

"برخوردار، کیا ہو رہا ہے آج کل۔" سر آفندی نے سلام دعا کے بعد اپنے مخصوص مشفق لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"کچھ خاص نہیں، سر ابھی تو رزلٹ کا انتظار ہے۔" اس نے آفس کا ذکر گول کر کے انہیں ٹالا تھا۔

"تو پھر کل سے یونیورسٹی آ جاؤ۔" انہوں نے اسے آفر کی۔

"کیا سر، ابھی تو، میرا مطلب ہے کہ میرا رزلٹ۔" مارے خوشی کے ارہم کے منہ سے بے ربط الفاظ نکلنے لگے۔

"تم مطلب..... مطلب چھوڑو اور کل سے یونیورسٹی آ جاؤ۔" سر آفندی کا تقرر بطور ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ہو چکا تھا، وہ ڈیپارٹمنٹ میں دو نئے ٹیچرز رکھنا چاہتے تھے، ان کی ارہم پر نظر تھی۔

"تھینک یو سر، تھینک یو سو مچ۔" ارہم کی آواز ممنونیت سے اور لہجہ خوشی سے لبریز تھا۔

"تم مجھے شرمندہ کر رہے ہو برخوردار، تم جیسے محنتی اور ذہین ٹیچر کی مجھے تلاش تھی۔" سر آفندی نے شگفتگی سے اسے ٹوکا۔

"کل کیا دن ہے ارہم۔" سر آفندی نے خیال آنے پر پوچھا۔

"کل جمعرات ہے سر۔" ارہم نے جواب دیا۔

"تم منڈے سے آ جاؤ، تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا۔" سر آفندی نے حتمی لائحہ عمل ترتیب دے دیا۔

"نہیں نہیں سر۔" کل تیمور کی واپسی تھی، وہ نیکسٹ ویک سے فری ہو کر یونیورسٹی جوائن کر سکتا تھا۔

"تم فی الحال اعزازی لیکچر دو گے، سر امتیاز شاہ اگلے ماہ ریٹائرڈ ہو رہے ہیں پھر تم ان کی جگہ لے لو گے۔" سر آفندی نے اسے خوشخبری سنائی۔

"سر میں منڈے کو ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔" ارہم نے فون بند کرنے سے قبل انہیں یقین دلایا تھا۔

☆☆☆

"امی مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔" سارا ناشتہ سے فارغ ہو کر کچن سمیٹ کر سبزی کاٹنے کے لئے بیٹھی ہی تھیں کہ ارہم نے انہیں گھیر لیا، انہوں نے تخت پر رکھی سبزی کی ٹرے کھسکا کر اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی اور مسکراتی نگاہیں اس پر جما دیں۔

"امی سر آفندی کا کل فون آیا تھا انہوں نے مجھے جاب آفر کی ہے۔" ارہم نے اصل گفتگو سے قبل تمہید باندھی۔

"اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" سارا نے آسمان کی طرف تشکر بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے محبت سے بیٹے کا ماتھا چوم لیا۔

"امی!" سارا اسے خود سے لپٹائے ہوئے تھیں کہ ارہم نے ان سے لپٹے لپٹے نظریں اٹھائیں، اسے ان سے بات کرتے جھجک آ رہی تھی۔

"ہوں۔" انہوں نے اس کا چہرہ لاڈ سے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا، ان کے چہرے پر بڑی ممتا بھری محبت نے اس کی جھجک ختم کر دی۔
"امی......وہ میں......"
"السلام علیکم ایوری باڈی۔" ارہم کے الفاظ منہ میں ہی تھے کہ عدن چلا آیا، دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔
"وعلیکم السلام! آ گئی تمہیں بھی خالہ کی یاد۔" سارہ نے اپنے سامنے سر جھکائے عدن کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرتے ہوئے، ماتھا چوم کر گلہ کیا، اس کا ادھر کئی روز بعد چکر لگا تھا، سارہ کا شکوہ بجا تھا عدن ارہم سے مصافحے کے بعد تخت پر ٹک گیا۔
"خالہ! آج کل دن چھوٹے ہیں یونیورسٹی سے واپسی شام ہو جاتی ہے۔" عدن نے سر ندامت سے کھجاتے ہوئے جواز گھڑا، ارہم ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا، عدن سارا سے باتوں میں مشغول ہو چکا تھا۔
"خالہ! آپ کو شام کو نانی نے بلوایا ہے۔" عدن نے وقت رخصت انہیں پیغام دیا وہ زارا کی خصوصی ہدایت پر پیغام لے کر آیا تھا۔
"میں چلی جاؤں گی۔" اماں نے بھی بطور خاص یوں پیغام بھجوا کر نہ بلوایا تھا، وہ اسی پہلو پر سوچنے لگی پھر سر جھٹک کر سبزی کاٹنے لگیں، ارہم فون پر کسی دوست سے گفتگو میں مصروف تھا۔

☆☆☆

"صغراں! مجھے ذرا زیرہ اور سوکھا دھنیا کچن سے لا دو۔" موسم کافی دنوں بعد نکھر آیا تھا، سورج نے بھی دھند کی چادر اتار دی تھی، کئی روز بعد چمکیلی دھوپ نکلی تو دادی دھوپ سینکنے لان میں آ بیٹھیں، گھر میں مصالحے ختم تھے وہ تمام مصالحے دھو کر سکھا کر ڈبوں میں محفوظ رکھتی تھیں، انہیں کھلی دھوپ دیکھ کر زیرہ اور سوکھا دھنیا دھونے کا خیال آیا تو ملازمہ کو با آواز بلند پکارا۔
"یہ لیں بی بی جی۔" وہ انہیں دونوں ڈبے تھما کر چلی گئی دادی اپنے کام میں مشغول ہو گئیں، انہوں نے مصالحے دھونے کے بعد گھاس پر ململ کا بڑا دوپٹہ پھیلا کر اس پر الگ الگ مصالحے سوکھنے کے لئے بکھیر دیئے، وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر دھوپ سینکنے کے لئے گھاس پر بیٹھ گئیں۔
"تحریم!" ان کا رخ تحریم کے کمرے کی طرف تھا، تحریم لان میں کھلتی کھڑکی میں کھڑی انہیں نہایت دلچسپی مگر اداس آنکھوں سے دیکھ رہی تھی انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے پاس بلوایا، وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔
"تحریم تیل لاؤ میں تمہارے سر کی مالش کر دوں۔" دادی سے لاڈلی پوتی کی اداسی برداشت نہ ہوئی تو انہوں نے اسے چھیڑا، وہ تیل کی مالش سے چڑتی تھی اور مالش کے خلاف اچھا خاصا لیکچر دے ڈالتی تھی۔
"جی دادی۔" وہ تابعداری سے سر ہلا کر بنا احتجاج کیے اٹھ گئی تو دادی حیرت کی انتہا نہ رہی، ان کے دل کو کچھ ہوا، انہیں تحریم کے چہرے کی کھوئی مسکراہٹ ہر صورت اور ہر قیمت پر واپس لانا تھی، وہ فیصلہ تو کر چکی تھیں صرف عمل درآمد باقی تھا، ان کی تاسف بھری افسردہ نگاہوں نے دور تک تحریم کے مضمحل و شکستہ قدموں کا پیچھا کیا تھا۔
گول ہال نما کمرے میں موجود پانچ افراد کے درمیان کافی دیر سے گفت و شنید جاری تھی، دادی اور امی ابو کی موجودگی میں اندر کسی اور کے جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، جوں جوں وقت گزر رہا تھا تحریم کو بے چینی ہو رہی تھی شاید وہ اتنی

دلچسپی اس معاملے میں نہ لیتی اگر دونوں پھپھو درمیان میں نہ ہوتیں، ان کی موجودگی بلا جواز نہ تھی، تحریم کی بے چینی اور دل کی دھڑکن لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی تھی اسے پورا یقین تھا کہ اندر اسی کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا ہے مگر کون سا فیصلہ......وہ انجان تھی۔
اس کی بے قراری بڑھی تو وہ گول کمرے کی پچھلی طرف راہداری میں چلی آئی اندر مکمل سناٹا تھا، تحریم کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی، اسے اپنا دل کانوں میں دھڑکتا محسوس ہوا، مارے گھبراہٹ کے اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ چکی تھیں۔
"زارا تم بولو کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے۔"
وہ کسی کے اچانک آ جانے کے خدشے سے دبے پاؤں واپسی ہوئی تو اس کے کانوں سے دادی کی آواز ٹکرائی، اس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لئے۔
"زارا پھپھو۔" اس کے لب ہولے سے سرسرائے، وہ سراسیمہ سی دیوار سے چپک گئی۔
"نہیں اماں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، تحریم مجھے منیرہ جیسی عزیز ہے۔" زارا پھپھو کی بوجھل سی آواز ابھری، تحریم کی سراسیمگی بڑھ گئی، اس نے اذیت سے آنکھیں بند کر لیں، آنکھوں کی سطح نم ہونے لگی، آنسو تو جیسے بہنے کا بہانہ ڈھونڈتے رہتے تھے۔
"اور مجھے یقین ہے کہ ظہیر کو بھی بھانجی کی خوشیاں عزیز ہوں گی۔" دادی اماں نے نرم دھیمی سرگوشی نما لہجے میں اپنے یقین کا اظہار کیا۔
"اماں انہیں بیٹے کی خوشیاں بھی عزیز ہیں۔" زارا محض سوچ کر رہ گئیں۔
"سارا آج سے میری تحریم تمہاری ہوئی، تم اس کی خوشیوں کا خیال رکھنا، میں نے اسے ماں بن کر پالا ہے۔" دادی اب سارا پھپھو سے مخاطب تھیں، باہر کھڑی تحریم نے بے یقینی سے پٹ سے آنکھیں کھول دیں، وہ یہ کیا سن رہی تھی، کوئی بے یقینی سی بے یقینی تھی، کیف آگیں سرور اسے تہہ در تہہ خود میں اترتا محسوس ہوا، اس کے آنسوؤں میں شدت آ گئی، لیکن اب آنسوؤں میں فرق تھا، پہلے دکھ و اذیت کے آنسو تھے اور اب مسرت و انبساط کے۔
"جی اماں۔" سارا نے انہیں دلایا، تحریم کی پیدائش کے ایک ماہ بعد عائشہ کو ٹائیفائیڈ ہو گیا تھا ایسے میں دادی نے تحریم کو سنبھالا تھا، تحریم دادی سے ماں کی نسبت زیادہ اٹیچ تھی، اسی لئے اس نے اپنا حال دل ماں کی بجائے دادی کو سنایا تھا اور انہوں نے سبھاؤ سے دونوں بیٹیوں کے دل میلے ہونے بچا کر تحریم کو اس کی خوشیاں دلائی تھیں۔
"فاروق بیٹا! تم کچھ نہ کہو گے۔" اماں نے بیٹیوں سے مطمئن ہو کر بیٹے کو بولنے پر اکسایا، وہ اور عائشہ کافی دیر سے چپ تھے۔
"اماں آپ بڑی ہیں جو فیصلہ کریں گی ہمیں منظور ہوگا۔" فاروق نے تابعداری سے ان کا مان بڑھایا۔
"عائشہ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔" اماں نے بہو سے بھی رائے مانگی۔
"نہیں اماں۔" عائشہ نے مختصر جواب دیا، وہ ماں تھیں اور ماں اولاد کے سارے راز جان لیتی ہے وہ جان چکی تھیں کہ اماں کے اس فیصلے کے پیچھے تحریم کی پسند بھی شامل ہے، ان کے دل میں اماں کی محبت مزید بڑھ گئی تھی جنہوں نے کہیں بھی تحریم کا نام نہ آنے دیا تھا، اماں نے اطمینان سے کمر گاؤ تکیے پہ ٹکا لی کمرے میں دوبارہ گمبھیر سکوت تھا، تحریم کا وہاں مزید رکنا بے کار تھا، وہ خوشی سے سرشار پلٹ گئی۔

☆☆☆

"سارا تم صحیح طرح کھانا کیوں نہیں کھا رہی ہو۔" وہ سوچوں میں گم ڈائننگ ٹیبل پر کھانا ٹھونگ رہی تھیں کہ طاہر صاحب انہیں ٹوکے بنا نہ رہ سکے، انہوں نے چونک کر ٹیبل کے دائیں طرف بیٹھے ارہم کو دیکھا، وہ بظاہر ڈنر کر رہا تھا، مگر اس کا سارا دھیان انہی کی طرف تھا، انہوں نے پلیٹ پرے کھسکا دی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" طاہر کی پریشانی بڑھ گئی۔

"میں آج اماں کی طرف گئی تھی۔" سارا کو کبھی تو طاہر سے بات کرنا تھی تو پھر ارہم کے سامنے ہی سہی، وہ چاہتی تھیں کہ ارہم کو بھی علم ہو جائے انہوں نے ارہم کو کئی بار فون پر کسی سے دھیمی آواز میں بات کرتے سنا تھا وہ اس سے اس موضوع پر بات کرنا چاہتی تھیں مگر نوبت ہی نہ آ سکی اور اماں نے تحریم کا رشتہ ڈال دیا۔

"پھر۔" طاہر نے اچنبھے سے بھنوئیں اچکائیں، ارہم کا دھیان انہی پر تھا۔

"انہوں نے ارہم اور تحریم کا رشتہ طے کر دیا ہے۔" سارا نے جیسے دھماکا کر دیا، ارہم کے ہاتھ میں چمچہ لرز کر رہ گیا۔

"تو اس میں پریشانی والی کیا بات ہے۔" طاہر نے بے ساختہ خوشی کا اظہار اچنبھے سے کیا سارا کو دھڑکا طاہر سے نہیں ارہم سے تھا، ان کا شک درست نکلا تھا ارہم جیسے اپنی جگہ پر دکھ سے جم کر رہ گیا تھا، اس کا اداس و پریشان چہرہ پر سب کچھ عیاں تھا، وہ ماں تھیں انہوں نے انجانے میں اس سے زیادتی کر دی تھی، انہیں اماں سے بات کرتے وقت بھی فون کا خیال آیا تھا مگر انہوں نے اپنا وہم سمجھ کر ٹالتے ہوئے اماں کو ہاں کر دی تھی، لیکن وہ سب ان کا وہم نہ تھا۔

"امی آپ کو مجھ سے کم از کم پوچھ تو لینا چاہیے تھا۔" ارہم کی متفکر و غصیلی آواز نے سارا اور طاہر کو کچھ غلط ہو جانے کا احساس دلایا۔

"بیٹا! تحریم بہت اچھی اور دیکھی بھالی لڑکی ہے۔" طاہر نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا، ارہم کو رہ رہ کر تحریم پر تاؤ آ رہا تھا، وہ نانی کی لاڈلی تھی اسے پورا یقین تھا کہ اسی نے انہوں کے سامنے اس کا نام لیا ہوگا، ورنہ ممانی کو عدن بھی عزیز تھا، اس نے عدن اور تحریم کے رشتے کی بات سنی تو وہ اس کی طرف سے بے فکر ہو گیا تھا۔

"ابو! مجھے تحریم سے نہیں شادی کرنا۔" ارہم نے جھنجھلا کر دھیمی آواز میں احتجاج کرتے ہوئے میز پر ہاتھ مارا۔

"کیا تم کسی اور کو پسند کرتے ہو۔" طاہر نے اسے کھوجتی نظروں سے گھورا، اس نے خاموشی سے لب بھینچ کر غصہ کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔

"جی ابو، امی میں اسے بالکل خوش نہ رکھ سکوں گا۔" ارہم نے طاہر کو مخاطب کر کے سارا کے سامنے دوزانو بیٹھتے ہوئے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیئے، اس کی آنکھوں کی تڑپ بھری التجا نے انہیں پشیمان سا کر دیا۔

"بیٹا! تم نے پہلے تو کبھی ذکر نہ کیا تھا۔" وہ ان کی اکلوتی اولاد تھا، انہیں اس کی خوشیاں بے حد عزیز تھیں۔

"امی پہلے کبھی یہ نوبت بھی تو نہ آئی تھی۔" مجھے کو مناسب وقت کا انتظار تھا مگر اچانک سب کچھ طے پا گیا تھا۔

طاہر بھی پریشان ہو گئے تھے، انہوں نے ساری عمر ارہم کی خوشیوں کا خیال رکھا، اب اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی کی باری آئی تو وہ اتنے مجبور و بے بس تھے کہ وہ چاہ کر بھی اس کے

لیے کچھ نہ کر سکے سارہ زبان دے چکی تھیں اور وہ خود بھی ساری عمر اصولوں کی پاسداری کرتے رہے تھے، انہیں کسی طور گوارا نہ تھا کہ زبان دے کر کرا جائے سارا الگ الجھن میں تھیں وہ زبان رکھتیں تو بیٹا خفا ہوتا اور اگر وہ انکار کرتیں تو بھائی خفا ہو جاتا، وہ فاروق کی ہٹیلی طبیعت سے واقف تھیں وہ ان سے تعلقات ختم کرنے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہ کرتے۔

"یہ آپ لوگوں نے میرے ساتھ کیا کر دیا۔" ارہم نے احساس بے بسی سے بال دونوں مٹھیوں میں جکڑ لئے، سارا جسے اپنا وہم سمجھ کر جھٹلا چکی تھیں وہ بدترین حقیقت بن کر سامنے تھا، ان سے ارہم کی بکھری و ٹوٹی پھوٹی شکستہ حالت نہ دیکھی جا رہی تھی، انہوں نے طاہر کو نگاہوں سے اسے سمجھانے کا اشارہ کیا۔

"بیٹا! قدرت کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے، ہو سکتا ہے تحریم تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہو جبھی تمہیں اپنی ماں سے بات کرنے کا موقع نہ مل پایا۔" طاہر نے محبت بھری رسانیت سے اس کے بکھرے سمیٹتے ہوئے اس کے کندھوں کے گرد بازو پھیلائے، ارہم نے تڑپ کر انہیں دیکھا، اس کی آنکھوں میں چھپی شکستگی اور تڑپ نے انہیں نظریں چرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆☆☆

"یار ارہم، آرٹ کونسل میں بک فاؤنڈیشن کی جانب سے بکس کی نمائش لگائی گئی ہے، تم تیار رہو میں تمہیں لینے آ رہا ہوں۔" وہ کلاس اٹینڈ کر کے کلاس روم سے نکلا تو عدن کا میسج آ گیا، بک فاؤنڈیشن آنے اور جانے میں اس کا اگلا لیکچر مس ہو جانا تھا۔

"سوری میرا موڈ نہیں ہے۔" وہ اپنا لیکچر مس نہ کرنا چاہتا تھا، اس نے عدن کو Reply کر دیا۔

"تیار ہو جا فوراً، تیرے موڈ کی ایسی کی تیسی۔" وہ اپنے آفس میں لیپ ٹاپ آن کر کے بیٹھا کہ عدن کا دھمکی بھرا میسج موصول ہوا، ان دونوں میں مشترک کتاب دوستی تھی، دونوں کو اچھی بکس پڑھنے کا جنون تھا، عدن اسے لئے بغیر ٹلنے والا نہ تھا سو اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا، اگلے پانچ منٹ بعد عدن کی مس کال آئی، وہ پہنچ چکا تھا۔

"ارہم بہت شاندار بکس کی نمائش لگی ہے۔" ارہم نے فرنٹ سیٹ سنبھالی تو عدن نے گاڑی سٹارٹ کر دی، اس نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا۔

☆☆☆

"فاطمہ، تم میرے ساتھ آرٹ کونسل چلو گی، بکس کی نمائش لگی ہے۔" بھابھی شاپنگ کے لئے فاطمہ کو ساتھ لے جانا چاہتی تھیں، جبکہ فاطمہ شاپنگ کے نام پر گھنٹوں کی خواری سے کوسوں دور بھاگتی تھی، آرٹ کونسل میں بکس کی نمائش تھی اور راستے میں ہی مین مارکیٹ تھی، فاطمہ کتابوں کی دلدادہ تھی، انہوں نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا سوچا۔

"ٹھیک ہے میں فریش ہو کر آتی ہوں۔" وہ ٹی وی پر اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھ رہی تھی مگر بھابھی کی شاندار آفر نہ ٹھکرا سکی، ان کا تیر نشانے پر لگا تھا، بھابھی مسکراہٹ دباتی اٹھ گئیں۔

الجھتا چھوڑ گیا وہ مجھے سوالوں میں
وہ اک شخص جو اپنا تھا شہر والوں میں
تمام سوچیں اسی کی غلام لگتی ہیں
یہ آخر کون بس گیا ہے میرے خیالوں میں
اگرچہ مجھ سے تعلق نہیں رہا ہے لیکن
وہ نام لیتا ہے اب بھی میرا حوالوں میں

اور بات کہ گمنام ہو گئے ہیں لیکن
تبھی ہمارا بھی ذکر تھا اس کی مثالوں میں

وہ دونوں شاپنگ سے فارغ ہو کر آرٹ کونسل پہنچیں تو فاطمہ کا موڈ بری طرح آف تھا، اسے بھابھی کی دوہری پالیسی اور اپنے آسانی سے بے وقوف بن جانے کا قلق کھائے جا رہا تھا، وہ پھولے منہ سے بھابھی کے ساتھ اردو فکشن کی طرف بڑھ گئی، اسے اپنی پسند کے کئی ناول اور شعری مجموعے مل گئے چونکہ پرائس کافی زیادہ تھیں سو اس نے دو کتب خریدنے پر اکتفا کیا، وہ وصی شاہ کا شعری مجموعہ دیکھ رہی تھی کہ اک مخصوص خوشبو نے اس کا احاطہ کیا، وہ اس خوشبو کو لمحے کے ہزارویں حصے میں پہچان کر مڑی، ارہم سامنے سے کسی وجیہہ نوجوان کے ساتھ ادھر ہی آ رہا تھا، وہ دانستہ نسبتاً رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''عدن کیا تمہیں تحریم سے شادی پر کوئی اعتراض ہے۔'' ارہم نے فاطمہ کے قریب سے گزرتے ہوئے عدن سے پوچھا، اس کے لہجے میں چھپی تشویش فاطمہ کو متفکر کر گئی۔

''اعتراض، مجھے نہیں اسے ہے۔'' عدن نے اگلے ڈیسک پر رکھی بکس میں سے ایک اٹھا کر کھول لی، ارہم کی دلچسپی بکس سے زیادہ عدن کے جواب میں تھی۔

''اسے کیوں اعتراض ہے۔'' ارہم نے بھی ''پیار کا پہلا شہر'' کا نیو ایڈیشن اٹھا لیا، اسے ناول کے نام نے بے حد اٹریکٹ کیا تھا۔

''بھائی مستنصر حسین تارڑ کا یہ ناول بہترین ہے۔'' عدن نے اس کا سوال گول کر دیا، وہ غالباً اس ٹاپک سے بچنا چاہتا تھا، نارسائی اور ناپسندیدہ ہونے کا احساس اسے اذیت سے دوچار کر گیا تھا، انسان کو ناپسندیدہ ہونے کا احساس ایسا دکھ دیتا ہے جو رفتہ رفتہ رگوں کو چیر ڈالتا ہے، اس نے تحریم کو بے حد چاہا تھا اور تحریم...... تحریم نے اسے ٹھکرا کر اس کا سارا مان واعتماد کرچی کرچی کر ڈالا تھا۔

''عدن مجھے میرے سوال کا جواب دو۔'' ارہم نے جانے اس سے کیا سننا چاہتا تھا اگر وہ اس کے انکار کی وجہ جانتا تھا۔

''ارہم بھائی آپ خواہ مخواہ تحریم پر شک نہ کریں، وہ سلجھی ہوئی اچھی لڑکی ہے اور آپ دونوں کی جوڑی خوب جچے گی۔'' عدن نے ارہم کو جیسے سمجھاتے ہوئے تسلی دی، فاطمہ کے حواسوں پر بجلی گری۔

''دونوں کی جوڑی۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی، اس کے ہاتھوں میں موجود بک کپکپا گئی، وہ دھماکوں کی زد پہ تھی، آنکھوں کی بڑھتی نمی میں ان دونوں کے عکس دھندلا گئے، بھابھی عمیرہ احمد کا کوئی ناول ڈھونڈ رہی تھیں، وہ دونوں باتوں میں مگن آگے بڑھ گئے۔

دفعتاً ارہم کے موبائل پر بپ ہوئی، اس نے موبائل جیب سے نکال کر دیکھا تو فاطمہ کی کال تھی، اس نے لب بھینچ کر موبائل مٹھی میں دبا لیا۔

''عدن تم رکو میں ذرا کال اٹینڈ کر کے آتا ہوں۔'' عدن اسی کا منتظر تھا وہ اس سے بہانہ بناتے ہوئے نسبتاً پرسکون گوشے میں آ گیا۔

''تم شادی کر رہے ہو اور مجھے کہتے تھے کہ میرے خواب جھوٹے ہیں۔'' اس نے کال ریسیو کر کے موبائل کان سے جونہی لگایا، فاطمہ کی رندھی آواز اس کے ہوش اڑا گئی، بھابھی ناول کی تلاش میں کونسل کی بالائی منزل پر گئیں تو فاطمہ نے ساتھ جانے سے انکار کر کے وہیں انتظار کرنے کا عندیہ دیا، فاطمہ نے ان کے جاتے ہی ارہم کا نمبر ملایا تھا، اس کی عمر بھر کی خوشیاں داؤ پر لگی

تھیں، وہ بے چین و بے سکون تھی، اسی لئے اس نے فوراً ارہم سے بات کرنے کی ٹھان لی تھی۔

''فاطمہ!'' ارہم گھبرا گیا تھا، اسے فاطمہ کے آنسوؤں نے پریشان کر دیا، نجانے اس کو کیسے خبر ہو گئی تھی۔

''فاطمہ، میں خود تم سے بات کرنا چاہتا تھا۔'' ارہم نے بوکھلا کر جلدی سے صفائی دینا چاہی تھی، وہ اس کی بدگمانی نہ سہہ سکتا تھا۔

''کیا تم شادی کر رہے ہو ارہم۔'' فاطمہ نے اس کی بات کاٹ کر بے تابی سے سوال کیا، ارہم لحہ بھر کو چپ رہ گیا، اس کی خاموشی فاطمہ کی روح میں کانٹوں کی مانند اتر گئی۔

''وہ کون ہے ارہم۔'' فاطمہ کو اس کے کہے بنا جواب مل گیا تھا، اس نے خود کو مضبوط کرتے ہوئے سیڑھیوں پر نظر ڈالتے ہوئے ہاتھ کی پشت سے گالوں پر پھسلتے آنسو پونچھے، مبادا بھابھی اسے روتا دیکھ کر کوئی فسانہ بنا ڈالیں۔

''فاطمہ میں تمہیں رات کو کال کر کے خود سب کچھ بتاؤں گا، پلیز میری کال کا انتظار کرنا۔'' عدن ارہم کو ڈھونڈتا ہوا آ رہا تھا، ارہم نے عجلت کہتے ہوئے کال کاٹ دی، فاطمہ کی نظریں ارہم پر ہی تھیں، اسے ارہم کی عجلت سمجھ میں آ گئی تھی، وہ بوجھل دل سے موبائل بیگ میں ڈالتے ہوئے بھابھی کا انتظار کرنے لگی، اب اسے رات کا بے چینی سے انتظار تھا۔

''ہیلو۔'' وہ کھانا کھا کر رات کو جلد سر درد کا بہانہ بنا کر اپنے کمرے میں آ گئی، اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا اور ارہم کی کال آ گئی۔

''فاطمہ! تم میرا ساتھ دو گی نا۔'' ارہم نے اسے ساری صورتحال اور اپنی مجبوریاں بتانے کے بعد اس کے ساتھ کی یقین دہانی چاہی۔

''فاطمہ! مجھے شادی تمہی سے کرنا ہے، اور اگر مجھے تحریم سے شادی کرنا بھی پڑ گئی تو بھی میں تم سے شادی ضرور کروں گا، میں تم بن ادھورا ہوں۔'' فاطمہ چپ سادھے، سانس روکے اس کی باتیں سن رہی تھی، ارہم کسی اور کا ہو، اسے گوارا نہ تھا۔

''ارہم! میں تمہارا اپنی آخری سانس تک انتظار کروں گی۔'' فاطمہ نے اسے اپنے ساتھ کی یقین دہانی کرائی۔

''تھینک یو سو مچ فاطمہ۔'' وہ فاطمہ کی یقین دہانی پر اس کا بے حد مشکور تھا، ارہم نے اس سے مسلسل رابطے میں رہنے کا وعدہ کر کے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

نفیسہ بیگم کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا، ڈاکٹر نے ان کے لئے اگلے چوبیس گھنٹے اہم بتائے تھے، سب آئی سی یو کے باہر کھڑے ان کی زندگی کے لئے دعا گو تھے، سب کی دعائیں رنگ لائیں اور وہ جانبر ہو گئیں۔

''سارا! میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، تم ارہم اور تحریم کا نکاح کر دو۔'' انہوں نے سارا سے اٹھتے بیٹھتے مطالبہ کرنا شروع کر دیا، ناچار ارہم کو ہاں کرتے ہی بنی، نکاح کو بہانہ تھا، چند قریبی رشتے داروں کی موجودگی میں نکاح اور رخصتی ہو گئی، سب کچھ آناً فاناً ہو گیا، نجانے نفیسہ کو واقعی اپنی زندگی کا اعتبار نہ رہا تھا یا ان کی جہاندیدہ نظریں ارہم کا گریز بھانپ گئیں۔

☆☆☆

ہم خوابوں کے بیوپاری تھے پر
اس میں ہوا نقصان بڑا
کچھ بخت میں ڈھیروں کالک تھی
کچھ اب کے غضب کا کال پڑا
کچھ راکھ لئے جھولی میں

اور سر پہ ساہو کار کھڑا
جب دھرتی صحرا صحرا تھی
ہم دریا دریا روئے تھے
جب ہاتھ کی ریکھائیں چپ تھیں
اور سر سنگیت میں کھوئے تھے
تب ہم نے جیون کھیتی میں
کچھ خواب انوکھے بوئے تھے
کچھ خواب سجل مسکانوں کے
کچھ بول بہت دیوانوں کے
کچھ الفاظ جنہیں معانی نہ ملے
کچھ گیت شکستہ جانوں کے
کچھ پر پاگل پروانوں کے
ہم خوابوں کے بیوپاری تھے

کمرہ خوبصورتی مگر سادگی سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا، تحریم دھڑکتے دل سے بیڈ پر دلہن بنی بیٹھی ارہم کی منتظر تھی، اس نے ارہم کے حصول کی ڈھیروں دعائیں مانگی تھیں مگر وہ اسے اتنی جلدی اور اچانک مل جائے گا یہ اس کے سان و گمان میں بھی نہ تھا، اس کی تمام دعائیں مستجاب ٹھہریں اور پلکوں پر سجے روپہلے خواب حقیقت کا روپ دھار چکے تھے، وہ آہٹ پر خود میں سمٹ گئی، ارہم اندر داخل ہوا، وہ خوبرو تو تھا ہی مگر آج اس کی چھب نرالی تھی۔

''تحریم مجھے تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔'' ارہم سپاٹ چہرے اور سرد و بیگانگی بھرے لہجے میں کہتا اس کے عین سامنے مگر فاصلے پر بیٹھ گیا، تحریم کی آنکھوں میں سجے خواب کچے دھاگے کی مانند اک جھٹکے سے بکھر گئے اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، وہ ایسا بیگانہ تو کبھی بھی نہ تھا۔

''تحریم! میں تمہیں محض اپنے نام کے علاوہ کچھ نہیں دے سکوں گا، میں تائی سے بات کرنا چاہتا تھا مگر.....'' اس نے لب بھینچ کر اضطراری انداز میں انگلیاں بالوں میں پھنسا لی، اضطراب کم نہ ہوا تو وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔

''تحریم میری ان سے بات کرنے کی نوبت ہی نہ آ سکی اور یہ سب ہو گیا۔'' وہ دیوانوں کی حالت میں فرش پر دو زانو بیٹھا تھا، تحریم بت کی مانند ساکت تھا۔

''مجھے فاطمہ سے عشق ہے اور میں اس سے ہر حال میں شادی کروں گا، تم بھی، لیکن میں تم سے کبھی بھی ویسی محبت نہ کر پاؤں گا جیسی مجھے فاطمہ سے ہے۔'' ارہم نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ دیں، اس کی نظروں میں چھپی سرد مہری اور بیگانگی نے تحریم کی ریڑھ کی ہڈی میں سردی کی لہر دوڑا دی۔

''تمہیں علم تھا کہ میں تمہیں نہیں چاہتا ہوں تم نے مجھ پہ ظلم کیا ہے۔'' تحریم محض ایک سامع تھی۔

''تمہیں مجھ سے سوائے نفرت کے کچھ نہ ملے گا۔'' اسے تحریم کا قصور نظر آ رہا تھا وہی اس کی محبت کی راہ میں ظالم سماج بنی تھی، ارہم بول بول کر تھک چکا تھا، تحریم اپنے ہاتھوں پر بنے مہندی کے خوبصورت نقش و نگار میں اپنا مستقبل تلاشنے لگی۔

☆☆☆

تم مجھے بہت عزیز ہو
سوچتا ہوں خدا سے
تمہارے لئے کیا مانگوں
دولت و شہرت، علم و اقبال مندی
خوشی و کامرانی
شادمانی محبت یا شادی عشق
سکون جاں یا بے تابی روح
کون سی دعا مانگوں، اچھا سنو!
میں تمہارے لئے

سب سے اچھی دعا مانگتا ہوں
کہ عجب نہیں میرا خدا تمہیں بھی
قلب مطمئن عطا کردے

خنکی فضا میں رچ کے جسم و جاں پہ کپکپی طاری کر رہی تھی، وہ بغیر سویٹر لان میں دیوانوں کی مانند ٹہل رہا تھا لیکن دکھ و اذیت کم نہ ہو رہے تھے، تحریم کی رخصتی کے بعد سارے مہمان جا چکے تھے، احساس نارسائی اس کی روح کو کچوکے لگا رہا تھا، تحریم کا چہرہ اندرونی خوشی سے دمک رہا تھا، یوں جیسے اس نے کوئی کائنات فتح کر لی ہو، اسے اپنی آنکھوں کے سامنے کسی اور کا ہوتے دیکھنا بہت صبر آزما اور دشوار مرحلہ تھا اور اس نے امی کے اصرار پر یہ مشکل مرحلہ بھی سر کر لیا تھا۔

''عدن!'' وہ گھر پہنچے تو امی محض اس کی تنہائی کے خیال سے اس کے پاس کافی دیر بیٹھی رہی تھیں، وہ اسے سونے کی تاکید کر کے سونے چلی گئیں، نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی وہ درد دل کی ٹیسوں سے گھبرا کر کھلی فضا میں آ گیا تھا، وہ آواز پر پلٹا تو منیرہ آپی اس کے سامنے کھڑی تھیں۔

''کیا تم اس کی خاطر لڑکیوں کی طرح روتے پیٹتے رہو گے۔'' منیرہ بھائی کا دکھ سمجھتی تھی مگر اس کے لئے کچھ نہ کر پائی تھی، اس نے محبت سے عدن کا کان کھینچا وہ دھیرے سے مسکرا دیا، منیرہ اس کا بازو پکڑے اندر بڑھ گئی اسے اپنا درد دل چھپا کر جینا تھا، اپنے پیاروں کو مطمئن رکھنے کے لئے، وہ بوجھل دل سے قدم اٹھانے لگا۔

☆☆☆

سن لیا ہم نے فیصلہ تیرا
اور سن کر اداس ہو بیٹھے
ذہن چپ چاپ آنکھ خالی ہے
جیسے ہم کائنات کھو بیٹھے
دھندلے دھندلے سے منظروں میں مگر
چھیڑتی ہیں تجلیاں تیری
بھولی بسری ہوئی رتوں سے ادھر
یاد آتی ہیں تتلیاں تیری
دل یہ کہتا ہے ضبط لازم ہے
ہجر کے دن کی دھوپ ڈھلنے تک
اعتراف شکست کیا کرنا
فیصلے کی گھڑی بدلنے تک
دل یہ کہتا ہے حوصلہ رکھنا
سنگ رستے سے ہٹ بھی سکتے ہیں

اس کی بے یقین نظریں موبائل کی روشن سکرین پر جمی تھیں، طویل ایس ایم ایس کے آخری فقرے نے اس کو اپنی گرفت میں جکڑ رکھا تھا، وہ رونا نہ چاہتی تھی لیکن آج کی رات وہ کسی اور کے ساتھ تھا، یہ احساس ہی روح تک کو تڑپا دینے والا تھا۔

''مجھے تم تک پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکتا فاطمہ، تم اپنا خیال رکھنا۔'' وہ کئی بار آخری جملہ پڑھ چکی تھی اور ہر بار اس کے دل کا بوجھل پن بڑھ گیا تھا، اس نے کرب سے آنکھیں میچ لیں، یاد ماضی اس کی بند پلکوں پر متحرک تھی، ارہم سے پہلی ملاقات، لائبریری میں اکٹھے بک ایشو کروانے جانا، کینٹین میں بیٹھ کر با آواز بلند گانے گانا، یونیورسٹی کے پچھلے احاطے میں پھیلے وسیع زرعی قطعے میں بیتائی سنہری شامیں اور گرمیوں کی لمبی دوپہریں، وہ کچھ بھی نہ بھولی تھی، وہ اس روز سیڑھیوں کے پاس کھڑی تھی، سیڑھیوں کے نیچے دیوار پر لگی لسٹوں پر سٹوڈنٹس کا بے حد رش تھا، اسے اوپر جانے کا رستہ نہ مل رہا تھا، وہ رش سے بیزار آخری سیڑھی پر کھڑی تھی کہ اسے ایکدم ارہم نظر آیا، اتفاقاً اس نظر بھی اسی لمحہ اس سے ملی، پھر دونوں میں دوستی اور محبت کا رشتہ نجانے کیسے جڑا

وہ دونوں بے خبر تھے مگر وہ دونوں ہی اک دوجے کے بغیر جینے کا تصور نہ کر سکتے تھے۔

"یقیناً ارحم بھی کچھ نہ بھولا ہوگا۔" اس نے آنکھ سے بہتا آنسو سختی سے پونچھ ڈالا وہ صرف اسی کا تھا، پھر وہ کیونکر روتی، جبکہ وہ اسے اپنے کا یقین بھی دلا چکا تھا، اسے ہرگز نہ رونا تھا، وہ ارادے اور مضبوط مسکان سے اس کا ایس ایم ایس دوبارہ پڑھنے لگی۔

☆☆☆

اگلے روز ولیمہ شہر کے بہترین میرج ہال میں تھا، ارحم آف وائٹ اور کریم کلر کے شیروانی سوٹ میں بے حد وجیہہ لگ رہا تھا، تحریم کے حسین چہرے پر پھیلی اداسی شہر کے مشہور و معروف بیوٹی پارلر کا میک اپ بھی نہ چھپا سکا تھا، وہ بھاری کامدار میرون فراک اور چوڑی دار پاجامے میں پہچانی نہ جا رہی تھی، دادی کی گہری نگاہیں جتنی بار بھی اس پر اٹھیں، متفکر و تشویش زدہ ہی پلٹی تھیں، ان کی جہاندیدہ نظریں تحریم کے چہرے پر سجی بناوٹی مسکان کے پیچھے اداسی جانچ گئی تھیں۔

ارحم ہشاش بشاش اور خوش و خرم دوستوں میں کھڑا گپ شپ میں مشغول تھا اس کے رویے سے کہیں نہ لگ رہا تھا کہ وہ خوش نہیں ہے دادی الجھ گئیں ان کے بوڑھے چہرے پر سوچ کی لکیریں تھیں۔

"ارحم بھائی آپ اگر فوٹو سیشن کروالیں۔" کھانا لگ چکا تھا، مہمان آہستہ آہستہ کم ہونے لگے تھے، ہال کی ٹائمنگ بھی مختصر رہ گئی تھی، فاروق نے شہر کے مشہور فوٹو گرافر کو ہائر کیا تھا، ارحم ہنوز نئی نویلی دلہن کو نظر انداز کیے دوستوں میں مگن تھا، منیرہ، عائشہ کے کہنے پر ارحم کو بلا کر چلی گئی۔

"ارحم یار سوری، ہم چلتے ہیں۔" منیرہ کے چہرے پر پھیلی واضح کوفت و بیزاری نے اس کے دوستوں کو شرمندہ کر دیا اور وہ فوراً معذرت کر کے اٹھ گئے، ارحم انہیں رخصت کر کے اسٹیج پر آ گیا۔

"پلیز آپ ذرا دلہن کے قریب ہوں۔" وہ تحریم سے ذرا فاصلے پر بیٹھا تھا کہ فوٹو گرافر نے پیشہ ورانہ انداز میں اسے ٹوکا، ارحم کے ماتھے پر ناگواری کی لہر ابھری جسے وہ بمشکل دبا پایا تھا تحریم کے کلوز ہو گیا، دادی اسے ہی دیکھ رہی تھیں بلکہ وہ تو مسلسل ان دونوں کو جانچنے میں مگن تھیں، ان سے ارحم کی یہ حرکت مخفی نہ رہ سکی، وہ مصلحتاً خاموش رہا تھا، اس نے چہرے پر جاندار مسکراہٹ سجاتے ہوئے فوٹو گرافر کی بات بھی مان لی تھی، مگر کہیں کچھ تو غلط تھا۔

فوٹو سیشن میں آدھ گھنٹہ لگ گیا، فوٹو گرافر وہ فارغ ہو کر چلا گیا تو ارحم نے تحریم کے پاس سے اٹھنے میں لمحہ بھر کی دیر نہ لگائی، وہ اٹھ کر عدن کے پاس چلا گیا، جو لان میں الگ تھلگ کھڑا تھا۔

"تحریم تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" تحریم کی اداس خاموشی اور آنکھوں میں پھیلی وحشت نے بالآخر عائشہ کو بھی چونکا دیا۔

"جی امی میں ٹھیک ہوں۔" اس نے ماں کو مطمئن کرنے کے لئے چہرے پر مسکراہٹ سجانے کی ناکام کوشش کی۔

"تحریم! اپنوں سے جھوٹ بولنا آسان مرحلہ نہیں ہے۔" اس کے قریب بیٹھی دادی نے اس کے کان میں دھیمی سرگوشی کی، وہ ہراساں نظروں سے انہیں دیکھنے لگی، وہ بنا کہے اس کے دل کا بھید پا چکی تھیں، تحریم کے لب کپکپا کر رہ گئے، اس کی آنکھوں میں ہلکی نمی ابھر آئی، جسے وہ کمال مہارت سے چھپاتی مسکرا دی۔

"دادی!" اس نے اپنے مخصوص شرارتی انداز میں انہیں متنبہ کر کے مطمئن کرنا چاہا، لیکن اس کے لہجے میں کھنک مفقود تھی، دادی کی گہری سوچ نظریں عدن سے باتوں میں مگن ارحم پر گڑی تھیں، تحریم کے مسکراتے لب بھینچ گئے وہ ارحم کے متوقع ردعمل سے سہم گئی وہ دادی کے عزائم بھانپ چکی تھی۔

☆☆☆

"ارحم! آپ ابھی چھٹی کر لیتے۔" وہ ولیمے سے چار روز بعد یونیورسٹی جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا کہ تحریم نے محبت سے فرمائش کی، ارحم کو شادی کی پندرہ چھٹیاں ملی تھیں جنہیں اس نے منسوخ کروا لیا تھا، ارحم کے ٹائی کی ناٹ درست کرتے ہاتھ لمحہ بھر کو رک گئے اور چہرے پر برہمی کے آثار ابھر آئے، اس کی براؤن آنکھیں ضبط کی لالی سے بھر گئیں۔

"تمہیں میرے معاملات میں دخل اندازی کا نہ کوئی حق ہے اور نہ میں تمہیں اس کی اجازت دوں گا۔" وہ غصے سے بھینچے لہجے میں غرایا، اسے تحریم سے نفرت ہونے لگی تھی اور اس کی مداخلت تو سخت ناگوار گزری تھی۔

"تم جا کر امی کی ناشتہ کی تیاری میں ہیلپ کروا دو تو زیادہ بہتر ہے۔" وہ بستر سے اٹھ کر اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی تھی اور ارحم کے غصے کے باوجود اسے محبت و عقیدت سے دیکھ رہی تھی، ارحم کے لئے اس کی موجودگی خصوصاً اس کا انداز دلربائی ناقابل برداشت ہو گیا تھا، وہ دھواں چہرہ لئے کچن میں چلی گئی۔

"پھپھو میں چائے بناتی ہوں۔" وہ گھریلو کام کاج میں بالکل کوری تھی، سارا ناشتہ تیار کر کے چائے بنانے لگیں تو تحریم نے ان کے ہاتھ سے چائے کی کیتلی لے لی۔

"ارے تم چھوڑو، تم ابھی سے کام تھوڑا کرو گی، ابھی تمہارے دلہناپے کے دن ہیں۔" سارا نے اس کے ہاتھ سے کیتلی لے کر محبت بھرا بوسہ اس کے ماتھے پر ثبت کیا۔

"امی آپ اسے مزید بگاڑنے کی بجائے کام کاج میں لگائیں۔" ارحم ناشتے کے لئے آیا تو اسے امی کا اس سے محبت کا مظاہرہ ایک آنکھ نہ بھایا۔

"تم چپ کرو، مجھے سب پتا ہے کہ مجھے اپنی بچی سے کیا کروانا ہے۔" انہوں نے قدرے غصیلے مگر نرم لہجے میں اسے ٹوکتے ہوئے تحریم کو اپنے ساتھ لگا لیا، ارحم کے چہرے کے زاویے مزید بگڑ گئے مگر اس نے خاموشی میں عافیت جانی۔

"ارحم! ہم نے بھی تمہاری ماں سے سال بھر گھر کا کوئی کام نہ کروایا تھا، اب ہماری بہو پہلے اپنی اسٹڈی مکمل کر لے گی پھر گھرداری سیکھے گی۔" طاہر صاحب نے بھی اس کی سائیڈ لی تو عائشہ سے لگی تحریم کے چہرے پر بے ساختہ نرم مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے چور نظروں سے ارحم کو دیکھا جو سب سے لاتعلق ناشتہ میں مگن تھا۔

"ارحم آپ آج جلدی گھر آ جائے گا، امی کی طرف دعوت ہے۔" شادی کے بعد دعوتوں کا طویل سلسلہ شروع ہو چکا تھا، ارحم نے مارننگ کلاسز کے ساتھ ایوننگ میں بھی لیکچر دینا شروع کر دیے تھے، وہ یونیورسٹی جانے کے لئے نکلنے لگا تو تحریم نے اسے تاکید کی۔

"میں اپنے ٹائم پر ہی آؤں گا، اگر انہیں دعوت کرنا ہے تو وہ انتظار کر لیں۔" ارحم اپنے مخصوص اکھڑ پن سے گویا تھا، اس کی نرم مزاجی اور ہنس مکھ طبیعت تو قصہ پارینہ ہو چکی تھی وہ فاطمہ سے کیا بچھڑا تھا ساری دنیا سے خفا ہو گیا تھا اور

تحریم سے تو اس نے اینٹ پتھر کا بیر باندھ لیا تھا، اسے وہی قصوروار نظر آتی تھی اور اس کی ہر بات سے اختلاف اس نے اپنی عادت بنائی تھی۔

"ارہم، امی اور دادی شادی کے فوراً بعد ہماری دعوت کرنا چاہتی تھیں مگر میں نے انہیں آپ کی مصروفیات کی وجہ سے روک دیا تھا۔" تحریم نے امی کے بے حد اصرار پر آ کر انہیں دعوت کے لئے ہاں کی تھی، وہ اس کی سب سے پہلے دعوت کرنا چاہتی تھیں مگر اس نے انکار کر دیا، وہ دادی کے سامنے ارہم کے روڈلی انداز پر انہیں مزید پریشان نہ کرنا چاہتی تھیں۔

"تو میں تو ابھی بھی فارغ نہیں ہوتا ہوں، تم انکار کر دیتیں۔" وہ اکھڑ پن کی انتہا پر تھا، تحریم اذیت سے دوچار اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اچھا اب رونا مت شروع ہو جانا، میں آ جاؤں گا۔" وہ کلائی پر گھڑی باندھتا کمرے سے نکل گیا نجانے اسے تحریم پر ترس آیا تھا یا نانی کا خیال، بہرحال تحریم کے لئے اس کی رضامندی کافی تھی وہ سر جھٹک کر بستر درست کرنے لگی۔

☆☆☆

"آخر اسے مسئلہ کیا ہے، عارب بہت اچھا، سلجھا ہوا برسر روزگار ہے، یہ کیوں انکار کر رہی ہے۔" زید بھائی غصے سے فاطمہ کے سر پر گرجتے امی ابو سے بیک وقت مخاطب تھے، فاطمہ دھواں دھار روئے جا رہی تھی، عارب ان کا فرسٹ کزن تھا، وہ کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز کر کے ایک کمپنی میں بہترین پوسٹ پر تھا، اس کا رشتہ فاطمہ کے لئے آیا ہوا تھا اور وہ مسلسل اس رشتے سے انکاری تھی۔

"فاطمہ! تمہیں ہمیں اپنے انکار کی کوئی وجہ بھی تو بتاؤ۔" امی خود اس کے انکار سے عاجز تھیں، عارب ان کا بھانجا تھا اور ان کی بھی یہی خواہش تھی کہ یہ رشتہ طے پا جائے گا، ان والدین میں سے نہ تھے جو اولاد پر اپنی مرضی تھوپتے تھے انہوں نے فیصلہ فاطمہ پر چھوڑ رکھا تھا فاطمہ کوئی جواب دینے کی بجائے رونے کا شغل جاری رکھے ہوئے تھی۔

"فاطمہ، اگر تمہیں کوئی پسند ہے تو اسے کہو اپنے والدین کو بھیجے۔" ابو نے پہلی بار گفتگو میں مداخلت کی، وہ ان کی لاڈلی تھی، بقول امی کے فاطمہ کو بگاڑنے میں انہی کا سارا ہاتھ تھا، فاطمہ کا دکھ بڑھ گیا اور آنسوؤں میں بھی شدت آ گئی، اس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ کسی کو کچھ بتا بھی نہ سکتی تھی، اگر وہ ارہم کے شادی شدہ ہونے کا ذکر کرتی تو ابو سب سے پہلے اس کی مخالفت کرتے۔

"ابو میں پڑھنا چاہتی ہوں، مجھے ایم فل کرنا ہے۔" فاطمہ نے ابو کی پرشفقت پناہ میں عذر تراشا تھا۔

"بیٹا ہم ابھی صرف منگنی کر لیتے ہیں اور سکینہ سے دو تین سال انتظار کرنے کا کہہ دیتے ہیں۔" ابو نے دلیل سے اسے منانا چاہا مگر وہ دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔

"پلیز ابو آپ ابھی میرا کہیں بھی رشتہ کریں مجھے سکون سے اسٹڈی کرنے دیں۔" فاطمہ نے ان کے دونوں ہاتھ تھام کر انہیں امید بھری نظروں سے دیکھا، اک وہی تو اس کی آس تھے، وہ اس کے لئے ہمیشہ ڈھال بن جاتے تھے۔

"زرینہ تم سکینہ سے انکار کر دو اور فاطمہ کی اسٹڈی کمپلیٹ ہونے تک اس کا کہیں رشتہ طے نہ کیا جائے گا۔" ابو نے فوراً حتمی لہجے میں فیصلہ سنا ڈالا، وہ ہمیشہ کی طرح اس کی سائیڈ رہے تھے، گھر میں انہی کا فیصلہ آخری ہوتا تھا، فاطمہ نے بھیگی ممنونیت بھری آنکھوں سے ابو کو دیکھا، انہوں نے آسودگی سے سر ہلا دیا۔

"کیا آپ نے یہ بھی نہ سوچا کہ سکینہ آپا کے ہاں آمنہ بھی ہے ان لوگوں نے آمنہ کو تنگ کرنا شروع کر دیا تو ہم کیا کریں گے۔" امی غصے سے اکھڑ گئیں وہ چاہتی تھیں کہ فاطمہ بھی آپا کے گھر جائے تاکہ ان کی دونوں بیٹیاں اکٹھی رہیں۔

"بیگم، میں سکینہ آپا اور صدیق بھائی سے اچھی طرح واقف ہوں وہ آمنہ کو بالکل تنگ نہ کریں گے۔" ابو کے لہجے میں سکون ہی سکون تھا، زید کا غصہ بھی ابو کے آگے زیادہ دیر نہ چل سکا تھا اور وہ غصے سے وہاں سے جا چکا تھا، فاطمہ نے لاڈ سے ابو کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"وہ کون ہے فاطمہ۔" آمنہ صبح سے دونوں بچوں سمیت آئی ہوئی تھی، وہ صحن میں بچوں کے ساتھ بچہ بنی کھیل میں مگن تھی کہ آمنہ چلی آئی، اس کے لہجے کی حد درجہ سنجیدگی نے اسے چونکا دیا، وہ دونوں بھانجوں کو اٹھائے صحن میں رکھی چارپائی پر آ بیٹھی۔

"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے فاطمہ۔" وہ بے نیازی سے بھانجوں میں مگن تھی کہ آمنہ کے نروٹھے لہجے پر اسے متوجہ ہونا ہی پڑا تھا۔

"واٹ تم نے زندگی کو مذاق سمجھ رکھا ہے۔" آمنہ اس کی ساری بات سن کر اس پر برس پڑی تھی، اسے فاطمہ سے ایسی حماقت کی امید نہ تھی، وہ ایک میرڈ شخص کی واپسی کی منتظر تھی۔

"آپی وہ صرف میرا ہے۔" فاطمہ اس کے غصے سے خائف ہو گئی تھی، اسے ارہم کی سچی محبت پر اندھا اعتماد تھا، وہ اس کی خاطر کسی سے بھی ڈٹ کر لڑ سکتی تھی۔

"اچھا تو اسی لئے وہ کسی اور کے ساتھ گل چھڑے اڑا رہا ہے۔" آمنہ کے لہجے میں ہی نہیں آنکھوں سے بھی نفرت بھری تحقیر ٹپک رہی تھی۔

"آپی پلیز۔" فاطمہ اس الزام پر بلبلا اٹھی، اگر یہ بات ان کی جگہ کسی اور نے کہی ہوتی تو وہ اس کا منہ توڑ دیتی، وہ ضبط کے باوجود چلا اٹھی تھی، کوئی ارہم کو کچھ کہے اسے ہرگز گوارا نہ تھا، وہ بہن کی محبت میں برداشت سے کام لے رہی تھی۔

"فاطمہ! وہ اپنی لائف میں ایڈجسٹ ہے تم کیوں فضول میں اس کا انتظار کر رہی ہو۔" آمنہ کو فاطمہ کے صاف انکار سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ محض پڑھائی کے لئے شادی سے انکاری نہیں ہے، اس کا ارادہ ماسٹرز تک تعلیم حاصل کرنے کا تھا، آمنہ نے کھٹک کر ہوا میں تیر چلایا تھا جو درست نشانے پر لگا تھا، ان دونوں بہنوں میں مثالی محبت و دوستی تھی آمنہ بہن کو دیورانی بنانا چاہتی تھی اور وہ پاگل لڑکی دل کے ہاتھوں مجبور تھی، اس نے بہن کو سمجھانے کی بھرپور کوشش کی۔

"میں آپ کو سب کچھ بتا چکی ہوں، آپ کیوں بار بار ارہم پر الزام لگا رہی ہیں۔" فاطمہ نے خفگی سے منہ موڑ لیا، وہ ارہم کی صفائی دے دے کر تھک چکی تھی اور آمنہ اس کی کسی بات پر یقین کرنے کو آمادہ ہی نہ تھی۔

"ٹھیک ہے وہ کل کو تمہیں چھوڑ جائے گا نا پھر تمہیں میری بات کا یقین آئے گا مگر تم میرے پاس رونے کے لئے مت آنا۔" آمنہ ناراضگی سے منہ پھلائے دونوں بچوں کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے وہاں سے چلی گئی، وہ معوذ اور معاذ کو افسردگی سے دیکھتی رہ گئی جو منہ بسور کر ماں سے بازو چھڑوانے کی کوشش کر رہے تھے۔

☆☆☆

سنگ رستے سے ہٹ بھی سکتا ہے
اس سے پہلے کہ آنکھ بجھ جائے

جانے والے پلٹ بھی سکتے ہیں
اب چراغاں کریں ہم اشکوں سے
یا مناظر بجھے بجھے دیکھیں
ایک طرف تو ہے ایک طرف دل ہے
دل کی مانیں کہ تجھے اب دیکھیں
خود سے بھی کشمکش سی جاری ہے
راہ میں تیرا غم بھی حائل ہے
چاک در چاک ہے قبائے حواس
بے رفو سوچ روح گھائل ہے
تجھ کو پایا تو چاک سی لیں گے
غم بھی امرت سمجھ کے پی لیں گے
ورنہ یوں ہے کہ دامن دل میں
چند سانسیں ہیں، گن کے جی لیں گے

''امی! اس کے لئے جلدی سے کوئی لڑکی ڈھونڈیں۔'' منیرہ امی طرف آئی ہوئی تھی، عدن یونیورسٹی سے آکر لنچ کرکے بہن کے پاس بیٹھا تو اس نے شگفتگی سے اس کے سر کے بال بکھیرتے ہوئے ماں کو مخاطب کیا، عدن کی اداسی و خاموشی زارا کو بھی پریشان رکھتی تھی، عدن کی تنہائی پسندی زارا کو ہراساں کرتی تھی، عدن دل گرفتگی سے مسکرا دیا، جیسے کہہ رہا ہو کہ میرا مذاق تو نہ اڑاؤ۔

''ہوں تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔'' زارا نے پرسوچ نگاہیں عدن پر ٹکاتے ہوئے گہرا ہنکارا بھرا، ان کی نظر میں دو تین لڑکیاں بھی تھیں، عدن کا رجحان پاپا کے بزنس کی طرف تھا، وہ اسٹڈی مکمل کرنے کے بعد بزنس جوائن کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا، ظہیر کو بھی اس کے فیصلے پر خوشی تھی۔

''امی پلیز، آپ تو آپی کی باتوں میں نہ آئیں۔'' عدن دونوں کی ملی بھگت پر جھنجلا گیا، ابھی وہ شادی یا منگنی نہ کرنا چاہتا تھا۔

''عدن بیٹا ہم جو فیصلہ بھی کریں گے وہ تمہاری بہتری کے لئے ہو گا۔'' زارا نے رسانیت سے اسے سمجھایا، وہ تحریم کی شادی کے بعد بہت بدل گیا تھا اسے زندگی کی رونق اور خوشیوں کی طرف لانے کے لئے اس کا دل بہلانے کی ضرورت تھی، عدن خفگی سے واک آؤٹ کر گیا، زارا اس کی بات سمجھنے کی بجائے منیرہ کا مشورہ ماننے کا تہیہ کر چکی تھیں، انہوں نے اس کی خفگی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سر جھٹکا۔

''منیرہ تمہاری نظر میں کوئی لڑکی ہو تو بتاؤ۔'' انہوں نے اس کے جانے کے بعد بیٹی سے صلاح کی، وہ اسے اپنی پسند بتانے سے پہلے اس کی رائے لینا چاہتی تھیں۔

''امی میری نظر میں کوئی نہیں ہے، آپ کی نظر میں ضرور ہو گی۔'' منیرہ نے ماں کے دبے جوش سے دمکتے چہرے کو بغور دیکھا۔

''تمہیں نیازی صاحب کی بیٹی ربیعہ کیسی لگتی ہے۔'' انہوں نے ظہیر کے دیرینہ دوست اور پڑوسی کا نام لیا تو منیرہ کے تصور میں ربیعہ کا من موہنا اور دلکش سراپا لہرایا۔

''آپ کی چوائس زبردست ہے امی۔'' منیرہ نے فوراً تائید کر دی، زارا کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی، وہ قدرے رازداری سے آگے جھک کر رشتے ڈالنے کا پروگرام منیرہ سے ڈسکس کرنے لگیں، جبکہ منیرہ تائیدی انداز میں سر زور و شور سے ہلانے لگی۔

☆☆☆

''تحریم! تم کل ارہم کے ساتھ جا کر میڈیکل میں ایڈمیشن لے لو۔'' تحریم کا رزلٹ آ گیا تھا، وہ شاندار مارکس سے پاس ہوئی تھی، اس کا میڈیکل میں داخلہ یقینی تھا، طاہر انکل نے ناشتہ کرتے ارہم کو دیکھتے ہوئے اسے مخاطب کیا، تحریم لاتعلقی سے ناشتہ کرتی رہی جیسے اس نے کی بات نہ سنی ہو، ارہم نے باپ کی نظروں کے ارتکاز پر بے چینی سے پہلو بدلا۔

''ارہم! کیا تمہیں تحریم کی اسٹڈی پر کوئی اعتراض ہے۔'' طاہر نے اسے براہ راست مخاطب کیا۔

''نہیں ابو جان، مجھے کیوں اعتراض ہو گا۔'' اس نے تحریم کا گلہ دبانے کی خواہش پر قابو پاتے ہوئے نرمی سے جواب دیا، وہ یہاں بھی سب کی چہیتی بن چکی تھی۔

''تم پھر کل اسے کالج لے جا کر ایڈمیشن کروا دو۔'' سارا نے اس کے سامنے چائے کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔

''جی!'' وہ مرے مرے انداز میں بمشکل بولا تھا اور بعجلت چائے ختم کر کے یونیورسٹی چلا گیا۔

''تحریم تم خوش تو ہو نا بیٹا۔'' اس کی کلاسز کا آغاز ہو چکا تھا، وہ اسٹڈی میں بزی ہونے کی وجہ سے امی کی طرف روزانہ چکر نہ لگا پاتی تھی، اس روز سنڈے تھا وہ صبح سے امی کی طرف آئی ہوئی تھی، منیرہ بھابھی اپنے کمرے میں جبکہ امی کچن میں ملازمہ کے ساتھ مصروف تھیں، وہ اکیلی بور ہو رہی تھی اس نے لیپ ٹاپ پر اپنی شادی کی مووی لگا لی وہ مووی دیکھنے میں اتنا مگن تھی کہ اسے دادی کی آمد کی خبر نہ ہوئی، انہوں نے پوچھا تو وہ چونک کر پلٹی، دادی اس سے کئی بار یہ سوال پوچھ چکی تھیں وہ انہیں مطمئن کرنے کی بھرپور کوشش کرتی مگر وہ مطمئن نہ ہوتیں۔

''جی دادی جان، آف کورس میں بہت خوش ہوں۔'' اس کی شادی کو بمشکل دو ماہ گزرے تھے، اس کے چہرے پر نئی دلہنوں والی شوخ مسکراہٹ، الوہی چمک اور معنی خیز رو پہلے جذبوں کی جھلک نہ تھی، اس نے ہمیشہ کی طرح انہیں مطمئن کرنے کے لئے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''دیکھیں دادی میں کتنی پیاری لگ رہی ہوں نا۔'' اس نے دادی کی کھوجتی نگاہوں سے جز بز ہو کر ان کی توجہ لیپ ٹاپ کی طرف مبذول کی جہاں اب مووی ختم ہونے کے بعد شادی کی تصاویر آ رہی تھیں۔

''ارے لگ رہی ہوں نہیں، میری تحریم ہے ہی بہت پیاری، ہر کسی کے دل کو جیتنے والی۔'' انہوں نے محبت بھرے لاڈ سے اس کی تصحیح کی۔

''میں ارہم کا دل تو نہ جیت سکی، کسی اور کا کیا جیتوں گی بھلا دادی۔'' اگلے لمحے اس کے چہرے پر مسکراہٹ کی جگہ حزن نے لے لی۔

''دادی یہ تو ہے آخر میں پوتی کس کی ہوں۔'' تحریم نے اپنے ملال پر قابو پاتے ہوئے دادی کو مسکہ لگایا، وہ جاندار ہنسی ہنس دیں۔

وہ ارہم سے کوئی سوال کر کے اس کے دل سے اپنا احترام کم نہ کرنا چاہتی تھیں وہ ان کی خاطر اس رشتے پر راضی ہو کر اسے نبھا رہا تھا ورنہ وہ اپنی مرضی کے خلاف کچھ برداشت نہ کرتا تھا، وہ اس کے دل میں اپنا خوف رکھنا چاہتی تھیں، ان کے مسکراتے لب سمٹ گئے تھے اور آنکھوں میں سوچ کی گہری لکیر تھی، تحریم کا دل بھی مووی میں نہ لگ رہا تھا، وہ لیپ ٹاپ Shut down کرنے لگی۔

☆☆☆

''ارہم! مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے بیٹا۔'' وہ یونیورسٹی سے لوٹا تھا، گھر میں خاصا سکوت چھایا ہوا تھا غالباً تحریم کالج سے نہ لوٹی تھی، ابو کی واپسی شام سے پہلے ممکن نہ تھی، وہ پرائیویٹ فرم میں بہترین پوسٹ پر تھے، ارہم اپنی جاب کے بعد ان سے کئی بار جاب چھوڑنے کو کہہ چکا تھا مگر وہ گھر میں فارغ نہ بیٹھنا چاہتے

تھے، وہ تجربہ کار اور ذہین ورکر تھے ان کی فرم اپنی باصلاحیت ورکر سے ہاتھ نہ دھونا چاہتی تھی، ارحم کھانا کھا کر اپنے کمرے میں جانے لگا تو امی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”بیٹھو بیٹا۔“ سارا نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گیا، سارا کے ماتھے پر پڑی سوچ کی گہری لکیریں ارحم کو پریشان کرنے لگیں۔

”بیٹا! تم کب تک اپنی گمشدہ محبت کا سوگ مناؤ گے۔“ سارا اس کی تحریم سے رکھائی و کھنچاؤ کو نوٹ کر چکی تھیں، ان دونوں کے درمیان بہت گہری خلیج حائل تھی جسے پاٹنے کو ارحم تیار ہی نہ تھا، وہ اس کی طرف سے بہت پریشان رہتی تھیں۔

”امی یہ طے ہے کہ مجھے ساری عمر تحریم کے ساتھ نہیں رہنا ہے میں مناسب وقت پر فاطمہ سے ضرور شادی کروں گا۔“ ارحم نے انہیں اپنا فیصلہ سنا دیا، اس کے لہجے میں چھپی تحریم کی نفرت اور اٹل عزم نے انہیں بری طرح ہولا دیا۔

”تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔“ وہ غصے سے بیٹے کو ڈانٹنے لگیں اسے اپنے فیصلے کے سنگین نتائج اور حالات کی نزاکت کا ذرا احساس نہ تھا اور وہ عشق کا بھوت خود پر طاری کیے ہوئے تھا۔

”امی آپ لوگ میرا فیصلہ نہ مانیں گے تو میں فاطمہ سے کورٹ میرج کرلوں گا، آپ کو تحریم چاہیے تھی وہ آپ کے پاس رہے گی۔“ ارحم نے ان کے غصے کی رتی بھر پروا نہ کی تھی، وہ انہیں دو ٹوک لہجے میں اپنا فیصلہ سنا کر چلا گیا، سارا دم بخود اسے دیکھے گئیں جبکہ دروازے پر کھڑی، تحریم آنسو بھری آنکھوں اور سن دماغ لیے گم صم ساکت تھی۔

اس کی بھوک پیاس ختم ہوگئی تھی، ارحم نے کتنی آسانی سے اس کی قسمت کا فیصلہ پھپھو کو سنا دیا تھا، اس کے نڈر اور بے خوف و بے لچک بیٹے نے اسے افسردہ و پریشان کر دیا تھا، وہ پھپھو، بے خوفی سے اپنا فیصلہ سنا سکتا تھا تو اس سے بعید نہ تھا وہ واقعی ہی ایسا کر گزرتا۔

”اگر ارحم نے واقعی فاطمہ سے شادی کر لی تو۔“ تحریم نے کھڑکی کے پار وسیع فلک پر نگاہیں جما دیں۔

”نہیں نہیں۔“ دل نے فوراً دماغ کو ڈانٹا اور تڑپ کر دہائی دینے لگا، اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے، احساس جدائی ہی اسے اتنا تڑپاتا تھا تو جدائی تو اسے مار ہی ڈالتی، اس کے آنسوؤں میں شدت آگئی۔

☆☆☆

”شازب! آپ آفس میں کیا کرتے ہیں اتنی دیر تک۔“ گھڑی کی سوئیاں گیارہ بجا رہی تھیں کہ اس کی واپسی ہوئی، سب گھر والے ڈنر کر کے سو چکے تھے، آمنہ نے دروازہ کھولا وہ اس کی دیر ہونے پر پریشان تھی، اس نے دوبارا سے فون بھی کیا مگر اس کا سیل آف تھا، شازب اس سے نظریں چراتا گاڑی سے اتر کر اندر بڑھ گیا۔

”میں آج آپ سے پوچھ کر رہوں گی آخر اب اچانک آپ کے آفس میں ایسا کون سا کام نکل آیا ہے جو رات گیارہ بجے سے پہلے ختم نہیں ہوتا۔“ آمنہ بے حد غصے میں تھی، اوپر سے اس کی حد درجہ بے نیازی اسے تپانے لگی تھی، وہ چند روز سے لیٹ گھر آنے لگا تھا اور بچوں پر بھی دھیان نہ دیتا تھا، آمنہ نے غصے سے پیچھے سے اس کی شرٹ کھینچی۔

”کیا بدتمیزی ہے یہ آمنہ۔“ شازب غصے سے گرجا، آمنہ اس کے غصے پر سہم کر دو قدم پیچھے ہوگئی، اس نے جھٹکے سے اپنی شرٹ چھڑوائی۔

”کیا خالہ نے تمہیں شوہر سے بات کرنے

کی تمیز نہیں سکھائی۔“ وہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مترادف آمنہ پر غصے سے چڑھ دوڑا۔

”ہاں انہوں نے مجھے نہیں سکھائی تمیز، تم تو بڑے تمیز دار ہو نا جو رات کو گیارہ بجے تک آوارہ گردیاں کرتے ہو۔“ آمنہ کا خوف زائل ہو گیا اسے شوہر کا طعنہ کسی چابک کی طرح زور سے لگا تھا۔

”چٹاخ، تم پھر تم پہلے تمیز سیکھو مجھ سے سوال جواب بعد میں کرنا۔“ شازب نے غصے سے اسے ہاتھ جڑ دیا، آمنہ منہ پر ہاتھ رکھے ساکت رہ گئی۔

”شازب بھائی، شازب بیٹا۔“ سکینہ اور عارب بیک وقت آگے بڑھے وہ ان کے ہنگامے پر اٹھ گئے تھے، عارب بھائی کو پکڑ کر اندر لے گیا، شازب اس سے بازو چھڑوا کر اپنے کمرے میں جا گھسا۔

”آمنہ بیٹا تم اندر چلو۔“ سکینہ نے آمنہ کو محبت سے پچکارا، وہ احساس توہین سے سلگ رہی تھی، شازب نے سات سالہ ازدواجی زندگی میں پہلی بار اس پر ہاتھ اٹھایا تھا۔

”خالہ مجھے امی کے گھر جانا ہے ابھی اور اسی وقت۔“ آمنہ فیصلہ کر چکی تھی، وہ کمرے سے جا کر بچوں اور بیگ لے آئی، شازب واش روم میں تھا اور اس سارے ہنگامے سے بے خبر تھا۔

”آمنہ بیٹا! تم عجلت سے کام لے رہی ہو، یہ وقت......“ سکینہ نے بوکھلا کر بہو کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا۔

”عارب تم مجھے چھوڑ کر آؤ گے یا میں خود چلی جاؤں گی۔“ آمنہ نے ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے عارب سے کہا، بچے سوئے ذہن اور مندی آنکھوں سے سارا معاملہ سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

”بھابھی وہ ...“ عارب بھی اس کے یوں جانے کے حق میں نہ تھا، اس نے ہچکچا کر ماں کی طرف دیکھا۔

”ٹھیک ہے میں خود چلی جاتی ہوں۔“ آمنہ نے چادر اوڑھتے ہوئے بیگ اٹھایا اور دونوں بچوں کے بازو پکڑ کر پورچ کی طرف بڑھنے لگی۔

”عارب جاؤ اسے چھوڑ آؤ۔“ سکینہ نے پریشانی سے عارب کو اس کے پیچھے بھیجا، رات کے اس پہر نہ جانے اسے کوئی سواری ملتی یا نہ ملتی وہ عارب کے چھوڑ آنے پر کم از کم اس کی خیریت کے متعلق تو نہ ہولتی رہتیں، عارب فوراً اس کے پیچھے لپکا تھا۔

☆☆☆

”عدن!“ وہ لان میں اترتی سیڑھیوں پر سوچوں میں گم بیٹھا تھا، چاند بادلوں کے سنگ محو سفر تھا، اس کے چہرے پر پھیلی اداسی اور آنکھوں میں متاع حیات کے لٹنے کا ملال واضح تھا، شام کے سرمئی سائے گہرے ہو چکے تھے، پرندوں کی چہچہاہٹ بھی اس کی سوچوں میں دخل نہ دے سکی تھی، منیرہ زارا سے ملنے آئی تو اسے دیکھ کر اس کے قریب آ بیٹھی، عدن نے اسے افسردگی سے دیکھا اس کی آنکھوں میں پھیلی حزن و ملال کی رنجیدگی نے منیرہ کو دکھی کر دیا۔

”عدن میری جان!“ اس نے تڑپ کر بھائی کا سر چوم ڈالا، اس کا ماں جایا تحریم کی وجہ سے اس حال تک پہنچا تھا اسے تحریم پر پہلی بار غصہ آنے لگا

”عدن ربیعہ کیسی لڑکی ہے۔“ زارا نے اسے رشتہ فائنل ہونے کے متعلق مشورہ کرنے

کے لئے بلایا تھا، اس نے بھائی کی رائے لی۔
''آپی پلیز آپ امی سے کہہ دیں وہ ابھی میرا کہیں بھی رشتہ کرنے کا نہ سوچیں۔'' اس نے بے چینی سے بنجی ہو کر منیرہ کے ہاتھ پکڑ لئے، اس کی آنکھوں میں سرخی دوڑ گئی اور وہ ضبط سے لب بھینچ گیا۔
''عدن ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں، وہ اپنی زندگی میں ایڈجسٹ ہے تو تم کیوں اس کا جوگ لئے بیٹھے ہو۔'' منیرہ نے رسانیت بھری خفگی و محبت سے بھائی کو ڈپٹا، اس نے اضطراری انداز میں بے ساختہ پہلو بدلا تھا۔
''آپی کی جان! ربیعہ بہت اچھی لڑکی ہے وہ تمہارے سارے غم سمیٹ لے گی۔'' منیرہ نے محبت سے جیسے التجا کی، وہ بے بسی سے انہیں دیکھنے لگا اس کی آنکھوں میں پھیلی سرخی بڑھ گئی۔
''پلیز عدن! خوشیاں صرف وہ نہیں ہوتی ہیں جو ہم پاتے ہیں بعض اوقات ہم دوسروں کو خوش رکھ کر بھی سکون پاتے ہیں۔'' منیرہ اسے منانے کا تہیہ کر چکی تھی، عدن نے نظریں چرالیں وہ غلط نہ کہہ رہی تھی مگر ابھی اس کے زخم دل تازہ تھے۔
''آپ جو مرضی کریں۔'' وہ خود غرض نہ تھا اسے خود سے وابستہ رشتوں کا مان رکھنا آتا تا۔
''تھینک یو عدن۔'' منیرہ خوشی سے بے قابو ہو کر اس سے لپٹ گئی۔

☆☆☆

''کچھ بھی سہی آمنہ تمہیں یوں رات گئے گھر سے نہیں آنا چاہیے تھا۔'' عارب آمنہ کو اس کے کہنے پر گیٹ پر اتار کر چلا گیا تھا، امی اسے یوں تنہا بچوں کے ساتھ بے وقت دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں، آمنہ جیسے تیسے انہیں مطمئن کر کے رہ گئی مگر صبح ناشتے پر اسے دیکھ کر سبھی حیران رہ گئے، فاطمہ یونیورسٹی کے لئے گیارہ بجے گھر سے نکلتی تھی مگر وہ ناشتہ سب کے ساتھ اکٹھا کرتی تھی، ابو کے سختی سے استفسار پر ساری حقیقت اگل دی، ابو سر پکڑ کر رہ گئے۔
''ابو! شاذب بہت بدل گئے ہیں وہ مجھے اور بچوں کو اگنور کر رہے ہیں۔'' آمنہ باپ کے غصے سے سہم کر منمنائی تھی، دونوں بچے سو رہے تھے۔
''اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم اس سے خفا ہو جاؤ، ارے مرد ذات ہے اس کے ہزار بکھیڑے ہیں، روزی کمانا آسان کام تھوڑی ہے۔'' امی کو بھی اس پر سخت غصہ آیا تھا، انہیں آمنہ کی ہٹ دھرمی پر سخت تاؤ آ رہا تھا، کوئی اور موقع ہوتا تو وہ امی سے شاذب کی طرفداری پر ان سے الجھ پڑتی، انہیں بھانجا بیٹی سے بڑھ کر عزیز تھا، آمنہ ابو کی موجودگی میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔
''آمنہ! تمہیں شاذب سے الجھنے کی آخر یہ ضرورت تھی۔'' زید بھائی بھی امی اور ابو کے ہم خیال تھے، فاطمہ اور بھابھی خاموش تماشائی تھیں۔
''زید تم آمنہ کو آج ہی گھر چھوڑ کر آؤ۔'' ابو نے غصے سے آمنہ کو دیکھتے ہوئے زید کو حکم دیا، آمنہ بے بسی سے رو پڑی، وہ خود جا کر ہلکا نہ پڑنا چاہتی تھی اور اس کے اپنے اسے بوجھ سمجھ رہے تھے۔
''ابو! آپ لوگ شاذب سے اس کے رویے کے بدلاؤ کے متعلق پوچھنے کی بجائے آمنہ آپی کو زبردستی واپس بھیج رہے ہیں اس طرح تو

اسے مزید شہہ ملے گی۔" بھابھی کو آمنہ پر ترس آ گیا اس نے آمنہ کے آنسو پونچھتے ہوئے زبان کھولی تھی۔

"ہوں، زید تم فون کر کے شاذب کو شام کو بلاؤ، ہم اس سے بات کریں گے۔" ابو کے دل کو اس کی بات لگی آمنہ انہیں بھی عزیز تھی وہ اس کا گھر بسا دیکھنا چاہتے تھے وہ یوں کبھی روٹھ کر نہ آتی تھی، اگر وہ اپنی سات سالہ ازدواجی زندگی میں پہلی بار روٹھ کر آئی تھی تو شاذب کا بھی قصور تھا، وہ اسے بلا کر سمجھانا چاہتے تھے۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں، آپ بچوں کی باتوں میں آ گئے ہیں۔" امی نے خفگی سے، بہو اور بیٹی کو دیکھتے ہوئے ابو کو ٹوکا، ان کے خیال میں آمنہ معمولی بات کو خواہ مخواہ بڑھاوا دے رہی تھی، وہ فاطمہ اور عارب کی شادی کا فیصلہ کر چکی تھیں اسی لئے وہ بات نہ بڑھانا چاہتی تھیں، وہ بہن کے مزاج سے بھی بخوبی آگاہ تھیں سکینہ باجی غصے کی بہت تیز اور ضدی طبیعت کی مالک تھی، وہ فاطمہ کے لئے صاف انکار بھی کر سکتی تھی۔

"آپ خاموش ہو جائیں۔" ابو نے گہری سنجیدگی سے انہیں عینک کے پیچھے سے گھورا، وہ جز بز ہو گئیں، زید اسی وقت شاذب کو فون کرنے لگا، ابو گہری سوچ میں گم تھے۔

☆☆☆

"سارا! آپ مجھے پریشان لگ رہی ہیں۔" سارا خلاف معمول نماز عشاء سے جلد فارغ ہو کر اپنے معمول کے وظائف کیے بناء سونے کے لئے لیٹ گئیں وہ نیند نہ آنے پر کروٹیں بدل بدل کر تھک گئی تھیں، طاہر ان کی بے چینی کافی دیر سے نوٹ کر رہے تھے، انہوں نے مطالعہ اخبار سے چونک کر انہیں دیکھا اور پوچھے بنا نہ رہ پائے۔

"طاہر مجھے ارہم نے پریشان کر رکھا ہے۔" وہ اٹھ بیٹھیں تو طاہر نے بھی اخبار تہہ کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا، سارا کا دماغ پریشان کن سوچوں سے دکھنے لگا تھا، اس کا سر بھاری تھا۔

"اس نے اب کیا کہہ دیا ہے۔" طاہر ہمہ تن گوش تھے، سارا کا سنجیدہ چہرہ گمبھیر معاملے کی نشاندہی کر رہا تھا، وہ بھی ارہم اور تحریم کے بیچ موجود تناؤ کو محسوس کر چکے تھے۔

"وہ دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔" سارا کی پریشان کن سرسراتی آواز ابھری۔

"واٹ؟" طاہر حیرت سے اچھل پڑے، سارا انہیں ساری بات بتانے لگیں۔

"سارا! اب کیا ہو گا؟" وہ حقیقتاً فکر مند ہو گئے تھے انہیں نفیسہ بیگم سے ماں جیسی محبت ملی تھی اور یہ رشتہ انہی کے ایما پر ہوا تھا، ارہم تو رشتوں کا احترام و بھرم بھی بھلا چکا تھا۔

"آپ اسے سمجھائیں نا۔" سارا رو دینے کو تھیں، وہ مستقبل کا تصور کر کے ہی سہمی ہوئی تھیں اگر وہ حقیقتاً کچھ کر گزرتا تو، وہ اس سے زیادہ سوچتیں تو بے ساختہ جھرجھری لیتیں۔

"ہوں، تم بلاؤ اسے۔" طاہر نے تشویش سے پیشانی رگڑی سارہ اسے بلانے چلی گئیں۔

"جی ابو!" وہ ماں سے زیادہ باپ سے ڈرتا تھا اور انہی کے رعب میں تھا اور یہ بھی حقیقت تھی اگر وہ اسے قائل نہ کرتے تو وہ کبھی تحریم سے شادی نہ کرتا۔

"بیٹا! یہ میں کیا سن رہا ہوں۔" وہ آ کر بیٹھا تو طاہر نے اسے کڑی نگاہوں سے گھورا ارہم لمحہ بھر کو چپ رہ گیا، اس نے اوکھلی میں سر دیا تھا تو موصلوں سے ڈر کر کیا کرتا۔

"ابو آپ جانتے ہیں نا کہ میں اس شادی کے لئے بالکل رضا مند نہ تھا، مگر آپ نے مجھے

منایا کہ تمہاری ماں وہاں زبان دے آئی ہے۔" ارہم ہمیشہ کی طرح ان کے غصے اور رعب سے قدرے دب کر دھیمی آواز میں گویا ہوا۔

"بیٹا نئے رشتے نبھانے کے لئے بنائے جاتے ہیں نا کہ توڑنے کے لئے۔" وہ آج بھی ان کے رعب میں تھا تو عقلمندی کا تقاضا تحمل مزاجی تھا وہ اسے ڈانٹ ڈپٹ کر ضد نہ دلانا چاہتے تھے ارہم ماں سے تو دو ٹوک بات کر چکا تھا وہ نہیں چاہتے غصے کہ ارہم ان سے بھی بدتمیزی کرے یا ضد میں آ کر مستحکم فیصلہ کر لے اسی لئے انہوں نے نرمی بھری شفقت سے اس کے کندھے پر ہلکا دباؤ ڈالا وہ چند ثانیے چپ رہا۔

"ابو میں تحریم سے محبت نہیں کرتا ہوں۔" وہ بے بسی سے سر جھکا گیا اگر محبت کرنا اپنے اختیار میں ہوتا تو وہ والدین کی تابعداری میں کر گزرتا مگر وہ دل کے ہاتھوں مجبور تھا، طاہر نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے لب بھینچ لئے جبکہ سارا نے سر پکڑ لیا، ان کا دل ہولنے لگا، ماحول پہ تناؤ چھا گیا۔

"دیکھو بیٹا! نکاح جیسا پاکیزہ و مضبوط بندھن دو دلوں کو جوڑ دیتا ہے، تم اس لڑکی کو اپنے ذہن سے جھٹکو گے تو ہی تحریم پر توجہ دے پاؤ گے۔" طاہر کے چہرے پر دھیمی مسکراہٹ ابھری، ماحول میں موجود تناؤ ڈھیلا پڑنے لگا، ارہم نے انہیں یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو "یہی تو میرے بس میں نہیں ہے" مگر وہ چپ رہا۔

"تم اپنے ذہن سے دوسری شادی کا فتور نکال دو، ایسا کم از کم میری زندگی میں تو ممکن نہیں ہے۔" طاہر نے سختی سے اسے وارن کیا۔

"ابو پلیز۔" وہ احتجاج کیے بنا نہ رہ سکا، طاہر رخ پھیر کر اخبار کا مطالعہ کرنے لگے، ارہم مزید بات کرنا بے کار جان کر اپنے کمرے میں چلا گیا، سارا نے تشویش سے شوہر کو دیکھا، انہوں نے آنکھ کے اشارے سے انہیں تسلی دی تو وہ لمبی آہ بھر کر رہ گئیں۔

☆☆☆

"تحریم..... تحریم۔" لان میں چمکیلی روشن دھوپ پھیلی تھی، اس نے کالج سے چھٹی کی تھی وہ دھوپ سینکنے کے لئے لان میں آ گئی، پھر وہ جلد ہی اکتا کر پودوں کو پانی دینے لگی، وہ سوچوں میں گم پودوں کو پانی دینے میں اتنا محو تھی کہ عدن کی آواز نہ سن سکی۔

"تحریم یار تم بہری ہو گئی ہو۔" عدن قریب آ کر زور سے بولا تو وہ چونکی۔

"آں، ہاں تم نے مجھے کچھ کہا۔" وہ چونک کر پلٹی تو غصے میں بھرا عدن اس کے قریب تھا۔

"میں تمہیں اتنی دیر سے آوازیں دے رہا ہوں، تم کہاں گم ہو۔" وہ عدن کو کچھ پریشان لگی تو اس کا لہجہ خود بخود دھیما پڑ گیا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو نا۔" اس کی آنکھوں کی لالی نے عدن کو چونکا دیا وہ قدرے نادم ہو گیا۔

"آئی ایم فائن، تم کیوں مجھے آوازیں دے رہے ہو۔" وہ اپنے غموں کا اشتہار نہ بنانا چاہتی تھی اس نے چہرے پر بناوٹی مسکراہٹ سجا کر عدن کا دھیان بٹانا چاہا جو مسلسل کھوجتی نظریں اس پر گاڑے ہوئے تھا۔

"تم نہ بتانا چاہو تو تمہاری مرضی بے خبر میں ارہم بھائی کا پوچھنے آیا تھا، وہ گھر کب آتے ہیں؟" عدن نے اسے جتاتے ہوئے کندھے اچکائے، اسے ارہم کے ساتھ کہیں ضروری کام سے جانا تھا وہ اس کے سیل فون پر کئی بار ٹرائی کر چکا تھا مگر اس کا نمبر ہر بار بزی آ رہا تھا، وہ ارہم کے متعلق پوچھنے گھر چلا آیا، تحریم کچھ نہ کہہ سکی، اس کا درد دل بڑھنے لگا اور ذہن و دماغ پر غبار و کثافت اکٹھی ہونے لگی۔

"عدن تم کب آئے یار۔" وہ دل میں اپنا بھرم رہنے کی صدق دل سے دعائیں مانگ رہی تھی شاید وہ کوئی قبولیت کی گھڑی تھی کہ ارہم آ گیا۔

"تم کہاں تھے تمہارا سیل بھی کافی دیر سے آف تھا۔" عدن نے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے قدرے خفگی سے اس کے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ مارا۔

"میرے سیل کی بیٹری بند ہو گئی تھی کیا تمہیں کوئی کام تھا؟" ارہم نے تحریم کے ستے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے عدن سے پوچھا، اس کی خاموشی نے ارہم کو اپنی طرف مائل کر لیا، وہ دونوں کو محو گفتگو چھوڑ کر چلی گئی، ارہم کی نظروں نے اس کا پیچھا کیا تھا۔

"تو میرے ساتھ چل۔" عدن نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔

"میں چینج تو کر لوں۔" ارہم ابھی لوٹا ہی تھا اور اسے بھوک بھی لگی تھی۔

"آ کر کر لینا یار، مجھے جلدی ہے۔" عدن نے اس کیا یک نہ سنی اور اسے بازو سے گھسیٹتا ہوا لے گیا۔

☆☆☆

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے شاذب، تم کیا کہہ رہے ہو۔" سکینہ نے بیٹے کی بات سن کر اسے غصے سے ڈانٹا تھا، آمنہ کو روٹھ کر میکے گئے تین دن ہو گئے تھے وہ شاذب کو منا کر لانے کی کہتیں تو وہ صاف انکار کر دیتا کہ وہ خود آئے میں لینے نہیں جاؤں گا، سکینہ عارب اور فاطمہ کے رشتے کا سوچ رہی تھیں، وہ شاذب اور آمنہ کے جھگڑے پر بہت پریشان تھیں شاذب ڈھیٹ بنا چپ سادھے ہوئے تھا۔

"تم آخر کیا چاہتے ہو؟" وہ اس کی ضد سے عاجز آ گئیں، وہ ان کی کوئی بات ماننے پر تیار ہی نہ تھا اور آمنہ کے خود آنے کی ضد پر ڈٹا ہوا تھا وہ آفس سے آیا تو انہوں نے بیٹے کو گھیر لیا، عارب اور بابا بھی موجود تھے۔

"مجھے آمنہ جیسی زبان دراز بیوی کی ضرورت نہیں ہے میں دوسری شادی کروں گا۔" شاذب نے اپنا فیصلہ سنا دیا، سب کو سانپ سونگھ گیا ان کے گمان میں بھی نہ تھا کہ شاذب انتہائی فیصلہ کرنے کی ٹھان چکا ہے۔

"کیا زبان درازی ہے اس نے تم سے، کیا بیوی کا حق نہیں ہے وہ شوہر سے گھر لیٹ آنے کی وجہ پوچھے۔" سکینہ غصے سے کھول اٹھیں، وہ بھی بیٹے کے بدلے چال چلن دیکھ رہی تھیں مگر مصلحتاً خاموش تھیں، آمنہ بیوی تھی وہ بیچاری کب تک برداشت کرتی، آمنہ نے سات سال میں سب کے دل اپنی فرمانبرداری، سگھڑاپے اور تابعداری سے موہ لئے تھے، وہ فاطمہ کو بھی اسی لئے بہو بنانا چاہتی تھیں کہ وہ آمنہ جیسے اوصاف کی مالک تھی، شاذب لمحہ بھر کو چپ دیا۔

"مجھے تمہارے لیٹ آنے کی وجہ سمجھ آ گئی ہے تمہارے دماغ میں دوسری شادی کا فتور اسی روز سے تھا جس دن سے تم نے اپنی روش بدلی تھی اب تمہیں صرف بہانہ درکار ہے۔" سکینہ جہاندیدہ عورت تھیں وہ ان ماؤں میں سے نہ تھیں جو اولاد کو بلاوجہ ناز نخرے اٹھا کر سر چڑھا لیتی ہیں۔

"امی آپ غلط سمجھ رہی ہیں میں تو....." شاذب ماں کی تحمیلی طبیعت سے واقف تھا وہ حالات کے پلٹنے پر مصلحتاً نرمی اختیار کرتے ہوئے منمنایا۔

"بس تم آگے ایک لفظ مت کہنا۔" انہوں

نے غصے سے اسے ٹوک دیا۔
"مجھے تمہارے دل سے عشق کا بھوت اتارنا پڑے گا، میں کل ہی تمہارے آفس آکر اس کلموہی کی چٹیا کاٹ کر اس کے ہاتھ پر رکھتی ہوں ذرا۔" سکینہ سے ٹکر لینا کسی کے بس کا کام نہ تھا انہوں نے اپنے خطرناک عزائم کا اظہار کیا تو حقیقتاً شاذب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔
"امی میں....." اس نے ان کا غصہ ٹھنڈے کرنے کے لئے ان کے گھٹنے دبانے شروع کردیے انہوں نے غصے سے اس کے ہاتھ جھٹکے اور رخ موڑ لیا۔
"تو کل ذرا آفس تو پہنچ۔" انہوں نے اس کی خوشامد کو ذرا خاطر میں نہ لیا اور اس سے دور ہٹ گئیں، شاذب اس گھڑی کو کوسنے لگا جب اس نے جذبات میں آکر دوسری شادی کا ذکر کیا تھا، امی سے کچھ بعید نہ تھا وہ واقعی ہی کل آفس پہنچ جاتیں اور اس کی ناعمہ کے سامنے کتنی سبکی ہوتی، وہ پوری جان سے لرز گیا۔
"امی پلیز مجھ سے غلطی ہوگئی ہے معاف کردیں۔" وہ منت کرنے لگا جبکہ سکینہ ہنوز خفا تھیں۔
"وہ معافی مانگ رہا ہے نا، بھلی لوگ اسے معاف کردے۔" وقار صاحب نے لب کشائی کی۔
"تم ابھی اور اسی وقت جاکر آمنہ کو لے کر آؤ۔" سکینہ نے نرمی اختیار کی، شاذب غصے سے بل کھا کر رہ گیا، مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اسے حکم بجالانا پڑا۔
"آمنہ کوئی لاوارث نہیں ہے ابھی ہم اس کے سر پر موجود ہیں۔" وہ سسرال پہنچا تو وہاں الگ بازپرس شروع ہوگئی تھی اس نے چائے پینے کے بعد آمنہ کو لے جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو ابو برہم ہوگئے۔
"آپ کیوں غصہ کرتے ہیں، شاذب تم بیٹھو آمنہ تیار ہو کر آتی ہے۔" زرینہ غصے کی بجائے عقل کا دامن تھامے ہوئے تھیں انہوں نے شوہر کو سمجھاتے ہوئے داماد سے کہا اور اٹھ کر چلی گئیں، ان کی واپسی بچوں اور آمنہ کے ساتھ ہوئی تھی۔
"پاپا..... پاپا۔" دونوں بچے اسے دیکھتے ہی خوشی سے بھاگے آئے اور اس سے لپٹ گئے۔
"کیسی ہو آمنہ؟" شاذب نے بچوں کو اپنی پرشفقت آغوش میں سموتے ہوئے دل میں غصے سے کھولتے مگر بظاہر مسکرا کر پوچھا، آمنہ کوئی جواب دیئے بناء کھڑی رہی شاذب کو غصہ تو بہت آیا مگر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔
"چلیں۔" وہ کچھ دیر بعد جانے کو تیار تھا، آمنہ سب سے مل کر گاڑی میں اس کے ساتھ آ بیٹھی، دونوں کے درمیان واضح سرد مہری تھی۔
"شکر ہے میری بچی گھر آگئی۔" وہ بچوں سمیت آئی تو اسے دیکھتے ہی سکینہ نے سکون بھری سانس لی، آمنہ انہیں سلام کرکے اپنے کمرے میں چلی گئی، شاذب کے تپے چہرے نے انہیں دونوں میں موجود تناؤ کا احساس دلا دیا، مگر وہ اسی میں خوش تھیں کہ بات زیادہ نہ بڑھی تھی۔

☆☆☆

"تحریم تم ارہم پہ توجہ دیا کرو، اگر بیوی شوہر کا خیال رکھے تو شوہر کا دھیان نہیں بٹتا ہے۔" وہ لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہی تھی، اس کے فرسٹ ائیر کے فائنل ایگزامز کے بعد ایک ہفتہ آف تھا، وہ اپنا پسندیدہ ڈرامہ دیکھ رہی تھی کہ اس کے قریب مٹر چھیلتی پھپھو نے اسے سمجھایا۔
"تحریم! بیوی چاہے تو شوہر کا دل مٹھی میں کرکے اس کی نظروں اور دل کو اِدھر اُدھر بھٹکنے سے روک سکتی ہے۔" وہ مٹر چھیل چکی تھیں انہوں نے فریزر سے گوشت کا پیکٹ نکال کر پانی میں برف پگھلنے کے لئے بھگو دیا۔
"پھپھو! آپ کو بھی میں قصوروار لگتی ہوں۔" وہ ارہم کی بے رخی اول روز سے سہہ رہی تھی پھپھو کا رویہ نسبتاً مشفق تھا، انہوں نے اسے سمجھایا تو وہ ان کی خلوص بھری چاہت کو غلط رنگ دے گئی، اس کے دل میں ملال جمع ہونے لگا۔
"تحریم میری جان! میں تمہاری بہتری کے لئے کہہ رہی ہوں بیٹا۔" انہوں نے اس کے قریب آکر محبت سے اس کا ماتھا چوم لیا، وہ انہیں بہو کی حیثیت میں بھی بے حد عزیز تھی، وہ ان کی اکلوتی بھتیجی اور اکلوتی بہو تھی وہ کیسے اس کی بھلائی نہ سوچتیں۔
"پھپھو! ارہم فاطمہ سے محبت کرتے ہیں۔" تحریم نے ٹی وی آف کردیا ویسے بھی اس کا دل ٹی وی دیکھنے سے اوب گیا تھا، اس کی یادداشت میں شب زفاف پوری جزئیات سمیت یاد آگئی، اس نے زندگی میں پہلی بار کسی مرد کو روتے دیکھا تھا، اس نے کبھی کسی مرد کو عورت کی محبت میں جوگ لیتے نہ دیکھا تھا، نہ سنا تھا، اس نے ارہم کو عورت کی محبت میں جوگ لیتے بھی دیکھا تھا اور اس کی محبت میں دھواں دھار ہوتے بھی، اس کے دل نے کئی بار شدت سے خواہش تھی کہ وہ کبھی تو اسے بھی محبت کی نظر سے نواز دے، وہ کبھی تو اس کے لئے بھی روئے مگر شاید وہ تو اسے دیکھنے تک کا روادار نہ تھا، وقت و حالات نے ارہم کے دل سے تحریم کی محبت کھرچ کر نفرت بھر دی تھی اس نے تحریم سے اپنی نفرت کسی سے بھی چھپانے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی، اس کے دل میں درد نے چٹکی بھری تو آنکھوں کی سطح نم ہونے لگی۔
"تم اس کی بیوی ہو۔" انہوں نے اسے خود سے لپٹا کر بیوی پر زور دیا، اس کا دل عجب لے پر دھڑک اٹھا لیکن وہ اگلے پل ارہم کا روڈلی رویہ یاد آنے پر بجھ گئی، بھلا اس نے اسے بیوی جیسا مان دیا ہی کب تھا جو وہ اس نہج پر سوچتی۔
"السلام علیکم!" خلاف معمول ارہم جلد گھر آگیا تھا، اس کے چہرے پر تھکن طاری تھی، سارا نے اظہار خفگی کے طور پر اس سے بات چیت کم کر رکھی تھی، انہوں نے آنکھ کے اشارے سے تحریم کو پانی کا گلاس لانے کا کہا۔
"پانی۔" تحریم نے گلاس لاکر ارہم کی طرف بڑھایا وہ چوڑیوں کی کھنک سے چونک گیا، اس کی نظریں تحریم کے سراپے میں الجھ کر رہ گئیں، وہ فیروزی کلر کے لائٹ کامدار سوٹ میں گولڈ کے لاکٹ سیٹ پہنے، بے حد دلکش لگ رہی تھی، ارہم نے بمشکل نظر چرا کر گلاس تھام لیا، اس کا ہاتھ تحریم کے ہاتھ سے چھوا تو اس کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا، وہ سنبھل کر پھپھو کے پاس آگئی۔
"ارہم آج تم جلدی آگئے۔" انہیں بیٹے کی تھکن نے موم کردیا وہ استفسار کیے بنا نہ رہ سکیں، ارہم نے گلاس ایک گھونٹ میں خالی کرتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔
"جی میری طبیعت کچھ بہتر نہ تھی، میں دو پریڈ آف کرکے آیا ہوں۔" ارہم انہیں بتا کر کمرے میں آرام کرنے چلا گیا، تحریم پریشانی سے اس کے پیچھے لپکی، پھپھو کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ بکھر گئی، وہ سر جھٹک کر کچن میں چلی گئیں انہیں کھانا تیار کرنا تھا۔

☆☆☆

رات کا نجانے کون سا پہر تھا، اس کی آنکھ انجانے احساس سے کھلی، کہیں دور سے سرگوشی نما آواز آ رہی تھی، اس نے گھبرا کر شاذب کو جگانا چاہا مگر بیڈ خالی تھا، وہ اک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی، سرگوشی قدرے اونچی مگر ناقابل فہم تھی، وہ دوپٹہ کندھے پر پھیلاتی دبے پاؤں باہر نکل آئی۔

"نائمہ میں تمہیں نہیں بھول سکتا ہوں، میں تم سے ضرور شادی کروں گا مگر تم تھوڑا سا انتظار تو کرو۔" سرگوشی واضح تھی، وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں آواز پہچان گئی، وہ اس آواز کو ہزاروں افراد کے شور میں بھی بخوبی پہچان سکتی تھی اس کے بڑھتے قدم رک گئے، فضا میں گہری خاموشی تھی جسے کبھی کبھار شاذب کی آواز کاٹتی تھی گلی میں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی نہ آ رہی تھیں۔

"نائمہ میرا اعتبار کرو میری جان، بس تھوڑا انتظار کر لو میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گا۔" شاذب کی بھنچی آواز آمنہ کے کانوں میں پگھلے سیسے کی مانند اتر رہی تھی اس کے وجود میں غصے و سرکشی نے بیک وقت سر ابھارا، اس نے ہوشمندی سے کام لیتے ہوئے عقل کا دامن تھاما اور دبے قدموں بنا آہٹ کیے پلٹ گئی اس کے قدم سکینہ کے کمرے کے سامنے رک گئے اس نے دروازے کی ناب گھمائی تو وہ معمولی چرچراہٹ سے کھلتا چلا گیا، آمنہ نے چونک کر مڑ کر شاذب کو دیکھا کہ کہیں وہ محتاط نہ ہو جائے، وہ اسے رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتی تھی، شاذب اپنی روٹھی محبوبہ کو منانے میں محو تھا وہ دروازہ کھلنے کی آواز نہ سن سکا، آمنہ اندر داخل ہو گئی۔

"کون ہے؟" اس نے سکینہ کے پاؤں کا انگوٹھا ہلایا تو وہ نیند سے ہڑبڑا گئیں۔

"خالہ آپ میرے ساتھ خاموشی اور آہستگی سے آئیں۔" آمنہ نے شور کے خدشے کے پیش نظر ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر ان کے کان میں سرگوشی کی، وہ خاموشی سے اس کے ہمراہ ہو لیں۔

"نائمہ! تم میری بات سمجھنے کی کوشش تو کرو۔" شاذب کی دھیمی سرگوشی خاموشی کی چادر چاک کر گئی، رات کی تنہائی میں کمرے سے باہر آتی شاذب کی سرگوشی نے سکینہ کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا، آمنہ کے بے تاثر چہرے اور سرد مہری بھری نگاہوں نے انہیں رنجیدہ کر دیا، وہ غصے سے آگے بڑھیں۔

"شاذب مجھے سمجھا، میں تیری بات سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں۔" سکینہ نے پیچھے سے شاذب کا سیل فون دبوچ لیا، وہ اس افتاد پر بوکھلا کر پلٹا، آمنہ اور امی پر نظر پڑتے ہی اس کا خون خشک ہو گیا، اس نے فوراً ماں سے موبائل چھین کر کال ڈسکنیکٹ کر کے نمبر ڈیلیٹ کر دیا۔

"یہ کون ہے؟" وہ شاذب کو کوسنے کے بعد بولیں، شاذب دم سادھے ان کی ڈانٹ سنے جا رہا تھا۔

"میں پوچھتی ہوں تو کس سے بات کر رہا تھا۔" وہ غصے سے گرجیں، ان کا بس نہ چل رہا تھا اسے کچا چبا جاتیں۔

"خالہ مجھے اس کے ساتھ نہیں رہنا ہے، یہ اس لڑکی کو شادی کے لئے انتظار کرنے کا کہہ رہے تھے۔" آمنہ نے انہیں ساری بات بتاتے ہوئے شاذب کو نفرت سے گھورتی پلٹ گئی، عورت اپنی ذات کی بے وقعتی کبھی برداشت نہیں کرتی، آمنہ کا دل بھی اپنی بے قدری اور بے وقعتی پر لہو تھا، اس کی برداشت ختم ہونے کو تھی۔

"آمنہ...... آمنہ میری بچی۔" وہ پریشان سے بہو کے پیچھے لپکیں، معاملہ سلجھنے کی بجائے مزید الجھ گیا تھا، انہیں اپنی اولاد سے یہ امید نہ تھی وہ تو خود یقین و بے یقینی کے مابین معلق تھیں، ان کا دل سہما جا رہا تھا۔

"آمنہ!" وہ روتی ہوئی آمنہ کے قریب آ کر اسے دلاسا دیتے دیتے خود رو دیں۔

"خالہ!" وہ ان کی محبت بھری ہمدردی پر بلک دی، سکینہ اس کا سر سہلانے لگیں دونوں کا غم یکساں اور دل بوجھل تھا۔

"خالہ! آپ شاذب بھائی سے پوچھیں، میری بہن میں کیا کمی ہے۔" آمنہ نے فون کر کے ماں کو ساری حقیقت بتا دی تھی، اگلے روز چھٹی تھی گھر میں موت کا سا سناٹا تھا، زرینہ بیٹے اور شوہر سمیت فون سنتے ہی پہنچ گئی تھیں، زید غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا، زرینہ نے بیٹے کا بازو نرمی سے دبا کر اس کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا، وہ غصے سے کھولتا خالہ سے مخاطب ہوا، زرینہ کو ڈر تھا کہ کہیں نوبت ہاتھاپائی تک نہ آ جائے۔

"بیٹا! تم چپ رہو، ہم بات کرتے ہیں۔" زرینہ نے رسانیت سے زید کے غصے کو قابو کرنا چاہا، شاذب مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"امی شاذب کسی لڑکی سے دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں۔" آمنہ روتے ہوئے ماں سے لپٹ گئی وہ شوہر کی بے وفائی پر رات سے آنسو بہائے جا رہی تھی۔

"آپی! اس شخص میں اتنی جرأت نہیں ہے، اسے اپنی زندگی تو عزیز ہوگی نا۔" زید غصے کا تیز تھا اور اس کے غصے کا گراف بہن کے آنسو دیکھ کر انتہائی سرے پر پہنچ گیا تھا، وہ تیز لہجے میں سنگین دھمکیوں پر اتر آیا۔

"میں دوسری شادی کر کے رہوں گا، تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔" شاذب بھی اس کا کزن تھا اور غصے میں اسی کا پرتو، وہ کب تک دب کر رہتا، اس نے بھی اس کے لہجے میں جواب دیا تو ماحول کا تناؤ بڑھ گیا۔

"زید بیٹا تم خاموش رہو۔" بات بڑھتے دیکھ کر ابو نے اسے سختی سے ٹوکا تو وہ غصے کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"شاذب تمہیں آمنہ سے کیا شکایت ہے۔" ابو نے سبھاؤ سے معاملہ سلجھانا چاہا تو وہ شرمندہ ہو گیا، آمنہ نے اسے کبھی شکایت کا موقع نہ دیا تھا، اس نے تو اس کی ہر ضرورت کا ہمیشہ پورا خیال رکھا تھا، قدم اس کے بہکے تھے مجرم بھی وہی تھا، آمنہ معصوم اور بے قصور تھی۔

"انکل آمنہ سے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔" شاذب کو لاکھ یاد کرنے پر بھی اس کی کوئی کمزوری یا کوتاہی یاد نہ آئی تو وہ اعتراف کیے بنا نہ رہ سکا تھا۔

"اوہ تو یوں کہیں آپ کے قدم بہک گئے ہیں۔" زید نے اسے آئینہ دکھایا، وہ شرمسار ہو گیا۔

"بھائی صاحب، ہم اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں آپ بے فکر ہو جائیں آمنہ کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوگی۔" وقار نے سمدھی کو دلاسا دیا۔

"ہم آمنہ کو لے جا رہے ہیں یہ تبھی آئے گی جب ہم شاذب کی طرف سے مطمئن ہو جائیں گے۔" انہوں نے اپنا حتمی فیصلہ سنا دیا، وہ بیٹی کے باپ تھے انہوں نے آمنہ کی پرورش نازو نعم سے کی تھی، ماحول پر گمبھیر خاموشی چھا گئی۔

"آپی! وہ لڑکی کتنی ظالم ہے اسے کسی لڑکی کے حق پر ڈاکا ڈالتے ذرا شرم نہیں آئی۔" دھوپ کئی روز بعد نکلی تھی فاطمہ دھوپ میں بیٹھی کنو کھا رہی تھی فاطمہ نے کنو کی پھانک کو نمک لگا کر منہ میں ڈالا۔

"تم بھی تو کسی کا انتظار کر رہی ہو، کیا وہ کسی

کے حق پر ڈاکا نہیں ہے۔" وہ آمنہ کے ساتھ کنو کھانے میں مشغول تبصرہ کر رہی تھی اسے ان دیکھی لڑکی سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی، آمنہ نے زہر خند نظروں سے اسے گھورا، وہ سخت چڑچڑی اور بدمزاج ہو رہی تھی، غصہ اور بیزاری اس کی ذات کا حصہ بن چکے تھے وہ اکثر بات بے بات بچوں کو بھی بری طرح پیٹ ڈالتی، زرینہ کبھی تو اسے سمجھانے لگتیں اور کبھی بے بسی و دکھ سے اس کے غم پر رونے لگتیں، فاطمہ کے کنو چھیلتے ہاتھ ساکت رہ گئے، وہ پتھر کی مانند بے حس و حرکت ہو گئی۔

"تم بھی تو کسی کے حق پر ڈاکا ڈال رہی ہو، کیا وہ ثواب کبیرہ ہے؟" آمنہ کے ترکش میں ابھی مزید تیر باقی تھے فاطمہ کا جگر چھلنی ہو گیا۔

"کیا میں بھی ظالم ہوں۔" اس نے پہلی بار اپنا محاسبہ کیا، اس کا ذہن بھٹک کر تحریم کی طرف جانے لگا، اس نے اذیت سے بھری آنکھیں زور سے میچتے ہوئے اپنی اذیت کم کرنا چاہی لیکن اذیت مزید بڑھتی جا رہی تھی۔

"فاطمہ انسان کو دوسروں پر تبصرہ کرنے سے پہلے اپنی ذات کا محاسبہ کر لینا چاہیے۔" آمنہ نے معاذ کے ہاتھ سے کنو کے چھلکے چھین کر دور پھینکتے ہوئے اپنا آخری تیر اس کے جگر میں بے دردی سے اتارا، وہ ساری جان سے لرز گئی۔

"کہیں میرا کیا تو میری بہن کو بھگتنا نہیں پڑ رہا۔" فاطمہ کے ذہن سے ظالم سوچ ٹکرائی تو وہ کانپ کر رہ گئی، وہ بھی تو کسی کے حق پر ڈاکا ڈال رہی تھی، آمنہ نے اسے آئینہ دکھایا تو وہ پہلی بار اپنا محاسبہ کرنے لگی وہ ارہم کے ساتھ رابطے میں تھی اور اس نے مزید تعلیم بھی اسی سے رابطے میں رہنے کے جاری رکھی تھی، وہ دونوں روزانہ ڈیپارٹمنٹ میں ملتے تھے، وہ فارغ ٹائم میں ارہم کے آفس چلی جاتی تھی اور وہ اکٹھے ریفریشمنٹ اور خوش گپیوں میں لطف اندوز ہوتے تھے، وہ عورت ہو کر عورت کی دشمن بن رہی تھی خواہ انجانے میں ہی سہی مگر اس نے حقیقتاً تحریم کے ساتھ بہت برا کیا تھا، شاید اسے کبھی اپنی غلط روش کا احساس نہ ہوتا اگر آمنہ آپی یوں روٹھ کر میکے نہ آ جاتیں، وہ خود احتسابی کے کڑی عدالت میں مجرموں کی طرح حاضر تھی۔

اس نے آپی پر اک چور نظر ڈالی وہ ماتھے پر تیوری چڑھائے معاذ اور معوذ کے ہاتھ نل پر دھلوا رہی تھی، وہ مضمحل قدموں سے بوجھل دل لئے وہاں سے اٹھ گئی، معوذ کے ہاتھ دھلواتی آمنہ نے پلٹ کر اک نظر فاطمہ پر ڈالی، اس کی نظروں سے فاطمہ کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ پوشیدہ نہ رہی، اس کا دل بہن کے لئے لمحہ بھر کو دکھا۔

☆☆☆

"فاطمہ مجھے معاف کر دو۔" شاذب کی گرل فرینڈ اسے ہری جھنڈی دکھا کر جا چکی تھی اسے آمنہ کی وفا و محبت یاد آئی تو وہ اسے منانے چلا آیا، نائمہ کو اس سے زیادہ دولتمند شخص مل گیا تھا وہ محبت کی نہیں دولت کی پجارن تھی اسے اپنے باس سے زیادہ دولتمند شخص ملا تو اس نے اپنے محبت کے عہد و پیمان توڑنے میں لمحہ بھر کی تاخیر نہ کی، آمنہ امی کی ہدایت پر شاذب کے لئے چائے بنا رہی تھی فاطمہ پانی پینے کے لئے کچن میں آئی تو آمنہ نے ندامت سے اس سے معافی مانگی، فاطمہ کا ہاتھ میں گلاس لرز گیا۔

"فاطمہ مجھے معاف کر دو۔" آمنہ نے برز کی آنچ دھیمی کر کے فاطمہ کی پشت کے گرد بانہوں کا محبت بھرا گھیرا ڈال دیا، فاطمہ کے دل سے اک ہوک اٹھی اس نے بمشکل لبوں پر سسکی روکی اور کرب سے آنکھیں بند کر لیں، بند پلکوں

کے پیچھے تکلیف دہ اور ناقابل فراموش خوبصورت ماضی ہلکورے لینے لگا، ارہم کی خوبصورت شبیہ دل و دماغ پر مضبوطی سے چسپاں تھی۔

"تھینکس او کے آپی۔" آمنہ اس کی پشت کے گرد بازو محبت سے رگڑ رہی تھی اس کا سر فاطمہ کے کندھے پر تھا فاطمہ نے ماضی سے بمشکل انگلی چھڑا کر حال میں آنکھ کھولی تو آنسو کا اک قطرہ اس کے گال پر پھسل پڑا تھا۔

"فاطمہ تم مجھ سے خفا تو نہیں ہو نا۔" آمنہ نے اس کا چہرہ اپنی سمت کرتے ہوئے آس بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا، وہ اپنے چڑچڑے پن میں بہن کا دل توڑ چکی تھی، اسے ملال دل کا بوجھ بے سکون کر رہا تھا۔

"نہیں آپی! میں آپ سے بالکل ناراض نہیں ہوں۔" فاطمہ نے اپنے چہرے پر جبری مسکراہٹ طاری کی، وہ اسے مزید نادم نہ کرنا چاہتی تھی وہ ان دنوں جن کرائسز سے گزری تھی ان حالات میں کوئی بھی انسان چڑچڑا اور بدمزاج ہو جاتا ہے۔

"تھینک یو فاطمہ۔" وہ ممنونیت سے مسکرا دی، چائے تیار ہو چکی تھی وہ چائے کپ میں انڈیلنے لگی۔

"آمنہ میں تم سے بہت شرمندہ ہوں میری جان! مجھے تم سے معافی کے ملنے الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔" آمنہ والدین کی ڈھیروں دعاؤں تلے اپنے جنت نما گھر میں واپس آ گئی تھی، شاذب نے اسے کبھی دکھ نہ دینے کا اس کے والدین کو بھرپور یقین دلایا تھا بلکہ اس نے ابو کے پاؤں پکڑ کر معافی بھی مانگی تھی، وہ خالہ اور خالو سے مل کر کمرے میں آ گئی تھی جبکہ بچے چاچو سے کھیلنے لگے تھے وہ کھڑکی سے سر ٹکائے باہر لان میں بچوں کو عارب سے کھیلتا دیکھ رہی تھی، شاذب کی دلکش گمبھیر آواز اس کی پشت پر ابھری تو وہ چونک کر مڑی۔

"آمنہ پلیز۔" وہ اس پر اک نگاہ ڈال کر پلٹی تو شاذب تڑپ گیا، وہ سپاٹ و بے تاثر چہرہ لئے سرد مہری سے رخ موڑے رہی، شاذب کی ندامت بڑھ گئی آمنہ اس کے چہرے پر غم کا شائبہ تک برداشت نہ کرتی تھی اور اب..... اب وہ غیریت اور اجنبیت کی انتہا پر تھی، اسے شاذب کے غم پر کوئی دکھ محسوس نہ ہو رہا تھا، اسے شاذب کی قربت یا تنہائی میں اس کا ساتھ کوئی خوشی نہ دے رہا تھا وہ تو سات سال بعد بھی تنہائی میں اس کی محبت بھری قربت میں یوں پگھلتی تھی جیسے شادی کے اولین دنوں میں، شاذب نے اس کی محبت و وفا کی قدر نہ کی تھی، اسے قدرت نے سزا بھی دے ڈالی مگر وہ اسے معاف کرنے پر تیار نہ تھی اس کا دل اپنی بے وقعتی آسانی اور جلدی بھولنے کو تیار نہ تھا۔

"میں تم سے معافی مانگ رہا ہوں یار۔" شاذب نے استحقاق سے اس کا رخ اپنی طرف کرتے ہوئے محبت بھری شوخ شرارت کی، اس کے سپاٹ پن اور سرد مہری میں کمی نہ آئی تھی، شاذب کا دل بجھنے لگا۔

"مائی کیسی شاذب، اگر نائمہ آپ کو چھوڑ کر نہ جاتی تو کیا آپ تب بھی مجھے منا کر لاتے؟ کیا آپ اس سے شادی نہ کرتے۔" آمنہ نے خاموشی توڑی، شاذب ندامت سے نظریں چرا گیا، وہ غلط نہ کہہ رہی تھی، اس نے نائمہ کی محبت میں بیوی کے حقوق سے پہلوتہی کی تھی اسے سزا تو ملنا تھی، آمنہ کی تیز چبھتی نظریں اسی پر جمی تھیں، اس کی نگاہوں کی طنزیہ کاٹ شاذب کا کاٹ گئی۔

"مجھے بخوبی علم ہے آپ مجھے کبھی نہ لاتے لیکن میں نے آپ کو معاف کیا شاذب۔" آمنہ

نے اسے نئی زندگی کی نوید سنا ڈالی وہ خوشی سے کھل اٹھا۔

"تھینک یو سو مچ ڈارلنگ، یو آر گریٹ۔" شاذب نے فرط جذبات سے اسے اپنی بانہوں کے مضبوط گھیرے میں جکڑ لیا، اسے شاذب کو معاف تو کرنا ہی تھا، وہ عورت تھی اور عورت برداشت و صبر کا دوسرا نام ہے اسے برداشت و صبر سے کام لینا تھا، اپنے بچوں کے لئے، اسے اپنے بچوں کے لئے سمجھوتا کرنا پڑا ورنہ دل دل بے وفتی پر خون کے آنسو روتا تھا، آمنہ نے اس کے سینے میں منہ چھپالیا، آنسو اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے۔

☆☆☆

"ارہم میں تم سے شادی نہیں کر سکتی ہوں۔" ان دونوں کا پیریڈ فری تھا، فاطمہ اس کے بے حد اصرار پر اپنی مخصوص جگہ یعنی یونیورسٹی کے پچھلے سرے پر پھیلے باغات کے وسیع احاطے میں آ گئی، وہ خلاف معمول بے حد خاموش اور سنجیدہ تھی، وہ کچھ روز سے آمنہ آپی کی وجہ سے بہت پریشان رہتی تھی، مگر اب وہ بھی اپنے گھر چلی گئی تھیں، ارہم نے اس کی غیر معمولی خاموشی کی وجہ پوچھی تو فاطمہ نے گہری سنجیدگی اور سکون سے کہا، اس کے چہرے پر سکون و اطمینان تھا۔

"واٹ؟ تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہو۔" وہ بے یقینی کی انتہا پر تھا، فاطمہ کی بے لوث محبت و چاہت ہی اسے تحریم سے دور رکھے ہوئے تھی، وہ اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا اور خود فاطمہ ایسا کب چاہتی تھی اسے اچھی طرح یاد تھا وہ اس کی شادی کا سن کر کتنا روئی تھی اور اس کی شب زفاف فاطمہ نے کتنے کرب سے گزاری تھی۔

"فاطمہ تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی ہو۔" وہ مرو کے کمزور تنے سے ٹیک لگائے خاصی مضمحل اور کمزور لگ رہی تھی، اس کے چہرے سے جھلکتے کرب اور آنکھوں سے عیاں اداسی بتاتی تھی کہ وہ یہ فیصلے کرتے ہوئے ضبط و کرب کی کن منزلوں سے گزاری ہے، ارہم نے بے قراری سے اسے بازوؤں سے پکڑ کر بری طرح جھنجھوڑ ڈالا ارہم اسے ہوش میں لانا چاہتا تھا وہ نجانے کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی تھی، راستے بدلنا اور الگ الگ منزلوں کے راہی بننا دونوں کے لئے ہی ناقابل برداشت اور ناممکنات میں سے تھا۔

"ارہم! بعض فیصلے دل کے نہیں عقل کے تابع ہوتے ہیں۔" فاطمہ کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی سی چبھن تھی اس کی آنکھوں میں پھیلی ضبط کی لالی گواہ تھی کہ وہ اندرونی جنگ سے بے حال ہے، فاطمہ کے لبوں پر دھیمی مسکان بکھر گئی۔

"مجھے چھوڑ کر مت جاؤ فاطمہ، میں تمہارے بغیر مر جاؤں گا۔" ارہم اس کی اسی مسکان کا دیوانہ تھا، اس نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط گرم ہاتھوں میں تھامتے ہوئے التجا کی، اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ وہ جدائی کو اپنے درمیان آنے سے روک دے، اس پل اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کیسے اس خبطی لڑکی کو اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کر دے۔

"میں ظالم لوگوں میں سے نہیں ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم مجھے کسی دوسری عورت کے حق پر ڈاکا ڈالنے کی ترغیب نہ دو گے۔" فاطمہ کی ٹون بالکل بدلی ہوئی تھی، ارہم کے لئے اس کا یہ روپ بالکل نیا اور الگ تھا وہ نئی فاطمہ لگ رہی تھی، اس فاطمہ سے یکسر مختلف جسے وہ تین سال سے جانتا تھا، ارہم کے الفاظ اس کے منہ میں رہ گئے۔

"فاطمہ! میرا کیا قصور ہے مجھے میری غلطی بتاؤ میں خود کو تمہاری پسند میں ڈھال لوں گا۔" ارہم بے تابی سے فاطمہ کے سامنے آ گیا، اس کے چہرے سے چھلکتی تشویش و پریشانی نے فاطمہ کا دل مٹھی میں بھینچ لیا، اس کا عزم و استقلال ڈگمگانے لگا اور فیصلے میں دراڑیں پڑنے لگیں۔

"ارہم! میں ناعمہ نہیں بننا چاہتی ہوں۔" وہ کمزور لفس کی گرفت میں تھی اس کا دل ارہم کے تڑپنے پر کرلا رہا تھا، ارہم بے قرار تھا تو وہ کہاں خوش تھی، اس نے رندھے لہجے میں کہتے ہوئے اس کے ہاتھوں پر چہرہ ٹکا دیا، اس نے دھیرے دھیرے اسے ساری داستاں سنا دی، ارہم نے لٹے جواری کی طرح اس سے ہاتھ چھڑوا لیا، وہ اس سے کبھی بھی فیصلہ نہ بدلوا سکتا تھا وہ اس کی خاطر سب سے لڑنے کو تیار تھا اور وہی اسے بیچ رستے میں چھوڑ گئی تھی، وہ ہارے جواری کی طرح نیچے ڈھے گیا، فاطمہ کا دل ڈولنے لگا۔

"ارہم! تم تحریم کی طرف لوٹ جاؤ، میری دعا ہے تم سدا سکھی رہو۔" فاطمہ کا ارادہ متزلزل نہ ہوا تھا، وہ فیصلہ تو اسی روز کر چکی تھی جب آپی نے اسے اس کو اس کی غلطی کا احساس دلایا تھا، وہ دل و دماغ میں جاری کشمکش سے صرف نظر کیے ہوئے تھی، دل اس کا ارادہ ڈگمگانے کی کوشش کر رہا تھا، ارہم سے کچھ نہ بولا گیا، وہ اسے آنسو بھری شکوہ کناں نظروں سے دیکھ کر رہ گیا، فاطمہ اس کی نگاہوں میں چھپے شکوؤں کی تاب نہ لا سکی اس نے رخ موڑ لیا۔

☆☆☆

رات کی گہری تاریکی اور جامد سناٹا اس کی روح میں اتر رہا تھا، وہ درد دل سے بے حال بیڈ پر اوندھے منہ لیٹا تھا، تحریم گہری نیند میں محو تھی، فاطمہ اسے یوں بیچ راہ میں چھوڑ جائے گی اسے کبھی گمان نہ گزرا تھا، ان دونوں کی سچی و شفاف محبت ملن کی آخری سرحد تک پہنچ کر واپسی کے رستے پر مڑ گئی تھی، واپسی کا سفر طویل اور تھکان بھرا تھا، اس کا دل ہی نہیں روح تک لہولہان تھی اس کے اندر گھٹن بڑھنے لگی۔

"ارہم! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔" تحریم نے اسے بے چینی سے کروٹیں بدلتے دیکھا تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی، اس کی آنکھ پیاس کے احساس سے کھلی تھی وہ پانی پینے کے لئے اٹھی تو ارہم بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا، وہ سنی ان سنی کرتا سوتا بن گیا، تحریم اسے دکھی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

وہ پانی پی کر آئی تو ارہم سو چکا تھا اس نے اسے کمبل اوڑھایا اور سونے کے لئے لیٹ گئی چند لمحوں بعد تحریم سو گئی تو چت لیٹے ارہم نے آنکھیں کھول دیں، نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، اس نے امی ابو اور تحریم سبھی کے ساتھ بدسلوکی کی تھی مگر اس کا دامن پھر بھی خالی تھا۔

"تم تحریم کی طرف لوٹ جاؤ ارہم۔" اس کے کانوں میں فاطمہ کی آواز گونجی، اس نے تحریم کو دیکھا وہ دنیا و مافیا سے بے نیاز نیند میں محو تھی، وہ تحریم کے متعلق سوچنا چاہتا مگر فاطمہ ذہن و دل پر اتنا حاوی تھی کہ وہ چاہ کر بھی اس کے متعلق نہ سوچ سکا، محبت اپنے اختیار میں ہوتی تو وہ فاطمہ کے کہے پر فوراً عمل شروع کر دیتا، سوچوں میں گم ارہم پر نجانے کب نیند حاوی ہو گئی۔

☆☆☆

"عدن تمہارا سب انتظار کر رہے ہیں، جلدی تیار ہو جاؤ۔" وہ واش روم میں نہانے گھسا تو منیرہ آپی نے پیچھے سے ہانک لگائی، اس کی ربیعہ سے منگنی تھی۔

گھر میں مہمان اکٹھے ہو چکے تھے، وہ تیار کر نکلا تو سب نیازی صاحب کے ہاں روانہ ہو گئے۔

''ربیعہ بہت حسین لگ رہی ہو۔'' عدن کی منگنی کے وقت بڑوں کے درمیان لا کر بٹھایا گیا تو اس نے کسی کو کہتے سنا، اس نے کن انکھیوں سے دلہن کی طرح تیار ربیعہ کو دیکھا وہ بلاشبہ بے حد حسین تھی، عدن نے اپنے بڑوں کا مان رکھا تھا تو قدرت نے اسے مایوس نہ کیا، اسے انعام میں حسین ساتھی سے نوازا گیا تھا۔

''عدن بیٹا! ربیعہ کو رنگ پہناؤ۔'' نفیسہ بیگم نے عدن کو ڈائمنڈ رنگ تھمائی، اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے رنگ پہنا دی، خوشی سب کے چہروں پر رقصاں تھی۔

''ارہم! تحریم بیٹا تم دونوں بھی آؤ نا۔'' وہ دونوں بظاہر خوش باش باتوں میں مگن تھے سارا نے ان دونوں کو فوٹو سیشن کے لئے بلوایا، وہ اسٹیج کی طرف بڑھ گئے، تحریم کا دل ارہم کی قربت میں موم کی طرح پگھلنے لگا۔

''امی! آپ خالہ کو ہاں کر دیں۔'' دوسری طرف فاطمہ نے کچن میں آٹا گوندھتی زرینہ کو مخاطب کیا، فاطمہ کا آف تھا، وہ صبح دیر سے جاگی تھی، امی نے اس کے لئے ناشتہ تیار کر دیا تھا، اس کا سر رات سے کچھ بھاری اور جی بھی متلا رہا تھا، فاطمہ سوچوں میں گم ناشتہ ٹھونگ رہی تھی، زرینہ نے اسے ٹوکنا بھی چاہا مگر اس کے چہرے پر پھیلے سکون نے انہیں روک دیا، وہ بہت دنوں بعد مطمئن نظر آ رہی تھی، زرینہ سے آمنہ نے فاطمہ اور ارہم کا ذکر کر دیا تھا۔

وہ فاطمہ کے لئے متفکر تھیں کہ آمنہ کا مسئلہ کھڑا ہو گیا، وہ پریشانی میں فاطمہ کا خیال بھول چکی تھیں، آمنہ کا مسئلہ بخیر و اسلوبی انجام پایا تو وہ سکون کا سانس لے پائیں۔

''امی آپ خالہ کو ہاں کر دیں۔'' زرینہ آٹا گوندھ کر ڈبے میں رکھ کر ڈھکن بند کر رہی تھیں کہ فاطمہ نے انہیں مخاطب کیا تھا، وہ متحیر و مسرور سی پلٹیں، وہ بے حد سنجیدہ اور مطمئن تھی۔

''فاطمہ! تم خوش تو ہو نا۔'' وہ آٹا فریج میں رکھ کر اس کے پاس آ گئیں، وہ اس کے فیصلے پر بے حد خوش ہوئی تھیں، وہ تو دل سے چاہتی تھیں کہ ان کی دونوں بیٹیاں ایک ہی گھر جائیں، فاطمہ مان گئی تھیں انہیں اور کیا چاہیے تھا، انہیں ارہم کا خیال آیا تو اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھے بنا نہ رہ پائیں، وہ ارہم کی بے انتہا چاہتی تھی اس کا انتظار کرنے کے لئے مزید پڑھائی جاری رکھے ہوئے تھی، وہ یکا یک کایا پلٹ کی وجہ جاننے کو بے تاب تھیں، شاہ اپنے کمرے میں تھی وہ بہو کی غیر موجودگی پر مطمئن تھیں اسی لئے کھل کر گفتگو کر رہی تھیں۔

''جی امی! میں بہت خوش ہوں۔'' فاطمہ نے آخری نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے برتن اپنے سامنے سے ہٹائے، وہ ماں کی کھوجتی نظروں سے جز بز ہونے لگی۔

''فاطمہ! ماں سے کیا چھپانا چاہتی ہو؟'' وہ ماں کی سوالیہ نظروں سے فرار پانے کو اٹھنے لگی تو زرینہ نے ملائمت سے پوچھا، فاطمہ کا دل پگھلنے لگا، اس نے بمشکل اپنی آنکھوں کی سطح بھیگنے سے بچائی، وہ ماں کے سامنے کمزور نہ پڑنا چاہتی تھی اسے ان کے سامنے خود کو خوش باش ظاہر کرنا تھا۔

''امی مجھے نائمہ نہیں بننا ہے۔'' اس نے مضبوط مگر گہرے لہجے میں اقرار کیا، اس کے لہجے میں درد، دکھ، احساس زیاں سبھی کچھ تھا لیکن اس کے چہرے پر پھیلے سکون نے انہیں مطمئن کر دیا وہ اس کا مطلب سمجھ کر چپکی رہیں۔

''فاطمہ! عارب بہت اچھا لڑکا ہے تم اس کے ساتھ خوش رہو گی۔'' زرینہ نے درمیان میں چھائی خاموشی کا پردہ چاک کیا۔

''مجھے آپ کی دعائیں چاہئیں امی۔'' اس نے ماں کے ہاتھ تھام لئے، ان کے چہرے پر فاطمہ کے بھولپن پر مسکراہٹ بکھر گئی، وہ تو اس کے لئے ہمہ وقت دعا گو رہتی تھیں۔

فاطمہ کے ہاں کرنے کی دیر تھی گھر میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے، انہوں نے منگنی کی بجائے ڈائریکٹ شادی کی ڈیٹ فکس کی تھی، فاطمہ اس روز کلاس میں اپنی شادی کے کارڈ بانٹ رہی تھی، اس نے اپنی پوری کلاس کو انوائیٹ کیا تھا۔

''ارہم! یہ میری شادی کا کارڈ ہے۔'' وہ ارہم کے آفس آئی تھی ارہم اسے دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھا تھا وہ سمجھ رہا تھا کہ فاطمہ اسے اپنے فیصلے میں ترمیم سے آگاہ کرنے آئی ہے، اس نے ارہم کی سماعتوں پر بم گرایا، اس کے مسکراتے لب بھینچ گئے اور آنکھوں میں ہلکی نمی پھیل گئی، فاطمہ اپنی جگہ چور بن گئی۔

''تم بیٹھنے کے لئے نہ کہو گے۔'' اس نے کارڈ ارہم کی ٹیبل پر لیپ ٹاپ کے پاس رکھتے ہوئے ٹیبل کی شفاف سطح پر ہاتھ پھیرا، جدائی دل کی رگوں کو چیرتی ہے ارہم کی آنکھوں میں ضبط کی لالی بکھر گئی فاطمہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا مگر اسے خود کو مضبوط ظاہر کر کے خوش نظر آنا تھا۔

''تم میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہی ہو۔'' ارہم نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے چیئر سنبھالی، وہ اسے بے وفا بھی نہ کہہ سکتا تھا کہ فاطمہ کے پوائنٹ آف ویو میں مجبوری و قربانی تو تھی لیکن بے وفائی نہیں، ارہم بے بسی کی سرحد پر تھا۔

''ارہم اسی میں ہم دونوں کا بھلا ہے، آخر تحریم بیچاری کا کیا قصور ہے میں عورت ہو کر دوسری عورت کا حق کیوں ماروں۔'' فاطمہ نے نظریں جھکا کر دھیمی سرگوشی کی، شاید قدرت نے آمنہ آپی کا مسئلہ اس کی آنکھیں کھولنے کے لئے پیدا کیا تھا، اسے سامنے کا منظر صاف نظر آ رہا تھا، فرق یہ تھا کہ دل لہولہان تھا، دل کا کیا ہے یہ بچی محبت کے دو بولوں سے بہل بھی جلد جاتا ہے اسے یقین تھا کہ وہ عارب کی پرمحبت رفاقت میں خوش و مطمئن زندگی گزارے گی، ارہم کی زبان گنگ تھی۔

''میری شادی میں ضرور آنا ارہم، میں تمہیں عارب سے ملواؤں گی۔'' وہ کچھ دیر بعد جانے کو تیار تھی، ارہم نے اسے شکوہ کناں نظروں سے دیکھا وہ اتنی ظالم و کٹھور تو کبھی نہ تھی، وہ تو بہت نرم دل اور دوسروں کی تکلیف پر فوراً تڑپ جانے والی تھی۔

''اللہ حافظ ارہم۔'' وہ الوداعی کلمات کہہ کر اسے بمشکل نظر انداز کر کے دروازے کی سمت بڑھی، اس کی چال کی مضبوطی، مضبوط عزم و استقلال کی غماز تھی۔

''تحریم کو اس کا حق دے دو ارہم۔'' وہ دروازے تک جا کر پلٹی اور گہری معنی خیز نظر اس پر ڈال پر تیزی سے باہر نکل گئی، ارہم اس کی نگاہ پہچان گیا تھا، لیکن اس کی بات ماننا اس کے اختیار میں نہ تھا۔

☆☆☆

''سر! میں ریزائن دینا چاہتا ہوں۔'' ارہم نے کافی سوچ بچار کے بعد فاطمہ کی یادوں سے چھٹکارا پانے کے لئے بیرون ملک جانے کا فیصلہ کیا تھا وہ ہائر ایجوکیشن کے لئے آسٹریا جانا چاہتا

تھا، وہ استعفیٰ لے کر سر آفندی کے آفس آ کر اپنی آمد کا مقصد ظاہر کیا۔

"ارہم! کیا تمہیں کوئی پرابلم ہے۔" سر آفندی نے تشویش سے اس کا استعفیٰ پکڑنے سے انکار کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"سر! میں ہائر ایجوکیشن کے لئے آسٹریا جانا چاہتا ہوں۔" اس نے اپنی مشکل بتائی۔

"تم استعفیٰ کی جگہ سٹڈی لیو لے لو۔" انہوں نے مخلصانہ مشورہ دیا۔

"سر! میں واپس آ کر کچھ اور کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے بہانہ گھڑا اس نے اپنا فیوچر پلان نہ کیا تھا۔

"او کے جیسے تمہاری مرضی۔" سر آفندی نے رضامندی سے سر ہلا دیا۔

گھر میں جس نے بھی سنا اسی نے ارہم کے فیصلے کی شدید مخالفت کی، سارا اکلوتے بیٹے سے دوری کے خیال سے کئی بار رو چکی تھیں، تحریم اس سے جدائی کا تصور ہی نہ کرنا چاہتی تھی کجا یہ کہ وہ دو سال کے لئے جا رہا تھا وہ اس سے بات نہ کرتا تھا، اسے دیکھتا نہ تھا مگر وہ کم از کم تحریم کی نظروں کے سامنے تو تھا، وہ تو اسے جی بھر کے دیکھتی تھی اگر وہ آسٹریا چلا جاتا تو دوری مزید بڑھ جاتی، وہ جدائی سے ڈرتی تھی اور جدائی نے ان کے درمیان ڈیرے ڈال لئے تھے۔

"وہ کہاں ہے ذرا بلاؤ اسے۔" وہ لان میں اترتی سیڑھیوں پر ہاتھوں کے پیالے میں منہ دیے بیٹھی تھی، نفیسہ بیگم آ گئیں وہ ارہم کو خود سمجھانے آئی تھیں، تحریم اسے بلانے چلی گئی، نفیسہ بیگم لان میں چیئرز پر بیٹھ گئیں۔

"السلام علیکم نانی جان!" تحریم ارہم کو بھیج کر کچن میں ان کے لئے چائے بنانے چلی گئی تھی، ارہم نے محبت سے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر گھاس پر بیٹھ گیا۔

"وعلیکم السلام نانی کی جان!" انہوں نے شفقت بھرا بوسہ اس کے ماتھے پر دیا۔

"ارہم نہ جا میرے بچے۔" انہوں نے ارہم کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ دیے، ارہم چونک کر انہیں دیکھنے لگا، ان کے ملتجی لہجے نے ارہم کو قدرے موم کر دیا تھا۔

"نانی میں بہتر مستقبل کے لئے جا رہا ہوں۔" وہ رسانیت سے انہیں سمجھانے لگا۔

"تم اچھی بھلی نوکری کر رہے تھے بھلا کیا ضرورت تھی تمہیں نوکری چھوڑنے کی۔" وہ ان پر بگڑیں، ان کے تصور میں تحریم کی بھیگی پلکیں آ گئیں، وہ تحریم کی پریشانی کا سوچ کر ہی پریشان ہو جاتی تھیں، ان کا بس نہ چل رہا تھا وہ کسی طرح ارہم کو روک لیں، انہیں تو اس کی نوکری میں کوئی خامی نظر نہ آتی تھی۔

"نانی جان! بہتر زندگی گزارنا ہر انسان کا حق ہے۔" اس نے ان کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا تھا۔

"تو نہ جا ارہم، چند سال بعد تحریم بھی ڈاکٹر بن جائے گی، تم دونوں مل کر بہتر زندگی گزار سکتے ہو۔" نانی نے غصہ بھول کر نرمی بھری رسانیت سے اسے منانا چاہا، وہ اسے ہر صورت روکنا چاہتی تھیں وہ بے خبر تھیں کہ ارہم اٹل فیصلہ کر چکا ہے اور اس نے سکالرشپ کے لئے بھی اپلائی کر دیا ہے، وہ اسے خوشحال مستقبل کے خواب تحریم کی سنگت میں دکھا رہی تھیں جبکہ وہ صرف اسی سے تو فرار حاصل کر رہا تھا، وہ اپنا دل سنبھلنے پر واپس لوٹ آتا۔

"نانی جان پلیز، آپ مجھے دعائیں دیں آپ کی دعاؤں سے کامیابی میرے قدم ضرور چومے گی۔" ارہم نے مان و یقین سے ان کا ہاتھ دبایا تو وہ چند لمحے چپ رہ گئیں۔

"میری مان لے ارہم، تحریم تیرے بغیر مر جائے گی۔" نانی جان نے دھیمی سرگوشی میں دور خلاؤں کو دیکھا، ارہم سناٹے میں رہ گیا، وہ بے یقینی سے نانی کو دیکھنے لگا اسے اپنی سماعتوں پر شبہ ہوا تھا۔

"تحریم تیرے بغیر مر جائے گی ارہم، تیرے لئے تو اس نے عدن کو چھوڑا تھا، ارہم اس نے مجھے کہا تھا اگر وہ تجھ سے دور ہوئی تو وہ مر جائے گی، میری تحریم کو چھوڑ کے نہ جا۔" نفیسہ کی سرگوشی مزید دھیمی ہو کر آنسوؤں کی آمیزش میں شامل ہو گئی۔

"نانی جان! میں بھی آپ کی تحریم کے لئے ہی جا رہا ہوں۔" اس نے مصلحتاً انہیں مطمئن کرنے کے لئے جھوٹ بولا، اس کے دل پر اک بوجھ آ گرا تھا۔

☆☆☆

وہ چیئر پر بیٹھا آگے پیچھے جھول رہا تھا سوچیں و یادیں آکٹوپس کی طرح دماغ سے چمٹی تھیں فاطمہ اپنے خواب سے سراسیمہ اسے کھونے سے ڈرتی تھی اور تحریم کو اس سے دوری گوارا نہ تھی، فاطمہ نے خواب میں اسے کسی اور کا ہوتے دیکھا تو اس نے رو رو کر اپنی آنکھیں سوجا لی تھیں جبکہ تحریم کسی اور کی ہونے لگی تو اس نے سب سے بیر باندھ لیا، دونوں کی محبت میں شدت تھی، دونوں اس کی دیوانی تھیں اور وہ...... وہ محبت پا کر بھی تہی داماں تھا۔

"محبت انسان کو اتنا بے بس کیوں کر دیتی ہے۔" اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

"تحریم ادھر آؤ۔" تحریم کالج سے لوٹی تھی اس نے آہٹ پر آنکھیں کھول دیں۔

"تحریم! محبت انسان کو بے بس کر دیتی ہے، مجھے فاطمہ کی یادوں سے چھٹکارا پانے کے لئے دوری چاہیے، تم میری بات سمجھ رہی ہو۔" وہ ارہم کے قریب بیٹھی تو ارہم نے اسے نرمی سے مخاطب کیا، وہ اس سے کئی روز بعد محبت بھری نرمی سے بولا تھا، اس کے لئے یہی کافی تھا، اس نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔

"تحریم! میں دو سال بعد لوٹ آؤں گا، کیا تم میرا انتظار کرو گی۔" ارہم نے نرمی سے اس کی چمکدار آنکھوں میں جھانکا، وہ اسے محبت کی آس دلا رہا تھا، تحریم اس کا انتظار تا عمر کر سکتی تھی، اس نے اثبات میں سر ہلا دیا، ارہم کے چہرے پر نرم مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆☆☆

بارش رک چکی تھی، ماحول پر چھائی اداسی اس کی روح میں اترنے لگی، اس نے اپنے آنسو پونچھے اور دودھ کا مگ لبوں سے لگا لیا، دودھ ٹھنڈا اور بدمزہ ہو چکا تھا اسے گرم دودھ میں مائلو پسند تھا، دودھ ٹھنڈا ہونے سے مائلو کا ذائقہ تبدیل ہو گیا تھا، اس نے مشکل سے آخری گھونٹ بھرا اور مگ خالی کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا، اسے صبح تک اسائنمنٹ مکمل کرنا تھی رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی، وہ تندہی سے اسائنمنٹ مکمل کرنے لگی۔

"تحریم میرا بچہ ساری رات پڑھتا رہا ہے۔" وہ ناشتے کی ٹیبل پر آئی تو دادی نے محبت سے اسے اپنی پرشفقت آغوش میں سمو لیا، ارہم نے ایجوکیشن مکمل کر کے وہیں جاب کر لی تھی اسے گئے چار سال ہو گئے تھے، اس نے تحریم سے انتظار کرنے کو کہا تھا اور وہ اس کے حکم کی تعمیل کر رہی تھی، وہ مسکراتی ان کے قریب تک گئی۔

"بھابھی! میں آج لیٹ آؤں گی، میں اسائنمنٹ سمٹ کروا کر لائبہ کے گھر جاؤں گی آپ امی کو بتا دیجئے گا۔" وہ ناشتہ کر رہی تھی کہ

وین اسے لینے آگئی، وہ بھابھی کو بتا کر تیزی سے بھاگی، منیرہ نے دھیرے سے سر ہلا دیا، دادی کی محبت بھری نگاہوں نے اس کا دور تک پیچھا کیا تھا۔

☆☆☆

"ربیعہ میری ٹائی کہاں ہے۔" صبح ناشتے پر ہڑبونگ کا منظر ہوتا تھا، ظہیر ڈائننگ ٹیبل، عدن کمرے اور زارا کچن سے ربیعہ کو پکارتی رہتیں، اس کا ایک پاؤں کہیں اور دوسرا کہیں ہوتا تھا، وہ زارا کے ساتھ ناشتہ تیار کروا رہی تھی، عدن نے اسے بلایا تو وہ اس کی ٹائی ڈھونڈنے چلی آئی۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی عدن، یہ سامنے پڑی ہے۔" ربیعہ ٹائی ڈھونڈنے آئی سامنے بیڈ پر ٹائی دیکھ کر چلائی۔

"ٹائی تو نظر آ رہی تھی تمہیں دیکھنا تھا۔" وہ بے دھیانی میں دروازہ کھلا چھوڑ آئی تھی، عدن نے محبت سے اسے بانہوں میں بھرا تو وہ کسمسائی۔

"عدن کوئی آ جائے گا۔" اس کا دھیان کھلے دروازے کی طرف تھا، اس کے دل میں عدن کی بے باک التفات نے ارتعاش پیدا کر دیا، عدن خاصے رومانٹک موڈ میں تھا اور اسے آفس سے دیر ہو جانے کی وجہ کوئی فکر نہ تھی، وہ ربیعہ کی گھبراہٹ و شرماہٹ سے حظ اٹھانے لگا، وہ ربیعہ کے سنہرے روپ کو آنکھوں کے رستے دل میں اتارنے لگا اس نے ربیعہ کے گرد بانہوں کا گھیرا مزید تنگ کر دیا۔

☆☆☆

"عارب اٹھ جائیں جلدی سے آپ کو آفس سے دیر ہو جائے گی۔" فاطمہ نماز فجر و تلاوت قرآن پاک سے فارغ ہو کر کچن میں ناشتہ بنانے میں مشغول ہو گئی، فاطمہ صبح اپنا اور عارب کا ناشتہ بناتی تھی پھر آمنہ کے ساتھ سارے گھر کا کام نمٹاتی رہتی، گھر میں سب ناشتہ خود بناتے تھے، فاطمہ ناشتہ تیار کر کے ٹرے میں سجا کر کمرے میں لے آئی۔

"آج ابھی تک سب سوئے ہوئے ہیں۔" اس نے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے اچٹتی نگاہ آمنہ اور خالہ کے کمروں کی طرف ڈالتے ہوئے سوچا اور کندھے اچکا کر آگے بڑھ گئی اس نے ٹرے ٹیبل پر رکھ کر ناشتہ چن دیا اور عارب کو جگانے لگی۔

"عارب کی جان تم سنڈے کو بھی مجھے آفس بھیجو گی، تم کتنی سنگدل ہو یار۔" عارب نے خود پر قدرے جھکی فاطمہ کا بازو پکڑ کر کھینچا تو وہ توازن بگڑنے پر اسی پر گر پڑی، عارب نے اسے اپنی بانہوں میں جکڑ کر سینے میں چھپا لیا۔

"او مائی گاڈ، آج سنڈے ہے، میں بھی کہوں آج سب ابھی تک کیوں سو رہے ہیں۔" صبح کے آٹھ بج چکے تھے، وہ بالکل بھول گئی تھی کہ آج اتوار ہے، وہ روز مرہ روٹین کے تحت جلد ناشتہ تیار کر کے لے آئی تھی اتوار کو سب ناشتہ لیٹ مگر اکٹھے کرتے تھے، فاطمہ نے دل میں اپنی یادداشت کو کوستے ہوئے ماتھے پر زور سے ہاتھ مارا۔

"اب ناشتہ کا کیا ہو گا۔" وہ اپنی پسند کا ناشتہ تیار کر چکی تھی، عارب کی شوخ نگاہیں اسی پر جمی تھیں، فاطمہ نے اس کا دھیان ہٹانے کو چہرے پر مسکینیت طاری کی۔

"ہماری بیگم نے اتنی محبت و چاؤ سے اسے پیارے ہاتھوں سے ہمارے لئے بنایا ہے ہم اس کا دل تو نہیں توڑ سکتے، چلیں میڈم پہلے ناشتہ کر لیتے ہیں۔" عارب کی شوخی و شرارت عروج پر تھی، عارب نے فاطمہ کو اپنی بانہوں کے گھیرے

سے آزاد کرتے ہوئے واش روم کی راہ لی، فاطمہ مسکراتی ہوئی ٹیبل کے گرد آ بیٹھی۔

☆☆☆

چلو اب دل کے ہجر و حبس کا موسم بدلتے ہیں
ذرا سا تم بدل جاؤ ذرا سا ہم بدلتے ہیں
رہی اپنی یہی عادت کہ ویسے کم بدلتے ہیں
مگر جب ہم بدلتے ہیں تو پیہم بدلتے ہیں
اگر تم کہ یہ لگتا ہے تمہارا غم زیادہ ہے
تو اب کی بار ہم آپس میں اپنے غم بدلتے ہیں

دسمبر کی آخری شام اپنے پورے جوبن پر تھی سردی کی شدت میں بہت اضافہ ہو چکا تھا، وہ لان میں اترتی سیڑھیوں پر اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھی تھی، پرندے واپسی کا سفر تیزی سے طے کر رہے تھے، اس پر ارہم کی یادوں نے شدت سے حملہ کیا تھا۔

"تم کب آؤ گے، میری آس نہیں ٹوٹی ہے ارہم، کہیں میری سانس نہ ٹوٹ جائے پلیز لوٹ آؤ۔" وہ نم آنکھوں سے آسمان کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے بڑبڑائی، دفعتاً ایک مضبوط مردانہ ہاتھ اس کے لبوں پر ٹھہر گیا، اس نے چونک کر ہاتھ تھاما اور پتھر کی بن گئی بے یقینی اس کی آنکھوں سے مترشح تھی، اس کا ہاتھ ابھی تک تحریم کے ہاتھ میں تھا۔

"کیا دعائیں اتنی جلد مستجاب ہوتی ہیں۔"

"میں تمہاری آس ہی نہیں تمہارا یقین بھی ہوں تحریم۔" ارہم نے اس کا ہاتھ لبوں سے لگا لیا، ان دونوں کے بیچ چار سال معلق تھے، دوری ملن میں ڈھل گئی تھی، وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"ارہم! آپ..... آپ کب لوٹے۔" وہ چاہ کر بھی یقین نہ کر پا رہی تھی، ارہم گھر والوں کو سرپرائز دینے کے لئے بنا اطلاع کیے لوٹ آیا تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

"ارہم آئی لو یو۔" تحریم اس کے ہاتھوں پر گال ٹکا کر شدت سے رو پڑی۔

ارہم نے اس کے گرد اپنی بانہیں پھیلا دیں، اس نے پلٹنے میں چار سال لگا دیئے تھے، لیکن وہ محبت کے مان کے ساتھ لوٹا تھا، تحریم بے یقینی سے یقین کے مرحلے میں تھی۔

"آئی لو یو ٹو سو مچ تحریم۔" ارہم کے لب دھیرے سے ہلے، تحریم نے اک جھٹکے سے سر اٹھایا، اس کی آنکھوں میں خوشی و مسرت تھی وہ فرط جذبات سے ارہم سے لپٹ گئی، محبت یقین کا سفر دھیرے سے طے کرتی ہے اور بدگمانی کا جلدی، اسے اپنے دل سے بدگمانی کھرچنا تھی، ارہم کی بانہیں اس کے ہاتھوں میں تھیں۔

"آپ نے آنے میں اتنی دیر کیوں کر دی۔" تحریم نے محبت بھرا گلہ کیا، وہ انتظار کی سولی پر لٹکی تھی، اس نے اذیت قطرہ قطرہ رگوں میں رستی محسوس کی تھی۔

"تحریم! میں تم تک دل کی پوری سچائی سے لوٹنا چاہتا تھا۔" ارہم نے محبت سے اس کے بکھرے بال سنوارے، ہوا کا شریر جھونکا تحریم کے بالوں سے اٹھکیلی کر رہا تھا، ارہم نے اس کے بالوں کی لٹ انگلی کے گرد بل دے کر کان کے پیچھے اڑس دی تھی، تحریم نے اس کی آنکھوں میں جھانکا، جہاں سچائی تھی، ارہم ماضی کو فراموش کر کے لوٹا تھا، تحریم طمانیت سے مسکرا دی۔

"آؤ اندر چلیں۔" فضا میں خنکی بڑھ گئی تھی ارہم نے کھڑے ہو کر ہاتھ تحریم کی طرف بڑھایا، تحریم نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام کر قدم بڑھا دیئے، نیا سال دونوں کے لئے خوشیاں لایا تھا، اس کا رواں رواں رب کا مشکور تھا، آسمان پر سال نو کی آمد کی خوشی میں نت نئی روشنیاں جگمگا اٹھی تھیں ان کی جیون راہ بھی روشن و سہل تھی۔

☆☆☆

سترھویں قسط

کیا تم دیکھی ہے کوئی ایسی لڑکی
جسے پتا ہو کہ اس میں ایسا کچھ بھی نہیں
کہ جس سے اس کی کوئی قیمت لگ سکے
تم میرے دل کی بات نہ کیا کرو.....!!!
مجھے اچھا نہیں لگتا.......!!!

لان تاریک اور سرد تھا، بالکل اس کے ماتھے پہ لکھی تقدیر کی مانند، وہ بڑی دیر سے اسید کی منتظر تھی، پتا نہیں اس کس چیز کا انتظار تھا، وہ اپنی حیثیت کا تعین آتے ہی کر چکی تھی جب ملازمہ نے اسے الگ کمرہ دیا تھا، جو کہ یقیناً اسید کی ایما پر ہی کیا گیا تھا، اب شاید فیصلہ اس کے منہ سے سننا باقی تھا، اس نے سوچا ماما اور پاپا کا کیا ردعمل ہوا ہو گا؟ یقیناً وہ بہت پریشان ہوئے ہوں گے اور پاپا تو شائد ماما سے جھگڑ پڑے ہوں اور سارا الزام انہی کو دیا ہو، جیسا کہ ہمیشہ ہوتا تھا، ان کی بات "تمہارا بیٹا" سے شروع ہو کر اسی پہ ختم ہوتی تھی اور سدا کی بے بس مرینہ خانم جواب میں بے بسی سے سر جھکا کر اپنی آنکھوں کی نمی کو چھپانا

ناولٹ

شروع کر دیتی تھیں اور جب سے حبا واپس آئی تھی اس کے بعد تو مرینہ کو ایک مستقل چپ لگ گئی تھی، ان کے مزاج میں بہت ٹھٹکا دینے والی عجیب تبدیلی آئی تھی، وہ خاموشی سے کام میں مصروف رہتی تھیں اور جب فارغ بیٹھ جاتیں تو نا معلوم کون سے حساب کتاب کی گنتی انگلیوں پہ شروع کر دیتی تھیں، اکثر وہ کھانے کھانے بیٹھیں تو دو نوالے لے کر اٹھ جاتیں، تیمور احمد نے کبھی نوٹس نہ کیا تھا کہ آخر ان کی شریک حیات ایسی کیوں ہو گئیں تھیں؟ ان کے اپنے جھمیلے ہی کم نہ تھے، ان کے اپنے دکھ تھے، یہ دکھ کیا کم تھے کہ انہوں نے ایک بچے کو اپنی بیٹی کے برابر سمجھا تھا، جسے کھلا پلا کر بڑا کیا، جوان و توانا بنایا اور وہ آستین کا سانپ نکلا، جس نے ان کی اکلوتی بیٹی کے

مستقبل کے آگے سوالیہ نشان لگا دیا تھا۔
حیا ان دونوں کے دکھ سمجھتی تھی اور حقیقت سے باخبر تھی کہ صرف قصور وار وہ خود تھی وہ شخص قطعی طور پر بے خطا تھا۔
ساری خطائیں اس کی تھیں، سارے گناہ اس کے تھے، سارے ظلم اس نے خود کیے تھے اپنی ذات پہ، بڑھتی ہوئی سردی میں اس نے سن ہاتھوں کے ساتھ اپنی نم آنکھیں بے رحمی سے رگڑیں تھیں۔
"کہانی کے آخر میں سب ٹھیک ہو جاتا ہے اور زندگی کے آخر میں؟"
پتا نہیں زندگی کے آخر میں سب کچھ ٹھیک کیوں نہیں ہوتا؟ اور وہیں بیٹھ کر اس نے اپنی آنے والے چند سالوں کے بعد والی زندگی کا جائزہ لیا تھا، شاید چند سالوں بعد، نہیں اس نے انگلیوں پہ گنا، بیس سالوں بعد کیا ہو گا؟ ایک خوشگوار گھر کا منظر ہو گا، نئی نئی سی ایک حسین جوڑی بڑی سی شاندار گاڑی سے نکلے گی اور ان کے ساتھ دو معصوم و خوبصورت بچے ہوں گے، وہ سب ہنستے ہوئے اندر آ جائیں گے، جہاں ایک بدصورت سیاہ رو بچی ان کی خدمت کے لئے معمور ہو گی، جو انہیں دیکھتے ہی جلدی جلدی ان کے جوتے اتارنے لگے گی اور جب وہ اپنے شاندار باپ کے ساتھ انگریزی میں بات کر رہے ہوں گے تو وہ بچی دل ہی دل میں سوچے گی کہ آخر وہ کون سی باتیں کر رہے ہیں؟ اور اندر کہیں کچن میں اس بچی کی ماں ہو گی جو جلدی جلدی کھانا بنوانے میں مشغول ہو گی اور پھر وہ دونوں بدقسمت ماں بیٹی رات کو ان کا بچا کھچا کھا رہے ہوں گے تو وہ اپنی بیٹی کو سمجھائے گی کہ:
"بدصورت لوگ اسی قابل ہوتے ہیں اور چونکہ وہ دونوں بدصورت ہیں تو ان کا کوئی حق نہیں، کسی بھی چیز پہ، ٹائروں کی چرچراہٹ اسے ایکدم سے حال میں کھینچ کر لائی تھی، اس نے سخت سرد اور خنک موسم میں بھی اپنے ماتھے پہ پسینہ پھوٹتا محسوس کیا تھا، وہ تیزی سے وہاں سے اٹھ گئی۔
مدھم روشنیوں میں اس نے ایک دراز قد مضبوط جسم والے ایک شخص کو گاڑی سے نکلتے دیکھا، پولیس یونیفارم میں ملبوس وہ اپنی شاندار گاڑی سے اترا تھا، بعض لوگوں کے سامنے انسان ہمیشہ چھوٹا ہی رہتا ہے، باوجود اس کے کہ وہ قد آور کتنا ہی کیوں نہ ہو، حیا تیمور نے ساری زندگی اسید مصطفیٰ کے سامنے بونا بن کر گزاری تھی، اس پہ انحصار کرتے، اس کا طفیلیا بن کر گزاری تھی، شاید اس کی زندگی میں لکھ دیا گیا تھا کہ اسے محکوم ہی رہنا تھا۔
اس نے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے اور اٹھ کھڑی ہوئی، جوڑ جوڑ احتجاجاً درد سے کراہا تھا اور جسمانی درد کا کیا؟ وہ تو کبھی نہ کبھی ختم ہو ہی جاتا تھا اور روح کی اذیت کا کیا کرتی؟ جس کا کوئی انت نہ تھا، اسید کی نظروں نے سیکنڈز میں اسے فوکس کیا تھا، وہ اس کی سمت آنے لگا، حیا نے اسے دیکھا اور سوچا۔
"لاحاصلی کا دکھ مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے؟" درد کی کڑواہٹ اس کی رگ رگ میں زہر گھول گئی۔
ہلکی سی روشنی میں درختوں سے اٹھتی عجیب سی پراسرار خاموشی میں اس نے حیا کو دیکھا اور تب اسے عجیب سا ادراک ہوا، حیا وہ نہیں تھی جسے وہ جانتا تھا، جسے وہ بچپن سے جانتا تھا، جس کو وہ اتنا جانتا تھا کہ اس کے اٹھتے قدم دیکھ کر اس کا ارادہ جان لیتا تھا، یہ اندر کی دھنسی آنکھوں والی کمزور سی حیا کون سی تھی؟
جس کا سراپا شرمندگی اور احساس جرم کے حصار میں مقید تھا اور جو نظریں جھکائے کسی سزائے موت کے مجرم کی طرح وہ معافی کی اپیل لے کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔
اسید نے ایک گہرا سانس لے کر گزرے ڈیڑھ سال کو اپنے اندر سے جھٹکنا چاہا تھا، مگر وہ دھیان میں آ کھڑا ہوا۔
"یہاں کیوں کھڑی ہو؟ پورے گھر میں تمہیں کوئی جگہ نہیں ملی، بیٹھنے کے لئے۔" اس کے لہجے میں ایک مخصوص قسم کی سرد مہری تھی جو شاید اس شعبے میں آنے کے بعد اس کے انداز گفتگو کا حصہ بن گئی تھی، وہ خاموش رہی، بولنے کو کچھ تھا ہی نہیں اس کے پاس۔
"اندر چلو۔" اسید نے جواب کا انتظار نہیں کیا تھا اور آگے بڑھ گیا، وہ خاموشی سے اس کی پیروی میں پیچھے چلتی گئی، وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، وہ بدستور اس کے پیچھے تھی، حیا نے اندر داخل ہوتے ہوئے اردگرد نظر دوڑائی تو چند لمحے ٹھٹھک سی گئی، رک گئی، جھجک گئی، دل کو چھید دینے والی ایک سرگوشی اس کے قدموں کی زنجیر بن گئی۔
"میں تمہیں اپنے بستر پہ کبھی جگہ نہیں دوں گا۔" اسید نے کہا تھا، اس کے قدموں میں لرزش آئی تھی، اسید کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔
"اب تم اس گھر میں ہو، خوشی سے یا ناخوشی سے تمہیں یہاں رہنا ہے، میں تمہیں کسی سے ملنے، رابطہ کرنے سے منع نہیں کر رہا، اپنے Status میں، میں نے خود کو میرڈ شو کروایا ہوا ہے، لوگ ڈیمانڈ کرتے ہیں کہ وائف سے ملوائیں، اس سوشل سرکل میں Move کرنا مشکل ہوتا جا رہا تھا، جبھی تمہارا یہاں ہونا ضروری تھا اسی ویک اینڈ پہ ایک گیٹ ٹوگیدر رکھوا دی ہے میں نے، تم دیکھ لینا اور کچھ خود کے لئے بھی کر لینا۔" وہ صاف متوازن لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہو گیا۔
"جی ٹھیک ہے۔" حیا نے سر جھکا کر کہا تھا۔
"اب تم جا سکتی ہو۔" وہ ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا، وہ سست قدموں سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

مصعب کراچی جا چکا تھا، ستارا کی صبح خاصی بے چین کر دینے والی تھی، اس کے اندر بے تاب کر دینے والے بے شمار اندیشے تھے، وہ اپنے سسر کے ساتھ ناشتے کی میز پہ بہت جھجکی ہوئی سی تھی اور کچھ ریزرو بھی، وہ جہاندیدہ انسان تھے، اس کو ان کمفرٹیبل دیکھ کر نرمی سے گفتگو کرنے لگے۔
"آپ پریشان مت ہوں بیٹا! مصعب کو بہت ضروری کام سے جانا پڑا ہے وہ کل شام تک لوٹ آئے گا۔" وہ اسے تسلی دینے لگے۔
ستارا کے لب حیرانگی سے کھل گئے، اف وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ شوہر کے لئے بے تاب تھی، اس کے اندر ایک کوفت کی لہر سی اٹھی تھی، پتا نہیں کیا سوچ کر وہ بول پڑی۔
"ایسی تو بات نہیں انکل۔" انہوں نے درمیان سے اس کی بات قطع کر دی۔
"آپ میری بیٹی ہیں ستارا۔" وہ مدھم سا جتا کر بولے تھے اور ستارا ایک سائیکالوجسٹ تھی لمحوں میں بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھی، انہیں اس کے انکل کہنے پر اعتراض تھا۔
"جی..... پاپا۔" وہ ذرا رک کر بولی تھی۔
"ستارا! آپ کی فیلی خوش نہیں ہے کیا اس شادی سے؟" انہوں نے چائے کے سپ لیتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں پاپا ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، دراصل بابا کو تھوڑی پریشانی ہوئی تھی میرے نہ آنے سے، آپ کو تو پتا ہی ہے یہاں کے رسومات، تو جبھی شاید انہوں نے خود کو کچھ بے چین محسوس کیا تھا، ورنہ باقی تو سب خوش ہیں۔“ ستارا نے وضاحت کی تھی۔

”اور آپ؟“ انہوں نے پوچھا۔

”کیا آپ خوش ہیں؟“ چند لمحات تک خاموشی رہی، جسے انہوں نے ہی توڑا۔

”بتایئے نا ستارا! کیا آپ خوش ہیں؟“

”جی پاپا!“ اس نے دو لفظی جواب دے کر شاید خود کو بچانا چاہا تھا۔

”میرا بیٹا بہت اچھا ہے ستارا! یہ میں اس لئے نہیں کہہ رہا کہ وہ میرا بیٹا ہے، بلکہ حقیقت بھی یہی ہے وہ بہت نرم دل اور صاف گو سا بندہ ہے، نہ کسی کو تکلیف میں دیکھ سکتا ہے نہ کسی کو تکلیف دے سکتا ہے اور بہت بہادر بھی ہے، بہت کچھ سہنے کا حوصلہ ہے اس میں، آپ سے شادی کے حوالے سے بھی میں کچھ پریشان تھا اور مجھے ہونا بھی چاہیے تھا کیونکہ میں آپ کو نہیں جانتا تھا، آپ سے ملا نہیں تھا اور آپ کے متعلق اس کی رائے پہ اعتبار کرنا مجھے مشکل لگ رہا تھا، آخر وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے اور......“ وہ بہت تمکن سے اپنی بات سنا رہے تھے۔

”اور وہ جو کل شام آیا تھا وہ کون تھا پاپا؟“ ستارا نے ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی سوال داغ دیا تھا، ان کے چہرے پہ لمحوں میں تغیر آیا تھا اور پھر ان کا چہرہ بھیدوں بھری خاموشی میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

”مغل ہاؤس“ میں ایک بار پھر ہلچل کے آثار تھے، تنے ہوئے اعصاب اور تھکے ہوئے چہرے دوبارہ سے کسی خوشی کی آس میں تھے رمشہ کے لئے دیا جانے والا پرپوزل دوبارہ سے اپنا مدعا لے کر آیا تھا اور اس بار تایا ابو لوگوں کا موڈ یہی تھا کہ بات فائنل کر دی جائے، وجہ غالباً یہ بھی تھی کہ اس میں خاندان کی سب سے باغی لڑکی رمشہ مغل خود بھی دلچسپی رکھتی تھی۔

”احمر! ایک بات کہوں؟ بڑے دنوں سے دل میں کھٹک رہی ہے۔“ احمد تایا نے بڑوں کی میٹنگ میں احمر مغل کو مخاطب کر کے کہا تو وہ چونک کر متوجہ ہوئے تھے۔

”ایسی کون سی بات ہے بھائی صاحب! کریں نا، آپ کیوں دل میں رکھ کے بیٹھے ہیں۔“ احمر مغل نے بڑی محبت بھری تابعداری سے کہا تھا۔

”ڈرتا ہوں اولاد کے فیصلے بعض دفعہ بڑے مار دینے والے ہوتے ہیں احمر، میں بہت دفعہ سوچ کر ڈر جاتا ہوں کہ کہیں ہمارے کیے گئے اب تک کے فیصلے غلط تو نہیں تھے اور وہ دوسری طرف کہیں ہم اپنی بے جا من مانی میں ان کی زندگیوں کو کسی نقصان کے حوالے تو نہیں کر دیا؟ دیکھو ہمارے بچوں کی مرضیاں ہماری پسند ناپسند سے نہیں ملتیں، یہ دور بدل چکا ہے ہم آزادی کے نام پہ بچوں کو اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کا اختیار تو نہیں دے سکتے، اگرچہ وہ ایسا ہی کرنا چاہتے ہیں۔“ وہ تھوڑی دیر کے لئے وقفہ لینے کے لئے رکے تھے، احمر مغل ان کی بات کا پس منظر سمجھنے کے باوجود چپ رہے تھے۔

”مجھے یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ شاہ بخت اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر علینہ کا انکار سمجھ نہیں آتا، وہ ایک کم عمر اور ذہنی طور پر نابالغ بچی ہے، اس کو زندگی گزارنے کا ڈھنگ سیکھنے میں ابھی کچھ وقت لگنے والا ہے، میں کسی کی ناجائز طرف داری نہیں کر سکتا، میں تم سب لوگوں کا سرپرست ہوں، ناانصافی کروں گا تو روز قیامت جواب دہ ہوں گا، مگر میں ایک باپ بھی ہوں، میں چاہوں بھی تو دل سے ان بچوں کی محبت کو نہیں نکال سکتا، شاید یہی وجہ تھی کہ جب رمشہ کے لئے شاہ بخت نے انکار کر دیا تو میں چپ رہا، جانتا ہوں مرد کی مرضی شامل نہ ہو تو وہ رشتوں کا وہی حال کرتا ہے جو شاید ایاز نے کیا، مگر اب معاملہ بالکل مختلف ہے، علینہ کا انکار میری سمجھ سے باہر ہے، آخر کیا وجہ ہے؟“ وہ بہت الجھن میں دکھائی دیتے تھے۔

”وہ نہیں مانتی بھائی صاحب۔“ احمر مغل نے دھیمے بے بس لہجے میں کہا تھا۔

”وجہ؟“ احمر مغل بے چین تھے وجہ جاننے کو۔

”میں نہیں جانتا وجہ؟ اور بتاتی وہ مجھے ہے نہیں، میں کیا کروں؟ سمجھ نہیں آتا۔“ وہ بتا رہے تھے۔

”وقار! تم نے بات کی؟“ اب کی بار انہوں نے وقار کی طرف رخ کیا اور وقار کے چہرے کے تاثرات پل بھر میں بدلے تھے۔

”جی بابا! میں نے کی ہے بات، مگر مجھے افسوس سے بتانا پڑ رہا ہے کہ وہ علینہ شاید ہماری رہی ہی نہیں، اس نے اتنی بدتمیزی سے مجھ سے بات کی کہ مجھے اب تک یقین نہیں آیا، اس کا رویہ بہت تلخ اور دو ٹوک ہے اور وہ اپنی بات سے کسی صورت ہٹنے کو تیار نہیں ہے، اس کا کہنا یہ ہے کہ وہ کسی بھی طرح شاہ بخت کے قابل نہیں اور سچ میں یہی لگا کہ وہ کسی قسم کے Inferirvity complex کا شکار ہے، آگے کی بات تو چھوڑ ہی دیں، یہ تک سن چکا ہوں اس سے کہ ”میرے کار جین بننے کی کوشش نہ کریں“ ہونہہ۔“ وہ ہنکارا بھر کر خاموش ہو گئے، سب کے چہرے حیرانی کی تصویر بنے ہوئے تھے ماسوائے احمر مغل کے، ان کے ماتھے پہ شرمندگی کی تحریر تھی۔

”وہ تو بچی ہے وقار! تمہیں اس کی باتوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے تھا، آخر یہ بھی یاد رکھو کہ اس کے شاہ بخت کے درمیان کبھی بھی کوئی بہت خوشگوار تعلقات نہیں رہے۔“ احمد مغل نے بردباری سے بات کو سمیٹا تھا۔

”آپ اس پہ زبردستی مت کریں، اگر وہ آمادہ نہیں تو پھر...“ پہلی بار طارق مغل نے زبان کھولی تھی۔

”بات یہ نہیں ہے طارق، میں دوبارہ ایاز والا قصہ دہرانا نہیں چاہتا۔“ احمر مغل نے نرمی سے کہا۔

”آپ سب لوگوں کے اندازے غلط ہیں بابا، آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ یہ ایاز کا نہیں شاہ بخت کا معاملہ ہے اور وہ اپنے فیصلے اٹل کرتا ہے، اگر آپ کو لگتا ہے کہ اس نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ نہیں کیا تو آپ غلط ہیں، وہ اس معاملے میں خطرناک حد تک سنجیدہ ہے اور آپ کو اس کے مزاج کا اندازہ ہے جو وہ ٹھان لے کر گزرتا ہے، مگر پھر بھی یہ بات مت بھولیں کہ یہ معاملہ اس کے کریئر کا نہیں، اس کی زندگی کا ہے اور زندگی کے فیصلے جذباتی ہو کر نہیں کیے جاتے اور پھر شادی کا فیصلہ تو اور بھی سنجیدگی کا متقاضی ہے۔“ وقار نے تفصیلاً کہا تھا۔

”ٹھیک کہہ رہے ہو تم وقار! مگر بیٹا بات پھر وہیں آ کر ختم ہو جاتی ہے کہ علینہ رضامند نہیں ہے، اس لئے اس موضوع کو ختم کر دو۔“ احمد مغل نے حتمی لہجے میں کہا تو کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

☆☆☆

ایک مخصوص روٹین سی بن گئی تھی زندگی کی، صبح وہ جاگتی اور ملازمہ کے ساتھ مل کر اس بڑے سے بنگلے کی صفائی ستھرائی میں مگن ہو جاتی، اسید کے جاگنے تک وہ نصف کے قریب کام سمیٹ چکی ہوتی تھی، اس کے کپڑے تیار کر چکی ہوتی تھی جبھی وہ اس کے کمرے میں آجاتی تا کہ اسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ اس کی مدد کر سکے، اس کے بعد وہ ناشتے کی میز پہ آجاتا، اس کے ساتھ ساتھ اس کی ضروری فون کالز چلتی تھیں تب تک وہ اس کا ناشتہ تیار کر کے لے آتی، ناشتے کے بعد وہ نکل جاتا اور اسے اپنی بیٹی کی ہوش آتی، وہ اندر آ کر اسے دیکھتی تو وہ کبھی تو سو چکی ہوتی تو کبھی جاگ چکی ہوتی، حیران کن حد تک صابر بچی، اس نے کبھی رو کر حیا کو اپنا احساس نہ دلایا تھا، ہمیشہ دیواروں کو دیکھتی رہتی، وہ پہروں ایک ہی جگہ پڑی رہتی تھی، یہ روٹین چلتے ایک ہفتہ ہو چکا تھا، اسید کے گھر لوٹنے کا کوئی متعین وقت نہ تھا، اکثر وہ رات گئے لوٹتا اور اکثر لوٹتا ہی نہ، وہ اس کے انتظار میں جاگتی رہتی۔

یہ ایک معمول کی شام تھی نومبر کی ایک دھندلی، سرد شام اور تنہائی۔

ایک عجیب سی بیابانی میں دن گزار دینا
اور ایک عجیب سی ویرانی میں رات
اور ایک عجیب سی خاموشی میں صبح بتا دینا
اور ایک عجیب سی تنہائی میں شام
ایک معمول ہے
جس نے شاید ہمارے دل کو عالم کو معمول بنا لیا ہے

ہم آوارہ نصیب لوگ
دکھ ہمیں تلاش کر لیں
یا ہم دکھ کو تلاش کر لیں
ایک ہی بات ہے

اور ایک لاحاصل انتظار کے بعد وہ جب لاؤنج میں آئی تو لینڈ لائن کی گھنٹی کب سے بج رہی تھی، اس نے بے دھیانی میں فون اٹھایا تو دوسری طرف مرینہ خانم تھیں۔

"حیا!" ان کی آواز میں بے تابی کی لپک تھی، حیا کو شدید حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"ماما آپ۔" وہ اتنا ہی بول پائی تھی۔

"حیا! میری بچی، بات نہیں کرو گی مجھ سے؟ بتاؤ نا کیا منع کیا ہے اس نے؟" وہ پے در پے سوال کر رہی تھیں۔

"ایسا نہیں ہے ماما، انہوں نے مجھے منع کیا ہی نہیں، مجھے مکمل آزادی دی ہے انہوں نے کہ مجھے کسی سے رابطہ کرنے سے نہیں روکیں گے۔" اس نے ان کی غلط فہمی دور کی تھی۔

"کیا تم ٹھیک کہہ رہی ہو؟ کیا واقعی ایسا ہی ہے، تم جھوٹ تو نہیں بول رہی نا مجھے تسلی دینے کے لئے اور اسید......؟" مرینہ نے اپنی عقل سمجھ کے مطابق ٹھیک ہی کہا تھا، ان دونوں کے سابقہ تعلق کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ یہی سمجھ سکتی تھیں۔

"آپ کو بتا چکی ہوں میں کہ بات یہ نہیں ہے، پلیز ایسا مت سوچیں اور یہ بتائیں کہ آپ کو یہ نمبر کہاں سے ملا؟" حیا نے ان کی بات کو نظر انداز کر کے اپنا سوال پوچھا تھا۔

"فضول سوال ہے، ایک ڈی ایس پی کا نمبر ڈھونڈنا کوئی مشکل کام نہیں تھا حیا۔" انہوں نے بے ارادہ طنزاً کہا تھا، جواباً حیا بالکل خاموش رہ گئی تھی۔

"چپ ہو گئی ہو؟ بولو نا کیسی ہو؟ شنق کیسی ہے؟" انہوں نے بات بدلی تھی۔

"سب کچھ ٹھیک ہے ماما۔"

"اور اسید؟"

"وہ بھی۔"

"اور پاپا؟"

"وہ بہت ڈسٹرب رہتے ہیں، تمہیں یاد کر کے روتے ہیں۔"

"انہیں تسلی دیجئے گا، میں ٹھیک ہوں۔"

"اور کیا واقعی ایسا ہے؟" طنز۔

"جی!" حیا کے اندر اندھیرے اترے تھے۔

"ہمیں کب بلاؤ گی اپنے گھر؟" زور "اپنے گھر" پہ تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"آہاں لگتا ہے ڈی ایس پی کے گھر ہمارا داخلہ ممنوع ہے۔" ان کے انداز میں ترشی بڑھتی جا رہی تھی۔

"آپ اسید سے بات کر لیجئے گا ماما، پلیز۔" اس کے انداز میں لجاجت تھی۔

"میرا دماغ خراب ہے جو میں اس کے منہ لگوں ہونہہ، اپنے باپ کو دینا یہ جواب۔" انہوں نے سرد مہری سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

حیا جامد ذہن کے ساتھ وہیں بیٹھی رہی، دو دن بعد گھر میں اسید نے اپنے کولیگز اور سینئرز کی ایک گیٹ ٹو گیدر رکھوائی تھی اور اگلی صبح اس نے ناشتے کی میز پہ حیا سے کہا تھا کہ وہ اسلام آباد فون کر کے انہیں بلا لے، جواباً حیا نے بڑی حیرانی سے اسے دیکھا۔

"جی!" وہ تصدیق کرتے ہوئے بولی تو اسید نے اپنی چائے سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"انہیں اس موقع پہ موجود ہونا چاہیے۔" اس کا لہجہ کچھ عجیب سا تھا۔

"میں فون کروں انہیں؟" حیا نے پوچھا تھا۔

"ہاں کر دینا اور سنو!"

"جی!" اس کے منہ سے اس کے علاوہ کچھ نکلا ہی نہ تھا۔

"اپنا حال دیکھو، ٹھیک کرو خود کو، میں اس حلیے میں اپنی بیوی کو Represent نہیں کر سکتا۔" اس نے ایک ایسی عجیب سی اور زہر خند لہجے میں کہا تھا کہ حیا کو لگا وہ کھڑے قد سے قبر میں جا پڑی ہو، اس کا رنگ زرد پڑا تھا، وہ دیکھے بغیر اٹھا اور والٹ میں سے کریڈٹ کارڈ نکال کر ٹیبل پہ رکھ دیا۔

"یہ تمہیں مدد کرے گا۔" وہ اٹھا تھا اور اپنی کیپ اٹھا کر باہر نکل گیا، وہ کارڈ پہ نظریں جمائے سن ہوتے حواس کے ساتھ کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆

"آپ آخر یہ تسلیم کیوں نہیں کر لیتیں کہ آپ بھائی کو مس کر رہی ہیں؟" حیدر مسلسل اسے تنگ کر رہا تھا، علینہ اور حیدر آئے ہوئے تھے۔

"ایسا جب ہے ہی نہیں تو میں مانوں کیسے؟" ستارہ بھی اسی کی شاگرد تھی، کسی طرح مان کر نہ دی تھی۔

"بھابھی! اگر آپ مان گئیں تو اچھا نہیں ہو گا، میں بھائی سے شرط ہار جاؤں گی۔" علشبہ نے اپنی سائیڈ سکیور کرتے ہوئے کہا تھا، ستارہ اور حیدر کی مشترکہ ہنسی گونجی تھی۔

"تم فکر مت کرو علشبہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" ستارہ نے اسے حوصلہ دیا تھا، حیدر نے چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے دونوں کو دیکھا۔

"آپ کیسی خاتون ہیں، آپ کو احساس ہی نہیں کہ آپ کی دو دن پہلے شادی ہوئی ہے؟" حیدر نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوئی۔

"بھئی دیکھو علشبہ کیا یہ زیادتی نہیں کہ اگر ایک شخص نے سارے زمانے سے ٹکرا کر آپ

سے شادی کی ہے اور وہ دوسرے شہر آپ کے لئے روزی کمانے گیا ہے تو کیا آپ اسے یاد بھی نہیں کریں؟" حیدر نے زمانے بھر کی بے چارگی اور افسوس انداز میں بھر کر اسے کہا تھا۔

"بالکل کریں گے۔" علشبہ بے ساختہ بولی تو حیدر کا قہقہہ چھت پھاڑ قسم کا تھا۔

"لو جی یہ ہے آپ کا ووٹ بھابھی؟ خواجے کا گواہ مینڈک۔" حیدر اب مذاق اڑا رہا تھا، ستارہ بھی ہنس پڑی۔

"اچھا بتائیں آپ نے کیا سننا ہے؟" وہ حیدر کو تنگ کرنے کے موڈ میں آگئی۔

"ارے بھابھی! کمال کرتی ہیں آپ بھی، میں بھلا آپ سے کیا سنوں گا، ہاں وہ بے چارے سے میرے بھائی جو......" وہ افسوس سے کہنے لگا تھا۔

"ایکسکیوزمی، وہ بالکل بے چارے نہیں ہیں۔" ستارہ نے جلبلا کر رہا تھا، علشبہ جو منہ بنا کے بیٹھی تھی، ہنس پڑی۔

"مجھے یہ تو بتائیں، بھائی نے آنا کب ہے؟" اس بار حیدر نے سنجیدگی سے پوچھا تو ستارہ کو دھیان آیا کو مصعب نے اس سے کل سے رابطہ ہی نہ کیا تھا، پتا نہیں وہ شخص کہاں گم تھا اور ایسے کون سے کاموں میں مگن تھا جس میں اسے ستارہ کا دھیان ہی نہیں آیا، اس نے بے اختیاری طور پر سیل فون کو دیکھا جو خاموش تھا۔

"نو فون کال نو ٹیکسٹ؟" اس نے سوچا تھا، حیرت سی حیرت تھی۔

"اتنی بے خبری اور دعوے عشق کے؟" وہ حیرت سے سوچ رہی تھی، حیدر اب اس سے دوبارہ پوچھ رہا تھا، وہ سر جھٹک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"مجھے کنفرم نہیں ہے، میری بات نہیں ہوئی ان سے۔" وہ اسے بتانے لگی، حیدر کو کچھ عجیب سا لگا تھا۔

"آپ کی بات نہیں ہوئی، عجیب لگتا ہے، وہ اتنے غیر ذمہ دار تو نہیں کہ آپ کو کچھ بتاتے ہی نہ، آپ نے بھی رابطہ نہیں کیا؟" وہ اب پوچھ رہا تھا۔

ستارا کو عجیب سی شرمندگی نے آن گھیرا، اسے قدرے افسوس ہوا تھا کہ اگر وہ مصروف تھا تو اسے خود رابطہ کر لینا چاہیے تھا، آخر وہ اس کا "شوہر" تھا، اس نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"اور ماموں کدھر ہیں؟" اس بار علشبہ بولی تھی۔

"آفس۔" ستارا نے مختصراً کہا تھا، حیدر نے بغور اس کی لاتعلقی کو جانچا تھا اور پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا، اس کے فون کی رنگ ٹون بج رہی تھی۔

"مجھے کام ہے، نکلنا چاہیے، اٹھو علشبہ۔" اس نے کہا۔

"کھانا کھا کر جایئے گا۔" ستارہ نے بے ساختہ کہا تھا۔

"ارے نہیں بھابھی وقت کافی ہو گیا ہے، پھر کبھی سہی۔" وہ مسکرایا تھا، نجانے کیوں ستارہ کو اس کی یہ مسکراہٹ بڑی رکی سی لگی تھی مگر وہ نظر انداز کر گئی، علشبہ بھی کھڑی ہو گئی، ستارا سے مل کر وہ نکل گئے، وہ بہت دیر تک وہیں بیٹھی رہی، ملازمہ نے آ کر سامان وغیرہ اٹھایا تو وہ بھی اٹھ کر وہاں سے نکل گئی۔

یہ سہ پہر کا وقت تھا اس نے مجبور، آکاس بیل اور بوگن بیل سے سجے لان میں پڑے جھولے پہ بیٹھ کر اماں کا نمبر ملایا تھا، کچھ دیر ان سے بات کرنے کے بعد وہ خالی الذہنی کے عالم میں وہیں بیٹھی رہی، ایک بے کلی اور بے چینی

روح کا حصہ بنی ہوئی تھی اور نجانے کیا کھو گیا تھا، اس نے سوچا حیدر یقیناً برا مان گیا تھا اس کے روکھے انداز پر، مگر وہ اتنا با مروت انسان تھا کہ کبھی احساس نہیں دلائے گا اور وہ یہ کیوں نہیں سوچتا کہ وہ شخص بھی تو گم ہوا تھا، خدا معلوم کدھر کھو گیا تھا، کیا اسے یاد نہیں تھا کہ ستارہ سے اس کی شادی کو صرف دو دن ہوئے تھے، ہونہہ، شاید اسے کچھ یاد نہیں اور حیدر کہہ رہا تھا کہ آپ نے بھی رابطہ نہیں کیا، بھلا میں کیوں کروں رابطہ؟ اسے خود احساس کرنا چاہیے، کیا اسے نہیں پتا کہ میں اس کے گھر میں اکیلی ہوں، محو انتظار بھی ہوں؟ وہ عجیب جھنجھلائے ہوئے انداز میں سوچتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

آج رمشہ کی باقاعدہ بات ٹھہرائی جا رہی تھی، گھر میں خوشیوں کا سماں تھا مگر اس سے پہلے دو اہم واقعات رونما ہوئے تھے، ایک تو ایاز کی نیو یارک واپسی تھی جس کا کسی نے اتنا خاص نوٹس نہ لیا تھا، ظاہر ہے وہ اس قابل لگتا ہی نہ تھا مغل ہاؤس والوں کی..... کہ اس کی آمد و رفعت کے بارے میں کسی قسم کی فکرمندی کا اظہار کیا جاتا، مگر ایاز مغل بھی اپنی ہٹ کا پکا نکلا تھا، اس نے بھی صرف عباس کی نظروں میں اپنا امیج پکڑ لیا تھا، باقی لوگوں کے ساتھ اس نے کسی قسم کی اضافی گفتگو یا گپ شپ کو ضروری نہ سمجھی تھی، اس نے جانے سے پہلے ماں سے معافی مانگی تھی اور باپ کے سامنے جھک کر اتنا ہی کہا تھا۔

"میں جا رہا ہوں بابا، واپس لوٹ کر نہیں آؤں گا، شاہ نواز کو کندھا مل گیا، مگر میں وصیت کر جاؤں گا کہ مرنے کے بعد مجھے پاکستان نہ بھجوایا جائے، خدا حافظ۔" وہ کچھ دیر ان کے بولنے کا انتظار کرتا رہا، پھر خاموشی دیکھ کر باہر نکل آیا، نبیلہ کو ایک عجیب سی چپ نے آن گھیرا تھا۔

وہ علینہ کے کمرے میں آیا تو وہ کرسی پہ بیٹھی تھی گود میں ڈائری دھری تھی، بھائی کو دیکھ کر وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"بھائی آپ؟"

"کیسی ہو علینہ؟"

"ٹھیک ہوں بھائی، آپ کیسے ہیں؟ آیئے بیٹھئے نا۔" اس نے بیڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، ایاز سر ہلا کر بیٹھ گیا، وہ بھی اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"آپ واپس جا رہے ہیں؟" وہ افسردگی سے بولی تھی، ایاز نے دیکھا اس کے چہرے پہ افسردگی اور اداسی کے رنگ تھے اور آنکھوں میں مایوسی کی جھلک تھی، ایاز کو عجیب سی افسردگی آمیز خوشی نے آن گھیرا، آخر کار کوئی تو تھا مغل ہاؤس میں جسے اس کے جانے سے فرق پڑ رہا تھا۔

"جی میں جا رہا ہوں۔" اس نے سر جھکا کر کہا تھا۔

"میں آپ کو مس کروں گی۔" علینہ کی آواز بھیگ گئی تھی، ایاز نے اسے ساتھ لگا لیا۔

"میں بھی....." وہ مدھم آواز میں بولا تھا۔

"ایک بات بتاؤ علینہ؟"

"جی بھائی پوچھیں۔" اس نے بھائی کے کندھے پر سر ٹکیے ہوئے جواب دیا تھا۔

"تم شاہ بخت سے شادی نہیں کرنا چاہتی نا؟"

"نہیں۔" اس نے یک لفظی جواب دیا تھا۔

"ایک بات کا یقین رکھنا، بابا تمہارے ساتھ ہیں، وہ تمہارے ساتھ زیادتی نہیں ہونے دیں گے ورنہ وقار بھائی کا بس چلتا تو وہ زبردستی کب کا تمہارا نکاح پڑھوا چکے ہوتے۔" وہ تلخی

سے کہہ رہا تھا۔

علینہ کو اس سے مکمل اتفاق تھا، وہ جانتی تھی کہ اگر بابا اس کی ڈھال نہ بنے ہوتے وقار یقیناً یہ قدم اٹھا چکے ہوتے۔

"اور دیکھو، ویسے تو مجھے یقین ہے کہ بابا کے ہوتے ہوئے ایسا کچھ نہیں ہوگا، مگر پھر بھی علینہ، تم خود بھی اسٹینڈ لو، تم خود کے ساتھ یہ جبر نہ ہونے دینا، ورنہ باقی پوری زندگی بس پچھتاؤ گی۔" ایاز نے اسے سمجھایا تھا۔

"جی بھائی مجھے پتا ہے اور آپ فکر نہ کریں بابا میرے ساتھ ہیں نا تو پھر مجھے پتا ہے کہ کچھ غلط نہیں ہوگا، وقار بھائی خواہ کچھ بھی کر لیں۔" وہ سر سیدھا کر کے بولی تھی۔

"ویری گڈ، بس اسی طرح ڈٹی رہنا اور سنو تمہاری رزلٹ کب آ رہا ہے؟" وہ فکر مند تھا۔

"بس اس ماہ کے آخر تک آ جائے گا۔"

"آگے پڑھنا ہے نا؟" اس نے پوچھا۔

"جی بالکل۔" اس نے سر ہلایا۔

"کس فیلڈ میں جانا ہے؟"

"ابھی تو سوچا نہیں، دیکھیں کس سبجیکٹ میں مارکس اچھے آتے ہیں۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"ہوں ٹھیک ہے، اسٹڈیز جاری رکھنا۔" اس نے تاکید کی۔

"جی ان شاء اللہ۔" وہ دل سے بولی۔

"میں تمہیں فون کرتا رہوں گا۔" اس نے یقین دلایا۔

"مجھے بہت خوشی ہوگی۔" اس کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

"اچھا سا رزلٹ لاؤ، پھر میں تمہارے لیے نیویارک سے تمہارا گفٹ بھجواؤں گا۔" وہ پیار سے کہہ رہا تھا، علینہ بے ساختہ کھلکھلا دی۔

"ضرور۔"

"اپنا خیال رکھنا اور اپنی قنوطیت کو کم ... تھوڑا، سب میں بیٹھا کرو، گھلا ملا کرو، خود کو ... طرح سب سے الگ کر کے Aloof ہو جاؤ ... یہ تمہارا گھر ہے علینہ، سب کو پتا ہونا چاہیے ... بھی رہتی ہو یہاں، اپنی ذات کی پہچان ... میری پیاری بہنا، تمہیں پتا ہے مجھے تمہیں دیکھ ... کبھی خیال آتا ہے کہ ایک باربی ڈول رہتی ... اس گھر میں، جو نہ بولتی ہے نہ کچھ کہتی ہے ... باربی ڈول میں جان ڈالو بھئی۔" وہ ہنستے ہو... کہہ رہا تھا، وہ سر ہلاتے ہوئے اس کی باتوں ... ہنستی جا رہی تھی، اگلی شام اسے وہ لے کر شاپنگ ... پر گیا تھا۔

"میں اپنی پسند سے خریدوں؟" اس ... مارکیٹ میں ایاز کے ساتھ چلتے ہوئے کچھ ... بے یقینی سے کہا کہ وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

"ہاں اپنی پسند سے خریدو، دل کھول ... کل بناؤ۔"

"او کے۔" وہ ہنستی ہوئی شاپنگ سنٹر ... اندر داخل ہو گئی۔

مختلف رنگوں اور قسموں کی کلر پنسلز، ڈرائنگ ... کی چیزیں، کارڈز، کچھ کتابیں، اور دو ... خریدی تھیں اور ایک ایک چیز خریدتے ہوئے ... بے حد خوش تھی، یوں جیسے ہفت اقلیم کی دولت ... گئی ہو اور ایاز بے حد حیران تھا، اسے اپنی ... بہن پہ بے تحاشا پیار آیا تھا، وہ ابھی تک ... فریبوں اور مکاریوں سے ناواقف تھی اور ... یوں پہلی دفعہ کسی کے ساتھ اپنی مرضی کی چیز ... خرید رہی تھی جبھی ایک ملکیت نما خوشی اس ... گالوں سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

انہوں نے فریش ون سے کافی پی ... واپس آ گئے، لاؤنج میں سب لوگ بیٹھے چ...

... رہے تھے، علینہ کو شاپنگ بیگز سمیت واپس آتے دیکھ کر سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئی تھیں، سب کی نظریں ایک ساتھ خود پہ دیکھ کر علینہ نے کچھ کنفیوژن میں بیگز ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کیے اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور اسی رات ایاز مغل کی نیویارک روانگی عمل میں آئی تھی۔

اور اس سے اگلے دن رمشہ کے سسرال والے آ گئے، ایک پروقار تقریب میں وہ حبیب سے منسلک ہو گئی، ہر کوئی گھر میں خوش تھا، رات جب سب تھکے ہوئے سے بکھیڑا سمیٹ کر اپنے اپنے کمروں میں آرام کے لیے چلے گئے تو ایسے میں دو افراد آج پھر بے قرار تھے، اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے لان میں جھانکا جہاں تاریکی تھی۔

سیاہ شلوار سوٹ میں گرم چادر کندھوں پہ ڈالے وہ لان کی گھاس کو قدموں تلے روندتا ٹہل رہا تھا، ہاتھ میں جلتا ننھا سا شعلہ یقیناً سگریٹ کا تھا، وہ واپس مڑی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی، وہ ابھی تک اس لباس میں ملبوس تھی جو آج اس نے تقریب میں پہنا تھا، اس کا رخ لان کی طرف تھا، وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے برابر آ گئی، وہ اس کی موجودگی محسوس کر کے مڑا تھا مگر تاریکی ہونے کی بنا پر اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔

"کیا بہت ناراض ہو؟" وہ آہستگی سے بولی تھی، وہ اسے طرح دوبارہ ٹہلنے لگا۔

"کیسے مانو گے؟" اس نے اگلا سوال کیا، وہ اسی طرح خاموش رہا۔

"کوئی سزا ہی دے لو۔" وہ اس بار التجائیہ انداز میں بولی تھی، کوئی جواب نہ تھا۔

"بس کرو نا، پلیز۔" وہ ہار گئی تھی۔

"معاف نہیں کرو گے؟" اس نے آس بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"کس بات کی معافی؟" اس کا لہجہ ترش تھا۔

"تم جانتے ہو۔"

"نہیں میں نہیں جانتا، تم بتاؤ مجھے۔" وہ چیلنجنگ انداز میں بولا تھا۔

"میں نے بہت مس بی ہیو کیا تمہارے ساتھ اس کے لیے، میں نے بہت برا کیا، مگر میں ان غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہتی ہوں، کیا سب کچھ پہلے جیسا نہیں ہو سکتا؟" وہ رونے کے قریب تھی۔

"نہیں کچھ بھی پہلے جیسا نہیں ہو سکتا۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"کیوں؟ لیکن کیوں؟" وہ چیخ کر بولی تھی، اس نے کوئی نوٹس نہ لیا تھا، ہنوز سگریٹ پیتے ہوئے ٹہلتا رہا۔

"کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کچھ بھی پہلے جیسا ہو۔" چند ساعتوں بعد اس نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

"ایسا کیوں کر رہے ہو؟" وہ اس بار ذرا بدلے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

"کیا کر رہا ہوں؟" اس نے الٹا سوال کیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے، تم اس طرح بے حس مت بنو، کم از کم آج تو......" وہ طنز پہ اتر آئی تھی۔

"اچھا آج کیا ہے؟" اس نے بھنویں اچکا کر پوچھا تھا۔

"آج کا دن میرے لیے بہت اسپیشل ہے شاہ بخت، تم نے تو مجھے وش بھی نہیں کیا۔" اس نے شکوہ کیا تھا۔

"تمہیں میری وشز کی ضرورت نہیں ہے رمشہ احمد۔" وہ بھی طنزیہ بولا تھا۔

”مجھے ہے ضرورت، میں اپنے سب سے اچھے دوست کو مس کرتی ہوں، کیا تم نہیں کرتے؟“ اس کا سوال عجیب تھا۔
”نہیں میں نہیں کرتا۔“ اس نے کہا۔
رمشہ کو بہت برا لگا تھا، وہ شخص ہمیشہ سے زیادہ ظالم، بے حس اور سرد مہر نظر آیا تھا۔
”تم جھوٹ بولتے ہو۔“ وہ بے ساختہ بولی۔
”آہاں، تو سچ کیا ہے؟“ اور بھی طنزیہ انداز۔
رمشہ کو لگا اس کا دوران خون بڑھنے لگا ہو، شاہ بخت اس کا ضرورت سے زیادہ امتحان لے رہا تھا، شاید وہ بھول گیا تھا کہ وہ کس قدر گرم الطبع اور جلد مشتعل ہو جانے والی لڑکی تھی، جو کہ آج اپنی ساری انا اور ناراضی کو پس پشت ڈال کر اس سے بات کرنے آئی تھی اور وہ مسلسل اسے نیچا دکھا رہا تھا۔
”تم جانتے ہو سچ کیا ہے؟“ وہ بھی اس بار بدلے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔
”مجھے کچھ جاننے میں دلچسپی نہیں ہے۔“ ہنوز سرد لہجہ۔
”تم اچھا نہیں کر رہے بخت۔“
”کیا اچھا ہے اور کیا برا، یہ تم مجھے بتانے کی پابند نہیں ہو۔“ وہ اکتا کر بولا تھا، رمشہ کو آگ لگ گئی۔
”اپنی بکواس بند کرو شاہ بخت، تمہیں کیا لگتا ہے رمشہ احمد تم پر مرتی ہے اور تم سے پھر بھیک مانگنے آئی ہے تو اپنی یہ غلط فہمی دور کر لو۔“ وہ اس بار پھٹ پڑی تھی۔
”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، بند کرو اپنی بکواس۔“ وہ دھاڑ کر بولا تھا، رمشہ کے غصے میں مزید اضافہ ہوا تھا، اس کا دل چاہا وہ شاہ بخت کے منہ پہ بہت سے تھپڑ مارے اور اپنا غصہ ٹھنڈا کرے۔
”میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے، تم ہو کیا ہونہہ، اپنی حالت دیکھو، مجھے ٹھکرا کے تم نے سمجھا تھا، مجھے کوئی لے نہیں ملے گا، مجھے ٹھکرا کر تمہیں کیا ملا؟ جس کے لئے مجھے ذلیل کیا تھا اس نے کیسا جوتا مارا منہ پہ، کیسا لگا؟ بڑا اکڑتے تھے خود پر، کیسا نیچا دکھایا اس چھٹانک بھر لڑکی نے۔“ وہ تاک تاک کر تیر مار رہی تھی۔
”اپنا منہ بند کرو، بکواس کرتی ہو تم، ایسا کچھ نہیں ہے، وہ کچھ نہیں کر سکتی، اس کی اتنی حیثیت کہاں۔“ شاہ بخت زہر خند لہجے میں بولا تھا۔
”بس کرو نکل آؤ اپنی Utopia سے، حقیقت تسلیم کر لو، کہ اس نے تمہیں ٹھکرا دیا، اب تمہیں احساس ہوگا کہ ٹھکرائے جانے کی اذیت کیا ہوتی ہے؟ اب تمہیں پتا لگے گا ذلت کسے کہتے ہیں؟“ وہ چلا رہی تھی۔
”رہو اپنی خوش فہمیوں کے ساتھ اپنے شیش محل میں۔“ وہ نفرت سے کہتی واپس مڑی اور بھاگنے کے سے انداز میں وہاں سے نکلتی چلی گئی۔
شاہ بخت چند لمحوں کے لئے بالکل پتھر کے بت کی مانند ساکت رہ گیا تھا، پھر اس نے جلتا سگریٹ زمین پہ پھینک کر بوٹ سے مسلا اور ایک فیصلہ کن انداز میں واپس مڑا تھا، اس کے قدم علینہ کے کمرے کی طرف اٹھ رہے تھے۔

☆☆☆

ہم نے بھی ساری زندگی تیرے
آسمانوں تلے نہیں رہنا
یہ گھٹن جو ہمارے اندر ہے
ایک دن توڑ دے گی دیواریں
درد کا اعتراف کیا کرنا
منکشف ہی نہیں ہوا اس پر

ایک ذرا اختیار بھی تو دے
اے میرے اعتبار کے مالک
سوچ کی سیاہ بختیاں دیکھو
دائروں سے نکل نہیں سکتی

مزینہ اور تیمور احمد ڈی ایس پی ہاؤس میں موجود تھے، شفق مزینہ کی گود میں تھی جبکہ حیا، تیمور کے ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔
”حیا میرا بیٹا تم ٹھیک ہو نا؟“ تیمور نے بلاشبہ کوئی پچاسویں بار پوچھا تھا۔
”میں بالکل ٹھیک ہوں پاپا، کیسے ہوگی آپ کی تسلی؟“ وہ مسکرا کر بولی تو تیمور کے دل میں ایک ٹھنڈک اتر آئی تھی، وہ لوگ آدھ گھنٹہ پہلے ہی اسلام آباد سے یہاں آئے تھے، تیمور احمد کو یہ سب ناقابل یقین لگ رہا تھا، پتا نہیں کیا ہوا تھا؟ اور آخر یہ معجزہ ہوا کیسے تھا؟
انہوں نے یاد کرنے کی کوشش کی تھی، اپنا ایم اے انگلش مکمل کرنے کے بعد بھی اسید نے اسٹڈیز نہیں چھوڑی تھی، پتا نہیں اس نے کون سے پیپرز دیئے تھے، مگر دیئے تھے اور تھوڑی دیر مزید یاد کرنے کے بعد انہیں یاد آیا تھا کہ اس نے سی ایس ایس کے پیپرز دیئے تھے۔
سی ایس ایس کے بارہ پیپرز اور دن رات کی کڑی محنت، جس پر تیمور نے اس کا ہمیشہ مذاق اڑایا تھا۔
”افسری تمہارے باپ کی جاگیر نہیں جو تمہیں پلیٹ میں رکھی ہوئی مل جائے گی، جس دن کچھ بن گئے مجھے ضرور بتانا۔“ وہ طنز کرتے ہوئے کہا کرتے تھے، جواباً وہ صرف خاموش رہتا تھا۔
اور مزینہ کو بھی یاد تھا جن دنوں حیا اور اسید نکاح کے بعد لاہور جا چکے تھے، انہوں نے سی ایس ایس کے رزلٹ کا چرچا سنا تھا، مگر وہ تو بیٹی کی جدائی میں تڑپ رہی تھیں انہیں بھول کر بھی خیال نہیں آیا تھا کہ اسید بھی سی ایس ایس کے امتحان دے چکا تھا، رزلٹ اناؤنس ہوا، وہ سیکنڈ پوزیشن پہ تھا، سیٹ Allocate ہوئی اس نے اپنی مرضی سے پولیس ڈیپارٹمنٹ چنا تھا اور یہ وہی دن تھے جب حیا تیمور احمد کے ساتھ واپس اسلام آباد جا چکی تھی، اسے اکیڈمی ٹریننگ کی کال آ گئی، نو ماہ کی ٹریننگ نے اسے مکمل طور پر دنیا کی ہوش بھلا دی تھی اور اس کے بعد چھ ماہ کی پولیس سروس کی ٹریننگ کے بعد اسے ڈی ایس پی کے عہدے پہ تعینات کر دیا گیا تھا اور دوسری طرف اسی مدت کے دورانیے میں حیا کے ہاں شفق کی ولادت ہوئی تھی۔
وقت نے کسی عجب چال چلی تھی، تیمور احمد کو پے در پے شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اور وہ اسید مصطفیٰ آج ایک کامیاب، معزز اور معتبر شخصیت کے حوالوں کے ساتھ ان کے سامنے تھا اور اس مقام پر وہ کتنے بے بس ہو گئے تھے کہ چاہنے کے باوجود بھی اس کا کچھ بگاڑ نہ سکتے تھے، ورنہ کم از کم ایک بار تو وہ اس کا گریبان پکڑنا چاہتے تھے۔
آخر وہ اتنی آسانی سے دل میں جمی گرد اور بچے گاڑھے بیٹھی نفرت کو کیسے ختم کر سکتے تھے، مگر فی الحال وہ اس صورت حال میں خاموش رہنے پر مجبور تھے، کہ معاملہ اب پہلے جیسا نہ رہا تھا، ان کی بیٹی اب اس شخص کی بیوی تھی جبکہ وہ شخص جواب ایک ممتاز حیثیت کا حامل تھا، کچھ بھی کرنے کا بلائنڈ پرمٹ رکھتا تھا اور وہ اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتے تھے، وہ پہلے بھی اس کا رویہ دیکھ چکے تھے۔
مگر اب سچویشن مختلف تھی، حیا کی اچانک کال اور یوں ان دونوں کو لاہور بلانا ان کے لئے بہت معنی رکھتا تھا اور سب سے بڑھ کر وہ حیا کو

یوں آزادانہ رہتے دیکھ کران کے اندر کا خوف کافی حد تک کم ہو چکا تھا، دوسرے وہ اس کے حق ملکیت پہ مسرور تھے، آخر کچھ بھی تھا وہ بیوی کے طور پر اسے ہی متعارف کروانے پہ مجبور تھا، کچھ بھی ہوتا، جبھی تو اس نے یوں دونوں کو بلوا بھیجا تھا، آج رات گیٹ ٹو گیدر تھی اور حیا نے مرینہ کو کہا تھا کہ وہ اسے گائیڈ کریں کہ وہ کیسی ڈریسنگ کرے اور کس طرح کا میک اوور کروائے، تیمور کو بزنس میٹنگ میں جانا تھا، انہوں نے شفق کو ملازمہ کے حوالے کیا اور خود مارکیٹ نکل گئیں۔

انہوں نے موسم کی مناسبت سے کئی دلکش دیدہ زیب ملبوسات خریدے، مرینہ نے اسے عام گھریلو استعمال کے لئے کچھ لباس اور دوسری ضروری چیزیں دلائی تھیں، وہ اتنے عرصے بعد مارکیٹ آئی تھی کہ شاپنگ کرنا تقریباً بھول چکی تھی اور آج اسے اتنا عجیب لگ رہا تھا کہ وہ ہر چیز خریدتے ہوئے جھجک رہی تھی۔

شاپنگ کے بعد مرینہ اسے سیلون لے گئیں، ایک نئی اور فریش کٹنگ اور فیس پالش کے بعد وہ بالکل بدلی ہوئی نظر آرہی تھی اور ہمیشہ سے زیادہ گھبرائی ہوئی اور بے چین، مرینہ نے اسے تسلی کروانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی مگر ناکام رہی تھیں۔

☆☆☆

رات کی سیاہ تاریکی اس وسیع وعریض اور پرشکوہ عمارت کے کونوں کو اپنی آغوش میں سمیٹے ہوئے تھی، کہیں کہیں جلتے لیمپ اور مدھم روشنیاں اس کی راہ میں حائل تھیں، سیاہ لباس میں ملبوس وہ سایہ اسی تاریکی کا حصہ معلوم ہوتا تھا، اس کی چال میں ایک عجیب سی بے چینی اور اضطراب ٹپک رہا تھا، وہ چلتا ہوا اندرونی عمارت میں داخل ہوا، کسی نظر نے اب تک اسے نہیں دیکھا تھا، وہ سیدھا چلتا گیا، پھر اس نے ایک کمرے کے دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھا اور پھر اسے گھما کے دیکھا، دروازہ لاک نہیں تھا، اس نے دروازہ کھول دیا، کمرہ تاریکی میں ڈوبا تھا، اس نے اندر قدم رکھا اور دروازہ بند کر لاک کر دیا اور پھر محتاط قدموں سے چلتا بیڈ تک آ گیا، جہاں ایک نسوانی وجود محو خواب تھا، اس نے ایک طویل سانس لے کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا، کچھ دیر لمبے لمبے سانس لینے کے بعد اس نے اپنی جیکٹ اتاری اور ایک طرف ڈال دی، پھر خود بھی بیڈ پہ لیٹ گیا، چند لمحے وہ چت لیٹا رہا پھر کروٹ بل اس اپنے ساتھ لیٹے وجود کو دیکھا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے ماتھے پہ آئے بال پیچھے کر دیئے۔

پھر اس کا ہاتھ تھاما اور اپنے چہرے پہ رکھ دیا، اس کے بے تاب ہونٹوں نے اس نازک ہاتھ کی ایک ایک پور کو چوما اور لب ہتھیلی پہ رکھ دیئے، اس کی آنکھوں سے جنون دیوانگی بہہ رہی تھی، اس نے ہاتھ ہٹایا اور پھر ہاتھ اس کے کندھوں پہ رکھ دیئے اور ہونٹ اس کے ماتھے پہ۔

''میری جان۔'' اس نے ماتھے کو چوما تھا۔

''میری زندگی۔'' اس کے ہونٹ آنکھوں پہ ثبت ہو رہے تھے۔

''میری محبت۔'' اس نے عارض لبوں سے چھو لئے تھے۔

''میری روح۔'' اس نے ہونٹ چوم لئے۔

لڑکی کسما کر کروٹ بدلنا چاہتی تھی اس نے بازو پھیلا کر اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور پھر قطرہ قطرہ اسے خود میں اتارنے لگا، چند ثانیے کی دیر گزری تھی کہ وہ جاگ گئی اور پھر خود کو یوں اس کے بازوؤں میں سمیٹے دیکھ کر وہ ٹھٹھر گئی۔

"چھوڑو مجھے۔" وہ اسے پہچان کر لرز اٹھی تھی، وہ اس کا جاگنا محسوس کر چکا تھا، گرفت مضبوط کر دی گئی۔

"تم غلط کر رہے ہو۔" وہ سسکی تھی۔

"کیا غلط کر رہا ہوں؟" وہ مزید قریب ہوا، ہونٹ اس کی ٹھوڑی پہ ثبت کر دیئے۔

"بہت مشکل سے آسکا ہوں۔" اس نے اسے اپنے وجود میں جذب کر لیا، اس کی مزاحمت کمزور پڑ گئی تھی، رات کی سیاہی کیا راز چھپانے جا رہی تھی۔

☆☆☆

سنو تم نے کبھی ساحل پہ بکھری ریت دیکھی ہے؟
سمندر ساتھ بہتا ہے مگر اس کے مقدر میں ہمیشہ
پیاس رہتی ہے
سنو تم نے کبھی صحرا میں جلتے پیڑ دیکھے ہیں
سبھی کو چھاؤں دیتے ہیں مگر ان کو صلے میں
دھوپ ملتی ہے
سنو تم نے کبھی شاخوں سے بچھڑے پھول دیکھے
ہیں
وہ خوشبو بانٹ دیتے ہیں بکھر جانے تلک
لیکن ہوا کا ساتھ دیتے ہیں
سنو تم نے کبھی میلے میں بجتے ڈھول دیکھے ہیں
بہت ہی شور کرتے ہیں مگر اندر سے خالی ہیں
یہی میرا افسانہ ہے
بس اتنی سی پہیلی ہے
جو تم کو بتانی ہے
یہی میری کہانی ہے

وائٹ ٹو پیس میں اپنے ساتھ چلتے اسید مصطفیٰ کو دیکھ کر جو احساس اس کے رگ و پے میں اترا تھا وہ نا قابل بیان تھا، وہ اس وقت مووکلر کی ٹخنوں کو چھوتی خوبصورت فراک میں تھی، کٹے ہوئے فلکس ماتھے پہ گرے تھے اور نفاست کے ساتھ کیے گئے میک اپ میں وہ آج اتنی عام اور بری نہیں لگ رہی تھی، بلکہ اچھی خاصی لگ رہی تھی مگر ساتھ چلتا شخص ہر لحاظ سے اس سے بالاتر تھا۔

مگر آج اس کے تاثرات ہر لحاظ سے الگ تھلگ تھے، وہ ایک عجیب سی بے نیازی کے ساتھ سب کے ساتھ اس کا تعارف کروا رہا تھا، اس کے کولیگز، سینئرز اور جونیئرز سب ہی اس کے ساتھ ایک پر جوش اور تجسس آمیز تاثرات سے مل رہے تھے، البتہ بیگمات کا طبقہ قدرے مایوس دکھائی دیتا تھا، شاید وہ اس کی جگہ کوئی اسید جیسی ہی آؤٹ کلاس پرسنالٹی کی توقع کرتی تھیں، حبا کو ان کے تاثرات سے کچھ بھی افسوس نہ ہوا تھا، اسے اس کی توقع تھی۔

"She is not so special as i was expecting۔" اپنے گھونگھریالے بالوں کی ایک لٹ کو دائیں انگلی پہ لپیٹتے ہوئے یہ تنقیدی فقرہ اقرا چوہدری نے بڑی عجیب نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"And what you were expecting?" مسز بابر شیراز نے ہنستے ہوئے کہا۔

"Something extraordinavy- but she is nothing seems a maid of him۔" وہ مذاق اڑا رہی تھی۔

دور کھڑے اسید کے ساتھ کھڑی "حبا" ہاتھ میں پکڑے کلچ کو الٹا سیدھا کرتی ازحد مضطرب دکھائی دیتی تھی۔

"ہیلو مسز اسید" اپنے مرمریں ہاتھ کو آگے بڑھائے یہ مسز پریرہ نور الدین تھیں ایک سینئر پولیس آفیسر کی بیگم تھیں۔

حبا نے ہاتھ آگے بڑھایا تو جانے کیسے کلچ

ہاتھ سے گر پڑا، اسید نے چونک کر اسے دیکھا اور اس چہرے کی تحریر پڑھ کر وہ چند لمحوں کے لئے فریز سا ہوا تھا، اس نے جھک کر اس کا کیچ اٹھایا تو نظر اس کے پیروں پر پڑی، اس کے پیروں کے انگوٹھے اضطراب اور بے چینی سے مڑے ہوئے تھے، وہ ایک طویل سانس لیتا سیدھا ہوتا ہو گیا، شاید کہیں نہ کہیں بہت کچھ غلط ہو گیا تھا، اس کو احساس تھا۔

تیمور احمد اور مرینہ بھی اس تقریب کا حصہ تھے، تیمور احمد کو کچھ اپنے جاننے والے مل گئے تھے جوان کے اس نئے تعارف سے خاصے خوش تھے، اب تیمور احمد کی پہچان ایک بزنس مین کی ہی نہیں بلکہ ڈی ایس پی اسید مصطفیٰ کے سسر کی تھی، مرینہ کا چہرہ البتہ کچی خوشی کا غماز نظر آتا تھا، آج ان کا برسوں پرانا خواب شرمندہ تعبیر ہوا تھا، وہ تو صحیح معنوں میں ساتویں آسمان پہ تھیں، مگر اسید ان سے یکسر لاپرواہ نظر آتا تھا، اس نے ان کا تعارف کہیں بھی اپنی ماں کی حیثیت سے نہیں کروایا تھا، وہ نوٹ کر چکی تھیں مگر کہا کچھ نہیں تھا، کہ زندگی کے اس مقام پہ وہ بھی بے بس تھیں۔

رات جب وہ لوگ کھانا کھا کر تقریب کو اختتام پذیر کر کے لوٹے تو تیمور اور مرینہ اپنے کمرے میں چلے گئے، اسید کا رویہ ان دونوں کے ساتھ بہت اچھا نہیں تو بہت برا بھی نہ تھا، اس نے نارمل انداز رکھتے ہوئے ان سے رسمی حال احوال دریافت کیا تھا اور پھر اپنے سیل پہ آنے والی کال کی طرف متوجہ ہو گیا اور اسی طرح بات کرتے کرتے لاؤنج سے باہر نکل گیا تھا۔

اور اب وہ اپنے کمرے میں آئی تو تھکی ہوئی تھی، اس نے اپنی جیولری اتارنی شروع کی تو دروازے پہ دستک ہوئی اس نے اپنا کام موقوف کیا اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا، باہر ملازمہ تھی۔

"آپ کو صاحب بلا رہے ہیں۔" اس نے اطلاع دی۔

"کہاں؟" اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"اپنے کمرے میں۔" وہ کہہ کر واپس مڑ گئی۔

حبا اس کے پیچھے دروازہ بند کر کے آ گئی، پتا نہیں اسید کو کیا کام تھا؟ وہ سوچتی ہوئی اس کے کمرے کی طرف بڑھ آئی، ہلکے سے دروازہ تھپتھپا کر اندر آئی تو اسید آرام دہ کرسی پہ بیٹھا تھا، کمرے میں کوئی آواز نہ تھی، صرف کرسی کی حرکت سے پیدا ہونے والی آواز تھی جو اس سناٹے کو کچھ دیر کے لئے ختم کرتی اور پھر سے وہی خاموشی ہر طرف طاری ہو جاتی، وہ اندر داخل ہو کر اسے دیکھنے لگی، انداز سوالیہ تھا۔

"دروازہ بند کر دو۔" اسید نے کہا، حبا روبوٹ کی مانند واپس مڑی اور دروازہ بند کر دیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" اسید نے اسے کہا۔

حبا نے ناسمجھ سے انداز سے اِدھر اُدھر دیکھا اسے سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ کہاں بیٹھے؟ کیا اس کا اس کمرے کی کسی بھی چیز پر حق تھا؟ اس نے خود سے سوال کیا تھا اور پھر حسرتوں کا الاؤ خود میں جلتا دیکھا اور پھر بڑی عجیب سی خود اذیتی سے اس کے سامنے کارپٹ پہ بیٹھ گئی، اسید نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا تھا، پھر وہ کرسی سے اٹھ گیا، اس نے ٹیوب لائٹس آف کر کے ہلکی روشنی جلا دی، پھر سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور لائٹر سے ایک سگریٹ سلگا لیا اور پھر تسلی سے بیڈ پہ بیٹھ گیا، وہ ابھی تک وہیں بیٹھی تھی۔

"اٹھو..... یہ ڈریس چینج کر لو۔" اسید نے اس کی پشت دیکھتے ہوئے کہا، اس کی آواز سن کر وہ فوراً اٹھ گئی۔

"وہ تو دوسرے کمرے میں ہیں۔" حبا نے کچھ بے چینی سے کہا، وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسید ایسا کیوں کر رہا تھا؟ آخر مقصد کیا تھا۔

"ادھر سے کچھ پہن لو۔" اس نے کش لیتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

حبا نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور پھر اسی طرح واپس مڑ کر وارڈ روب کی طرف مڑ گئی، اس نے ایک سفید ٹی شرٹ نکال لی اور ٹراؤزرز کا انتخاب کرتے ہوئے وہ الجھ گئی، وہ سائز میں اتنا بڑا تھا کہ چاہ کے بھی اسے پورا نہیں آ سکتا تھا، اس نے کچھ سوچ کر صرف شرٹ ہی نکالی اور چینج کرنے کے لئے چلی گئی، اس کی موو فراک کے نیچے بھی ٹراؤزر ہی تھا جبھی اس نے صرف فراک بدل کر شرٹ پہنی اور منہ ہاتھ دھو کر باہر آ گئی، آئینے میں خود کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی، اسید کی ڈھیلی شرٹ، اسے عجیب سا احساس ہوا تھا، وہ کمرے میں لوٹی تو ساری روشنیاں گل ہو چکی تھیں، وہ ٹھٹک گئی، صرف ٹیبل لیمپ جل رہا تھا۔

"یہاں آؤ حبا۔" اسید کی آواز تھی کہ سنسناتی ہوئی گولی جو حبا کے وجود سے پار گزر گئی تھی، وہ مردہ وجود کو گھسیٹتی اس کے پاس آ گئی، کیا کرنا چاہتا تھا وہ؟ کیا اب بھی جاننے کی ضرورت تھی؟ اسے اپنی بے حسی پہ افسوس ہوا تھا، اس کی آنکھیں خشک تھیں، سلگتا ہوا سگریٹ، اندھیرا اور اس کی بے بسی، سب کچھ مکمل تھا وہ خود ہی آگے بڑھ کر بیڈ پہ لیٹ گئی، بالکل..... ہاں بالکل ایسے جیسے قربانی کا جانور خود ہی لیٹ کر خود کو پیش کر دے۔

اسید نے سگریٹ ختم کر لیا تھا، وہ سیدھا ہوا اور پھر ٹیبل لیمپ آف کر کے لیٹ گیا، کمرے میں صرف دو نفوس کی خاموش اور مدھم چلتی ہوئی سانسیں تھیں، اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا، چند لمحوں بعد وہ ذرا سا آگے ہوا اور ہاتھ اس کی گردن پہ رکھ دیا، اس کا ٹھنڈا ہاتھ اس کی گردن پہ ذرا دیر رکا رہا، ایسے لگتا تھا جیسے حبا کی سانس رک گئی ہو، پھر اس کا ہاتھ گردن سے آگے بڑھا، حبا کو لگا جیسے کوئی بھاری پتھر اس کے دل پہ آن گرا ہو، اس کی دھڑکن بتدریج تیز ہونے لگی، اسید سائیڈ کے بل دراز تھا اور لیمپ کی روشنی اس کی چوڑی پشت کے پیچھے سے مدھم سا پھیلتی ہوئی ہر چیز کو دھندلا اور مبہم بنا رہی تھی، کئی لمحے گزر گئے یا شاید سال، یا پھر شاید صدیاں، وہ آنکھیں بند کر کے اپنا تیز ہوتا سانس نارمل رکھنے کی کوشش کر رہی تھی، اس کے دل پہ رکھا وہ ہاتھ نہیں تھا کوئی Obsorber تھا جو سب کچھ جذب کرتا جا رہا تھا، اس کی بے یقینی، اس کا خوف، اس کے وہم، اس کے ڈر اور شاید اس کی پوشیدہ و خفیہ اذیتیں بھی، وہ آہستگی سے اس کے قریب ہوا اور پھر...... شاید خوف کی شدت سے اس کی دھڑکن رکنے لگی اور بے حسی کی جمی برف میں ایک ہلکی سی دراڑ پڑ گئی، کڑچ کڑچ برف ٹوٹی تھی اور اس کی آنکھیں بہنے لگیں، اس کے سینے میں اتنی گھٹن ہو رہی تھی کہ اس کا منہ کھل گیا، اس نے ایک لمبا سانس لے کر اس گھٹن سے چھٹکارا پانا چاہا تھا، وہ اس بے چینی کو محسوس کر چکا تھا، اس نے انگلیوں کی پوروں سے اس کا چہرہ چھوا، اس کی انگلیاں بھیگ گئی تھیں، وہ ٹھٹکا، چونکا اور پھر پیچھے ہٹ گیا۔

چند لمحے وہ سیدھا لیٹا رہا، پھر اٹھا اور سائیڈ ٹیبل سے اپنا سگریٹ کیس اٹھا کر باہر نکل گیا۔

کچھ بھی نہیں ویسا
جیسا تجھے سوچا تھا
کچھ پھول محبت کے

مہکیں گے میری خاطر
لیکن تجھے پا کر بھی
اور خود کو گنوا کر بھی
اس حبس کے موسم میں
کھڑکی سے ہوا آئی
نہ پھول سے خوشبو کی
کوئی بھی صدا آئی
نہ لفظ میرے نکلے
نہ حرف و معنی کی
دانش میرے کام آئی
نادیدہ رفاقت میں
جتنی بھی اذیت تھی
سب ہی میرے نام آئی
جیسا تجھے سوچا تھا

آنسو بہتے چلے جا رہے تھے اور کمرے کی تاریکی اس کے دل کو اور بھی خالی اور تاریک کیے جا رہی تھی اور بے بسی کا کوئی انت نہ تھا۔

☆☆☆

"تم اتنے بڑے گھر میں کیسے رہتی ہو ستارا؟" عینی نے چائے کا مگ پکڑتے ہوئے قدرے حیرانی سے کہا تھا۔

"ابھی کہاں، کوشش کر رہی ہوں۔" وہ ہلکا سا مسکرا کر بولی تھی۔

"تم گھر کب آؤ گی، ابا یاد کر رہے ہیں تمہیں؟"

"جلد آؤں گی۔" وہ آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے لمبے بال سلجھانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اپنے بالوں کے ساتھ تو یہ سلوک مت کرو۔" عینی نے اسے ٹوکا، جو بالوں کو بے دردی سے کھینچ رہی تھی۔

"میں بہت تنگ ہوں ان سے، دل چاہ رہا ہے کٹوا ہی دوں۔" اور الجھ رہی تھی، جب مصعب نے اندر قدم رکھا۔

"کیا کر رہی ہیں آپ؟" وہ بے ساختہ اس کے قریب آ گیا، نرمی سے اس کے بال تھام لئے اور اس کے ماتھے کو چوما تھا، پھر اس کے ہاتھ سے برش لے لیا۔

"ایسے بناتے ہیں بال۔" وہ نرمی سے اس کے بال سلجھانے لگا، ستارا نے آئینے میں نظر آتی عینی کو دیکھا جو ہنسی روکنے کی کوشش میں نڈھال ہوئی جا رہی تھی، مصعب نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

"وہ......" ستارا نے جھجک کر کچھ کہنا چاہا مگر مصعب نے اس کے شانے کے گرد بازو پھیلا کر اسے قریب کر لیا تھا۔

"بس چپ کریں، کچھ پتا نہیں چلتا آپ کو، سب کچھ سکھانا پڑے گا۔" وہ دلکشی سے مسکرایا تھا، ستارا کی حالت عجیب سی ہو گئی۔

"وہ عینی آئی ہوئی ہے۔" اس نے پیچھے ہٹنا چاہا، مصعب ذرا سا چونکا، آئینے میں دیکھ کر خفیف سا مسکرایا اور پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"کیسی ہیں آپ؟" وہ تھوڑا سا الگ ہو کر بولا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں بھائی، آپ کیسے ہیں؟" اس بار عینی کھل کے ہنس پڑی تھی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں، کھانا وغیرہ کھایا آپ نے؟" آداب میزبانی نبھانا تو کوئی مصعب شاہ سے سیکھتا۔

"جی بس چل رہا تھا سب کچھ۔"

"اور بتایئے گھر میں سب خیریت ہے؟" وہ شائستگی سے پوچھ رہا تھا۔

"الحمدللہ، سب خیر ہے۔"

"اور عفان صاحب کیسے ہیں؟ انہیں بھی لے آتیں۔"

"جی بس کچھ مصروفیت ہی ایسی ہوتی ہے اس کی، کہ اس کے ساتھ کہیں آنا جانا ممکن نہیں ہوتا۔" اس بار وہ اکتائے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

"بس اسی طرح کے حالات ہیں ادھر بھی۔" وہ مروت سے مسکرایا تھا۔

"ہاں جی، یہ بتائیں آپ لوگ گھومنے پھرنے کہاں جا رہے ہیں؟" وہ تجسس سے پوچھ رہی تھی، ستارا نے چونک کر اسے دیکھا۔

"گھومنے پھرنے کیا جانا ہے، چھوڑو تم، یہ بتاؤ کچھ منگواؤں تمہارے لئے۔" ستارا نے موضوع بدلنا چاہا۔

"ٹاپک چینج مت کرو ستارا۔" عینی نے طنز کیا تھا۔

مصعب نے دونوں کو ایک نظر دیکھا اور پھر بے ساختہ مداخلت کی تھی۔

"یہ پلاننگ پاپا کریں گے ہمیں کہاں جانا ہے۔" مصعب نے قدرے جتانے والے انداز میں کہا تھا۔

"پاپا کیوں؟ آپ اور ستارہ کیوں نہیں؟" عینی نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو اس میں کیا ہے، پلاننگ کوئی بھی کرے۔" ستارا نے قدرے گھبرا کر بات سمیٹنی چاہی تھی۔

"ایسا تو نہیں ہوگا، ہماری رائے تو شامل ضرور ہوگی۔" مصعب نے ہلکی سی سنجیدگی سے کہا تو ستارا نے اس کا چہرہ بغور دیکھا اور عینی نے سر ہلایا تھا، کچھ دیر بعد عینی چلی گئی، مصعب اپنا لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گیا جبکہ ستارا پھر سے بال سنوارنے لگی۔

"آپ کو عینی کی بات بری لگی، مجھے افسوس ہے، اسے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔" ستارا کا انداز عام تھا۔

مصعب نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا، سنگھار میز کے شیشے میں دونوں کی نظریں ملیں اور ستارا کو لگا جیسے ان سبز نگینوں سے کوئی شعاع نکلی اور اس کی آنکھوں سے ٹکرائی تھی، اسے ایک نامعلوم سی شناسائی کا احساس ہوا تھا، جیسے ان کی روحیں اس سے پہلے بھی کہیں مل چکی تھیں، بہت صدیاں پہلے جیسے وہ کہیں ساتھی رہ چکے ہوں، مصعب اسے نگاہوں کے حصار میں رکھتے ہوئے اٹھا اور دھیرے سے اس کی جانب چلا آیا، ستارا نے آہستگی سے اپنے دراز بال اٹھائے اور دائیں طرف ڈال دیے، مصعب نے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اسے اپنی طرف موڑ لیا۔

"کوئی کسی سے اتنا پیار کیسے کر سکتا ہے تارا؟" اس کی آنکھیں تھکی ہوئی اداس تھیں، ستارا کے اندر چھناک سے تارا نام کا شیشہ ٹوٹا تھا۔

"کون؟ کس کی بات کر رہے ہیں؟" ستارا نے بدقت پوچھا تھا۔

"محبت کتنی عجیب چیز ہے نا انسان سے کیا کچھ کروا لیتی ہے۔" مصعب نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اس کے ماتھے پہ لب رکھ دیئے، ایک عجیب سی لہر اس کے اندر گزری، اس نے سر مصعب کے شانے پہ ڈال دیا، جسے مصعب نے بہت حفاظت سے سنبھالا اور اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"محبت سب سے پہلے ہمیں اپنے محبوب کی عزت کرنا سکھاتی ہے، مجھے صرف تم ہی عزیز نہیں ہو، تمہارے گھر والے بھی میرے لئے اتنے ہی محترم ہیں، مجھے عینی کی بات بری نہیں لگی اس نے ایک فطری سوال پوچھا تھا، واقعی جن کی زندگی ہوتی ہے فیصلے بھی ان کے ہی ہونے چاہئیں۔" اس نے نرمی سے اسے چوما، پھر اسے ساتھ

لگائے بیڈ تک لے آیا، ستارا بنا کچھ بولے اسے دیکھتی اس نے نہایت احتیاط و توجہ سے اس کے بال سمیٹ کر تکیے پہ ڈال دیے اور پھر اسے لیٹا دیا۔

''ہم کہاں جائیں گے؟'' ستارا نے اس کی بڑھتی ہوئی قربت سہتے ہوئے پوچھا تھا، مصعب کے ہونٹ مسکرا دیے، یہ سوال صرف اس کی توجہ ہٹانے کی خاطر کیا گیا تھا، اس نے ستارا کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا، وہ گڑبڑا کے پلکیں جھکا گئی، اُف یہ سبز آنکھیں اور ان کی سحر انگیزی۔

''جہاں تم چاہو۔'' اس نے جھکی پلکیں چوم لیں۔

اب ستارا کے پاس خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ تھا، مصعب شاہ کی چاہت میں یقیناً کوئی کمی نہ تھی، وہ اسے اپنی محبت اور عشق کی جنوں خیزی میں چوم رہا تھا اور ستارا کے خالی دل میں صرف اک نام کی بازگشت چل رہی تھی۔

''نوفل صدیق کی تارا۔''

☆☆☆

خراج لمحوں میں تیرے دست کشادہ سے ہوئے
کتنی صدیوں کی مشقت سے کمائے ہوئے ہم

اس نے دروازے کے آگے رک کر اک لمحے کے لئے سوچنا چاہا پھر ہمیشہ کی طرح سر جھٹک دیا، بھلا وہ شاہ بخت ہی کیا جو سوچ سمجھ کر کچھ کرے۔

اس نے دروازے کو دھکیلا وہ بغیر کسی رکاوٹ کے کھلتا چلا گیا، وہ اندر داخل ہو گیا، وہ بالکل سامنے بیڈ پہ بیٹھی تھی اور اس کے آگے ایک رنگ برنگی دکان سجی تھی، بکس، کلر پنسلز اور رنگ برنگی کی چیزیں، جبکہ وہ خود اپنے سامنے رکھے کالج بیگ کے ہک میں کی چین لگا رہی تھی، وہ دروازہ کھلنے کی آواز پہ متوجہ ہوئی، سر اٹھا کر دیکھا تو شاہ بخت کو کھڑا پایا، وہ آگے بڑھا مگر پیچھے سے دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا، وہ بیوقوف ضرور تھا مگر اتنا نہیں کہ ایک بار پھر وہی غلطی دہراتا جبکہ پہلے ہی وہ اس کا خاصا بھیانک انجام بھگت چکا تھا۔

مگر اس کے باوجود وہ واقعی بے وقوف تھا جس نے پھر سے اپنی غلطی دہرائی تھی، علینہ اسے دیکھتے ہی بلند آواز میں چلائی تھی۔

''تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟''

''میرا بھی یہی سوال ہے تم سے۔'' وہ اس سے زیادہ بلند آواز میں چلایا تھا۔

''تمیز نہیں ہے تمہیں؟ منہ اٹھا کر اندر آنے کا مطلب؟'' وہ اسی ٹون میں بولی تھی۔

''نہیں ہے مجھے تمیز، تمہیں ہے؟'' وہ آگے بڑھ کر دوبدو بولا۔

''تم سے تو زیادہ ہی ہے۔''

''اچھا.. لہجہ دیکھا ہے اپنا باتمیز صاحبہ؟'' وہ طنز کر رہا تھا۔

''تم سے تو اچھا ہی ہے۔'' وہ فوراً بولی۔

''آہاں، تمہارا تو سب کچھ ہی مجھ سے اچھا ہے، جبھی تو کہتا ہوں میری بن جاؤ اور مجھے بھی اچھا بنا دو۔'' وہ معنی خیزی سے مسکرایا تھا، انداز طیش دلانے والے تھے۔

''اپنی بکواس بند کرو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' علینہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا اس نے ہاتھ آگے بڑھائے جیسے اسے دھکا دے کر باہر نکالنا چاہتی ہو، شاہ بخت کی آنکھوں میں حیرت چمکی، وہ لمحوں میں اس کا ارادہ جان گیا اور پھر ہمیشہ کی طرح اس کا دماغ گھوما تھا، اس نے جھپٹ کر علینہ کے ہاتھ تھام لئے۔

''تم.. تم مجھے نکالو گی یہاں سے؟ مجھے تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟'' اس نے علینہ کے بازوؤں کو جھٹکا دیتے ہوئے کہا تھا۔

''تم حد سے بڑھ رہے ہو شاہ بخت، تمیز سے رہو اور میرے ہاتھ چھوڑو۔'' وہ چیخی تھی۔

''نہیں چھوڑوں گا، کیا کر لو گی تم؟'' اس نے چیلنج کیا۔

''میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔'' وہ غرا کر بولی۔

''بندھے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ۔'' وہ قہقہہ لگا کے ہنسا۔

''گھٹیا انسان، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' وہ اتنے زور سے چلائی کہ اس کے گلے کی رگیں پھول گئیں۔

''کہیں نہیں جاؤں گا میں، تمہیں میری بات سننا ہو گی۔'' وہ اسے ایک اور جھٹکا دے کر بولا تھا۔

''مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔''

''کیوں..... کیوں.. کیوں نہیں سنو گی میری بات... پیار کرتا ہوں میں تم سے..... اپنا بنانا چاہتا ہوں تمہیں.... اتنی سی بات تمہیں سمجھ نہیں آتی؟'' وہ اتنی بلند آواز سے بولا کہ کمرے کی دیواریں تک لرز اٹھی تھیں۔

''نہیں آتی کیونکہ میں سمجھنا نہیں چاہتی۔'' وہ بھی اس کے انداز میں حلق پھاڑ کر بولی تھی۔

''آہستہ بولو۔'' وہ دانت بھینچ کر بولا تھا۔

''کیوں..... کیوں نہیں چلے جاتے تم میری زندگی سے؟'' اس کا انداز اکتاہٹ سے بھرپور تھا۔

وہ دونوں اسی شد و مد سے جھگڑنے میں مصروف تھے جبکہ ان کی بلند آوازیں سن کر سب اکٹھے ہو چکے تھے۔

''میں تم سے محبت کرتا ہوں، اتنی سی بات سمجھنے کے لئے تمہیں کتنے دن چاہیں کتنے مہینے اور کتنے سال؟ بتاؤ۔'' شاہ بخت کا غصہ اپنی انتہا پر جا پہنچا تھا۔

''تم ساری زندگی بھی ایڑھیاں رگڑتے رہو تب بھی میں تمہاری بات نہیں مانوں گی۔'' علینہ کے انداز میں وہ نفرت و حقارت تھی جس نے شاہ بخت کا فیوز اڑا کے رکھ دیا تھا، اس کا ہاتھ بے ساختہ اٹھا اور دائیں ہاتھ کا طمانچہ پوری قوت سے علینہ کے گال پہ پڑا تھا، اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی تھی۔

''کیسے نہیں مانو گی؟ میں دیکھتا ہوں کیسے نہیں مانتی تم؟'' شاہ بخت کی بلند دھاڑ نے اسے لرزا کر رکھ دیا تھا۔

یہ سب کچھ صرف چند سیکنڈز کے اندر اندر وقوع پذیر ہوا تھا، اس دوران کسی کو کوئی ایکشن لینے کا موقع ہی نہیں ملا تھا، مگر اب علینہ کی چیخ سن کر جیسے کوئی سکتہ ٹوٹا تھا۔

''اسے چھوڑ دو شاہ بخت۔'' یہ تھکی ہاری آواز علینہ کے بابا احمر مغل کی تھی۔

(باقی آئندہ)

''اعتراز''

دسمبر کے شمارے میں سمیرا گل عثمان کا افسانہ ''فیصلہ'' شائع ہوا تھا فہرست میں کمپوزنگ کی غلطی سے اس ''صبا بخاری'' کا نام شائع ہو گیا جس کے لئے ہم سمیرا گل سے معذرت خواں ہیں۔

فوزیہ غزل

بتیسویں قسط کا خلاصہ

صبا اپنے ساتھ ہونے والے سانحہ سے ابتر ذہنی کیفیت کا شکار ہے، اس کی فیملی کسی بھی طرح صبا کا اعتماد واپس لانے میں کوشاں اس کی شادی کا سوچتے ہیں تو مسئلہ کہ ایسی صورتحال میں کون صبا کا ساتھ دے گا۔

اریبہ اپنی شوبز انٹری سے پہلے ربیعہ اور جویریہ کا رشتہ طے کر دیتی ہے، سعیہ شہریار کے درمیان انا، خفگی، ضد کے ساتھ محبت کا موسم بھی لہرا رہا ہے، مگر دونوں پہل کرنے سے کتراتے ہیں۔

ماریا اسلام وقرآن کے فلسفہ، تعلیمات کا دوسری مذاہبی کتب سے تقابلی جائزہ لیتی ہے تو اس پہ نئے روحانی حقائق وتجلیات کا انکشاف عجب کیفیات وارد کرتا ہے۔

وہاج کی صبا سے شادی کی آفر پہ نزہت انکار کر دیتی ہیں۔

سعیہ کو شہریار صبا کے ساتھ بیتنے والے حادثہ کا بتاتا ہے تو وہ شدید غم وتاسف سے نڈھال ہو جاتی ہے وطن واپسی پہ وہاج کے پرپوزل کا سن کر صبا کو اس کے حق میں ہموار کرتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے	تیتسویں قسط

اس کو معلوم تھا کہ وہ جس چیز سے منکشف ہو رہی ہے وہ بہت الگ، منفرد اور ایک عظیم روحانی قوت ہے وہ جان رہی تھی کہ اسلام صرف ظاہری رسم و رواج کا نام نہیں وہ سب سے بڑا نہ سہی عظیم ترین مذہب ہے، اس کرہ ارض کا ہر چوتھا انسان مسلمان ہے اور اسلام تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے، اسے ایسے ہی مذہب کی ضرورت تھی جو قابل عمل ہو نہ کہ فلسفہ (بدھ مت کی طرح) محض خیالات اور صرف خوابوں کا مذہب نہ ہو اس کو اپنا کر دوسرے لوگوں سے قطع تعلق نہ کرنا پڑے، اسے ایسے دستور عمل کی ضرورت تھی جس پر چل کر وہ ہر آن اپنے لئے اور دوسروں کے لئے مثالی نمونہ بن جائے۔

ایسے رہا کرو کریں لوگ آرزو
ایسے چلن چلو کہ زمانہ مثال دے

اور اسی غرض کو پورا کرنے کے لئے اس نے دوسرے مذاہب کا مطالعہ کیا اسلام کی طرف آنے کی ایک یہ وجہ بھی تھی کہ عرصہ دراز بلکہ عہد بچپن سے ہی وہ اپنے سوالات کے جوابات کی تلاش میں تھی اور اسی سلسلے میں وہ مختلف مذاہب سے متعلق کتابوں کو خریدنے لگی تھی وہ اسلام پر عیسائی مصنفین کے متواتر جملوں کو دیکھتی اور اپنے آپ سے سوال کرتی ''یہ لوگ اسلام سے اتنے خائف کیوں ہیں؟ اسلام نے وہ کون سی تعلیم دی ہے جس کی وجہ سے کلیسا کا زبردست دشمن ٹھہرا ہے'' جہاں تک ہو سکا اس نے تمام کتابیں خریدیں مگر وہ سب کی سب عیسائی محققین کی تھیں جو بظاہر تو اسلامی علوم میں ذرک و مہارت کے دعوے دار لگتے اگرچہ ان کی فراہم کردہ معلومات غلط ہوتیں (یہ اسے آگے چل کر معلوم ہوا تھا) پھر بھی اس کا دل اس یقین سے معمور تھا کہ اس کی مراد بر آئے گی اطمینان بخش جواب مل جائیں گے اور اب وہ وقت شاید آ چکا تھا کہ وہ ہر ویک اسلامی لیکچر میں شریک ہوتی اور لیکچر کے ختم ہونے کے ساتھ اگلے لیکچر کی آمد کے لئے بے قرار رہتی اور ہر لیکچر اسے ایسے روحانی جذبے سے سرشار کرتا جس کا اس سے قبل کوئی تجربہ نہ تھا اس کے دل میں روحانیت کی پرورش کے لئے اتنی اشتہا تھی کہ وہ لیکچر کے ہر لفظ کو اس طرح اپنے اندر جذب کرتی جیسے خشک سپنج پانی کو جذب کرتا ہے، وہ باقاعدہ مسلمان نہیں ہوئی تھی مگر پھر بھی لیکچر روم میں جانے سے قبل وضو کرتی اور اسکارف پہنتی بلکہ اس نے سورہ نور اور سورہ احزاب میں پردے کے احکامات کے بہت سے فرمان سنے تھے اور حجاب پہننا اس کا ایک ایسا بے ساختہ اور رضا کارانہ عمل تھا جس کو کسی نے اس پر جبراً نہیں لادا تھا حجاب پہن کر مسجد میں گزارے ہوئے چند گھنٹے اسے اتنا مسرور اور مطمئن کر دیتے کہ وہ اپنے آپ کو کسی شہزادی کی طرح محسوس کرتی جو ایسے شاہکار کی ملکہ اور پوشیدہ خزانوں سے بھری تھی جسے اجنبیوں کو دیکھنے کی اجازت نہ تھی، وہ جدھر سے گزرتی اسے واضح ... احترام کا احساس ہوتا۔

ہر گزرتا دن اسے اسلام کی طرف زیادہ گامزن کر رہا تھا اور فاطمہ سے اس کی دوستی بھی مضبوط ہو... اس کے گھر میں ایک ذاتی فرد اور خونی رشتے جیسی اہمیت حاصل ہو چکی تھی کیونکہ فاطمہ کی والدہ اسے ہوسٹل سے اپنے گھر لے آئی تھیں اور ماریا کے ساتھ ان سب کا سلوک محبت اپنائیت مثالی تھی، اسلام کی طرف اس کا رجحان دیکھ کر انہوں نے ہی اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ پہلے اسلام کے بارے میں خوب مطالعہ کرے اور کوئی الجھن یا معمولی سا بھی اعتراض ہے تو اسے سوالات کر کے رفع کر لے، حالانکہ اسلام سے متاثر ہونے میں جذباتیت اور عجلت پسندی کا دخل نہیں تھا وہ تقریباً دو سال سے زائد عرصے سے خوب جم کر اسلامی

تعلیمات کا مطالعہ کر رہی تھی اور بہت سے لوگوں سے اس سلسلے میں بات چیت بھی کر رہی تھی وہ ایک سمجھ دار اور باشعور لڑکی تھی، جو مضبوط دل و دماغ رکھتی تھی اور اس کا مذہب اختیار کرنے میں کوئی دنیاوی مفاد وابستہ نہ تھا وہ صرف اپنی غیر متوازن زندگی میں وقار اور ڈسپلن لانا چاہتی تھی اور چاہتی تھی اس کے شب و روز کو ایک مقصدیت نصیب ہو، خلا کی وہ کیفیت جو عرصہ دراز سے دل و دماغ پر چھائی رہتی تھی ختم ہو جائے، وہ محسوس کر چکی تھی کہ اسلام ہی وہ آفاقی مذہب ہے جو کسی بھی انسان کی زندگی میں واضح، مثبت اور انقلابی تبدیلیاں لا سکتا ہے، دور حاضر کے مختلف مذہبی اور سماجی نظریات کا مقابلہ و موازنہ کرنے اور تقابلی مطالعہ سے اس کا یقین مزید پختہ ہوا اور اسے کامل یقین ہو گیا کہ مذہبی اور سماجی عوامل کے اعتبار سے اسلام ہی تاریخ انسانی میں سب سے زیادہ توانا اور محرک قوت ہے (اگرچہ مسلمان پسماندگی اور بے عملی میں مبتلا ہیں مگر یہ ان کا اپنا قصور ہے دین میں کوئی خامی نہیں)۔

اس نے ہندوؤں کی مذہبی کتاب گیتا کے مندرجات بھی دیکھے تھے جو زیادہ تر تصوراتی موضوعات لئے تھے مثلاً انسانی روح اور مراقبے وغیرہ کا طریقہ کسی حد تک انسانی کردار اور روزمرہ کی زندگی کے حوالے سے باتیں بھی مذکور ہیں مگر یہ قرآن حکیم اور حدیث نبویؐ کی تعلیمات کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہیں اور اب یہ جانتے ہوئے کہ اسلام کس قدر عملی مذہب ہے وہ اپنے سابقہ تصورات کے یکسر غلط ہونے پر بھی سخت ششدر تھی اور مغرب کی اسلام کے متعلق خود ساختہ اصلاح ''بنیاد پرستی'' سے وابستہ تصورات کے کھوکھلے پن سے بخوبی آگاہ ہو گئی، اپنے نظریے کی خامیوں کو سمجھ چکنے کے ساتھ کچھ سوالات اب بھی اسے پریشان کر رہے تھے سو اس نے ایک سوالنامہ ترتیب دیا اور اگلے دن پنجاب یونیورسٹی کا اسلامک انسٹیٹوٹ آف ایجوکیشن جا پہنچی یہاں اسلامی کتابوں کی نمائش کے ساتھ ایک خصوصی لیکچر تھا نو مسلم ''محمد احمد'' جنہوں نے لیکچر سے پہلے عربی لب و لہجہ میں اذان دی جو بڑی مسحور کن تھی، سفید لباس جس کا کرتا لمبا شلوار گھٹنوں سے اونچی سر پر چھوٹی سی پگڑی خوبصورت داڑھی، متناسب مونچھیں سرخ و سفید رنگت، نوجوانی کا عالم چہرے پر اطمینان اور آنکھوں میں کشش ماریا کو چونکا رہا تھا کچھ، جیسے وہ اس نو مسلم جوان کو بہت پہلے سے جانتی ہے مگر کیسے حوالہ، شناسائی، کچھ یاد کرنے سے ذہن قاصر تھا، وہ انہماک و شوق سے اس کی تقریر سنتی رہی، جس کے بارے میں اس کا تصور تھا وہ ایسا شخص ہوگا جس کے بالوں کی لمبی لمبی لٹیں ہوں گی سر پر بڑا عمامہ لمبی داڑھی اور چادر کے اندر تلوار یا خنجر چھپا ہوگا مگر ایسا کچھ نہ تھا عقیدہ توحید اسلام کی جڑ ہے ماریا کا پہلا سوال اسی سے متعلق تھا کہ وہ کون سے عوامل ہیں جن کے ادا کرنے سے عقیدہ توحید پر منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں، دوسرا سوال تقدیر سے متعلق تھا، کچھ سوالات مزید تھے۔

حسب روایت لیکچر کے اختتام پر چائے، کولڈ ڈرنکس بسکٹ، نمکو، کیک سے تواضع ہوئی اور جن کو اشتیاق تھا ان کے براہ راست سوالات و جوابات ہوئے آہستہ آہستہ آڈیٹوریم ہال خالی ہونے لگا تو ماریا منتظم ان کی سمت آئی اور اپنا سوالنامہ آگے بڑھایا، ایک نرم تاثر کے ساتھ سوالنامہ دیکھتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''ایک مسلمان کا اس بات پر کامل یقین ہونا چاہیے کہ اس ساری کائنات کی خالق و مالک صرف ایک ذات ہے جو زندگی موت، رزق، راحت، غم، آزمائش سب دینے والا ہے اس کی مرضی کے بغیر ایک

پتہ نہیں مل سکتا اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں بنیادی چیز عقیدہ توحید ہے باقی اعتقادات، ایمانات ہیں سب اسی کے اجزاء میں معاشرتی، معاشی، سیاسی، اخلاقی قوانین سب اسی مرکز سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں، ارشاد نبویؐ ہے ترجمہ "اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لئے چاہے کردیتا ہے۔" (سورۃ النساء)

ایک اور جگہ فرمایا، "ایسا معبود جو تم سب کے معبود بننے کا مستحق ہے وہ ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (وہی) رحمٰن اور رحیم ہے۔"

حضرت مسیح ابن مریم نے خود فرمایا تھا کہ۔

"اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی اور تمہارا بھی رب ہے، بیشک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دے گا اس پر اللہ تعالیٰ جنت کو حرام کردے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔" (سورۃ المائدہ)

اور توحید پر پختہ یقین زندگی کا حقوق و فرائض اور مقصد متعین کرنے کے ساتھ انسان میں عجز و انکساری پیدا کرتا ہے وہ فلاح ونجات کا راستہ پالیتا ہے۔

اور تقدیر برحق ہے قضا و قدر پر ایمان لانا ہی اعلیٰ درجہ اور اعلیٰ ادراک ہے، اس سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں قضائے الٰہی پر قائم ہونا اور اس پر راضی ہونا سچا مومن بنتی ہے مسلمان کو اور اس کا ظہور رضائے الٰہی سے ہوتا ہے۔"

"جب تقدیر برحق ہے تو انسان کیوں ذمہ دار ہے اپنے اعمال یا سزا کا؟"

"ہم اسے تقدیر کا لکھا کہہ کر نہیں چھوٹ سکتے کیونکہ اللہ نے ہمیں ارادے دعا، وسیلہ کی آزادی بخشی ہے کیونکہ اللہ کو کم ہمتی ناپسند ہے اگرچہ اس بات کی پوری وضاحت موجود ہے کہ تدبیر کارگر ہوتی ہے نہ دعا وسیلہ بنتی ہے مگر کوشش اور محنت سے فکر کرنا فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے تدبیر کرنا اس سے اللہ سے محبت بڑھتی ہے اور پھر جب ہم صحیح یا غلط، اچھا یا برا اپنے کارناموں کا ڈھنڈورا پیٹتے اسے اپنی ہی کمال بتاتے ہیں اللہ کا نہیں تو آخرت میں ہم اسے تقدیر کا لکھا کہہ کر کیسے چھوٹ سکتے ہیں۔"

"ہاں اس بات کا خیال رکھیں کہ جب مدد مانگنا ہو تو اللہ سے مانگ اور یقین کرلے کہ اگر تمام گروہ اس بات پر متفق ہوجائیں کہ تجھ کو کسی بات سے نفع پہنچادیں ہرگز تم کو نفع نہیں پہنچا سکتے، بجز ایسی چیز کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دی ہے، اگر وہ سب اس پر متفق ہوجائیں کہ تجھ کو کسی بات سے ضرر پہنچا دیں تو تجھ کو ہرگز ضرر نہیں پہنچا سکتے، بجز ایسی چیز جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دی ہے۔" (ترمذی)

"گویا تقدیر صرف منشا الٰہی ہے اور وہ ساری تدبیریں جو نفع نقصان کی خاطر کی جاسکتی ہیں ان کا بھی منشا حق تعالیٰ ہی ہے اور اس نے جو کسی کے لئے مقرر کر رکھا ہے ہو کر رہے گا۔" ماریا بالآخر گویا ہوئی۔

"بالکل ضروری ہے پس کہ بندہ رضائے الٰہی اور قضائے الٰہی کی دونوں صورتوں پر یکساں طور پر مطمئن رہے۔"

اور کچھ سوالات کے جوابات لیتے ہوئے اس نے اچانک سوال کیا۔

"اسلام کے معانی و مفہوم کیا ہیں فرد اور زندگی کے حوالہ سے اور کیا کردار ہے؟"

"لفظ اسلام کے معانی ہیں اللہ کے آگے جھک جانا، اس کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کردینا، دوسرا مفہوم ہے امن، سکون، راحت، چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام وبنیادی، سچائیوں کا حسین امتزاج ہے (۱) توحید خداوندی (۲) اخوت انسانی یعنی فرد کی مرضی خالق کائنات کی مرضی سے ہم آہنگ ہوتی ہے تو اس کی ذاتی و اجتماعی زندگی حقیقی امن و آشتی سے ہمکنار ہوتی ہے اور یہ بدھ مت یا ہندومت کی طرح توہم پرستی مادیو مالیت (Mythology) نہیں یہ سراسر مثبت نوعیت کا ایک عقیدہ Positive faith ہے ایک صحت مند معاشرتی نظام کے لئے اسلام فرد کے حقوق کی غیر معمولی حفاظت کرتا ہے، قرآن کردار کشی پر مبنی سنی سنائی باتوں کو قبول کرنے سے منع کرتا ہے (سورۃ نور) غلط دعوے یا جھوٹی گواہی کی صورت میں سخت سزا کا سامنا ہوگا، اسی طرح اسلام پر فرد کو انصاف کی ضمانت دیتا ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا باقاعدہ ایک ضابطہ مرتب کیا گیا ہے وراثت، طلاق، حق مہر اور نکاح ایک سے زائد شادیوں کی صورت میں قانون و حقوق و فرائض انہوں نے مختصراً بتائے ساتھ، یتیم و غریب رشتہ دار مسکین لوگوں کے لئے صدقہ، خیرات، زکوٰۃ برابر انصاف کا حصول اولین ترجیح ہے۔"

اب ماریا اپنے آخری سوال کی طرف آئی جس کا جواب اس کے لئے سب سے ضروری تھی کہ قبول اسلام سے قبل جو گناہ سرزد ہوئے مسلمان ہونے کے بعد اللہ کا ایک نومسلم سے پیدائشی مسلمان کے مقابلے میں کیا معاملہ ہوگا؟

"حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے اس کے لئے اس کے رب کے پاس اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لئے خوف یا رنج کا کوئی موقع نہیں۔" (البقرہ 112)

مثلاً جو یہ کہہ کر ڈٹ جائے کہ صرف اللہ ہی میرا رب ہے تو اسے کوئی غم کوئی فکر نہیں ہوسکتا پھر قرآن کی ہر صورت کے شروع میں ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہیں یعنی اللہ مہربان نہایت رحم والا ہے، وہ بے رحم منصف نہیں پھر اللہ کے ہاں کالا، گورا، عربی، عجمی، امیر، غریب، سب برابر ہیں اگر کسی کو سبقت حاصل ہے تو صرف وہ جس کا تقویٰ بڑا ہے یعنی جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے اسلام ان تمام گناہوں کو مٹادیتی ہے جو اسلام ان کے آخری الفاظ نے تمام ابہام و اشکال کا حل دیدیا تھا کتنی صاف ستھری تعلیمات جن کے مطابق زندگی کا سب سے بڑا حصول اللہ کی رضا اور سیرت و کردار کے اعلیٰ ترین معیار کا پانا ہے اسے اب اس چشمہ، صافی پہ پہنچنا تھا جس کے فیوض و برکات کا واضح اظہار غیر مسلم سے تو مسلم ہونے والے لوگ کررہے تھے، لانے سے پہلے آدمی نے کیے ہوتے ہیں۔

☆☆☆

"مجھے خوشی ہے وہاج کہ تم اس صورتحال کو بھی سمجھتے ہو اور حالت کے بدلاؤ کو بھی اور اس کے باوجود پوری خوشی و عزت سے صبا کو اپنانے پر بھی تیار ہو، ہوسکتا ہے تمہارے اس فیصلے سے صبا کی زندگی پر کوئی اثر پڑ جائے اور وہ اپنا کھویا اعتماد بحال کرسکے، مگر کیا تم گزشتہ محبت بھلا چکے ہو۔" شہریار نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہاج حسن گہری سانس لیتے ہوئے بولا تھا۔

"وہ میرا Past! تھی میرا ماضی اور بخوبی جانتے ہو کہ ماضی کو پلٹ کر دیکھنا میں گوارہ نہیں کرتا کیونکہ ہر وقت ماضی میں گم رہنے والوں کے زخم تازہ اور حال کی خوشیاں گمشدہ رہتی ہیں اور میں آگے بڑھنا چاہتا

ہوں۔"

"اور وہ لڑکی جسے تم چاہتے تھے کیا وہ تمہیں بھلا سکے گی ہو سکتا ہے تم سے وابستہ ماضی میں گم وہ اپنا حال اور خوشیاں برباد کر رہی ہو۔" شہریار بولا تو اس نے تصور میں سعدیہ کا خوبصورت مگر یاسیت میں لپٹا اداس آنکھوں والا چہرہ لہرایا تھا۔

وہاج حسن فوری طور پر جواب نہیں دے پایا، ایک بے جان سی مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں پر دم توڑا تھا شہریار نے ان لمحوں میں اسے بغور دیکھا تھا جو کوئی ردعمل نہیں دے رہا تھا، کافی دیر بعد خود کو سنبھالتے ہوئے وہ بولا۔

"ایسا نہیں ہے شہری وہ اپنے راستے کافی پہلے الگ کر چکی ہے اسے شاید جلدی تھی دولت میں کھیلنے کی اور میں شاید اس کی توقعات پر پورا اترنے میں دیر کر دیتا۔"

"کیا میرڈ ہے وہ۔" شہریار نہ چاہتے ہوئے بھی کرید نہیں پایا تھا پہلے اب خود بخود پوچھتا گیا۔

"نہیں مگر جلد یہ کام بھی کرے گی وہ بہت اسٹریٹ فارورڈ لڑکی ہے۔" اب چونکنے اور خاموش ہونے کی باری شہریار کی تھی۔

"تو کیا میں غلط سمجھا تھا اس کی اور سعدیہ نہیں پھر سعدیہ کا Behavier ایسا کیوں ہے، وہ کیوں میرے ساتھ خوش نہیں ہے، کیا چیز ہے جو اسے میرے قریب آنے سے روکتی ہے کہیں وہ بغیر کسی وجہ کے کوئی خود ساختہ ضد تو نہیں باندھے بیٹھی oh God یقیناً یہی معاملہ ہوگا اور میں اپنی انا، شک کے ہاتھوں مجبور اس کی ضد کو ہوا دے بیٹھا، اچھا رہا کہ کبھی جوش رقابت میں وہاج کا نام نہیں نکلا منہ سے ورنہ کیا ہوتا؟ اب بھی اس پاگل اور ناراض لڑکی کو منانا اتنا آسان تو نہیں بڑے پاپڑ بیلنا ہونگے۔" اس کا ذہن صاف ہوا تو چہرہ اک بے ساختہ مسکراہٹ سے جگمگا اٹھا تھا، مگر جلد ہی خود کو سنبھال کے وہ سنجیدہ ہوتا بولا۔

"اور اگر تمہارے ماضی نے کبھی تمہیں پریشان کیا تو......"

"میرے لئے ماضی کوئی اہمیت نہیں رکھتا، جو ہو چکا اسے میں یاد کرنا، دہرانا پسند نہیں کرتا، میرے لئے اہمیت صرف اس کی ہے جو سامنے ہے جو پیچھے ہے، وہ کچھ لورات کا خواب تھا، جو رات کے ساتھ ڈھل چکا اور اب وہ پورے دل اور ایمانداری سے صبا سے تعلق جوڑنا چاہتا ہوں۔" وہ مدہم اور بوجھل آواز میں بولا۔

"کیا یہ تمہارا آخری اور اٹل فیصلہ ہے۔" شہریار نے اسے بغور دیکھا۔

"بالکل شہریار میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔"

"لیکن تمہارا دوست اور خیر خواہ ہونے کے ناطے میں چاہوں گا تم پھر ایک بار تمام پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے سوچ لو تو بہتر ہوگا یہ نہ ہو کہ تم کل کو صبا کو وہ مقام نہ دے سکو جو اس کا ایک بیوی ہونے کے ناطے بنے کیونکہ وقت، حالات یکسر تبدیل ہیں اور صبا اب پہلے جیسی نہیں رہی۔"

"نہیں شہریار صبا میرے لئے آج بھی ویسی مکمل ہے جیسی پہلے تھی میں نے حالات و وقت کو تابع کرنا سیکھا ہے ان کے تابع ہونا نہیں اور تم جانتے ہو میں تذبذب میں پڑ کے فیصلے نہیں کرتا نہ خدشات سے ڈرتا ہوں، میں اسی فیصلہ کو لیتا ہوں جسے نبھانے اور پورا کرنے کی محبت سکت یا اہلیت ہو اور صبا سے شادی ایسا ہی فیصلہ ہے۔" وہاج حسن کا لہجہ اٹل تھا شہریار چند ثانیے خاموش رہا پھر اک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اٹھا اور اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھتے ہوئے بولا تھا۔

"میں اور سعدیہ اپنی طرف سے تمہارا مقدمہ بڑے بھرپور انداز میں حیدر انکل اور ان کی فیملی کے سامنے پیش کر چکے ہیں، صبا کو بھی تمہارے لئے قائل کر چکے ہیں، سمجھ لو تمہارے حق میں راہ ہموار ہے اور عنقریب تم اپنی فیملی کو لا سکتے ہو باقاعدہ رشتہ کے اصول وضوابط طے کرنے کو۔"

"تھینکس تم بہت اچھے دوست ہو اور دوستی نباہنا جانتے ہو۔" وہاج مشکور ہوا۔

"تھینکس تو مجھے تمہیں کہنا چاہیے یار۔" شہریار فوراً بولا۔

"فار واٹ؟" وہاج حسن چونکا تھا۔

"صبا کے لئے اتنا بڑا اسٹینڈ لینے پر، اس وقت جب وہ ہنسنا بولنا بھول چکی ہے اور اس سانحے نے اس کی آنکھوں سے خوشی کی پر رمق چھین لی، ہماری فیملی صبا کی فزیکلی پوزیشن اور مینٹل ٹمپرامنٹ کے حوالہ سے ایک بڑے اپ سیٹ کا شکار تھی، تم اب اس برے وقت میں بلکہ اپنے بھی ساتھ چھوڑ گئے ہمارے سامنے امید، روشنی یقین بن کر آئے، صبا کا ہاتھ تھامنے کا فیصلہ کر کے تم نے نہ صرف ہمارا دل جیت لیا ہے بلکہ ہم پہ بہت بڑا احسان کیا ہے۔" جواب دینے والی نزہت بیگم تھیں، شہریار نے انہیں بیٹھنے کا کہتے ہوئے نشست دی۔

"آنٹی آپ ایسا نہ سوچیں اس میں احسان یا ہمدردی نہیں خلوص، محبت اور رواداری ہے، صبا میرے لئے ایک مکمل اور بھرپور لڑکی ہے، مجھے اس میں کوئی کمی نہیں دکھتی۔"

"جیتے رہو، اللہ عمر دراز دے، خوشیاں سکون عطا کرے۔" نزہت نے نم آنکھیں پونچھتے ہوئے اس کے شانے کو شفیق انداز میں تھپکا۔

"بیٹا اپنے گھر والوں کو لانے سے پہلے تم صبا سے ایک بار مل لو، آمنے سامنے بیٹھ کر ایک گفتگو تم دونوں کو درست سمت یا رائے تک لے جانے میں مزید معاون ہو سکتی ہے۔"

"آنٹی اس کی ضرورت نہیں ہے، میں صبا کی بہت عزت کرتا ہوں اور اسے پوری عزت و استحقاق سمیت اپنانے کا فیصلہ کیا ہے، آپ اس حوالہ سے کسی خدشہ کو لے کر پریشان نہ ہوں۔"

"اب تو ویسے بھی عمر بھر کا بندھن بندھ رہا ہے تو ملنا ملانا رسم دنیا ہے یار، اسے سامنے بٹھا کر حال احوال کہو۔" شہریار نے چھیڑا تو وہ ہنس دیا دلکشی سے بھرپور ہنسی۔

"ٹھیک ہے بیٹا تم پھر جب چاہو اپنے گھر والوں کو لا سکتے ہو۔" نزہت اٹھیں۔

"لے یار تجھے بھی پور کے لڈو مل گئے بیٹھے بٹھائے، ساتھ ایک لمبا چوڑا بزنس مع ایک شاندار بنگلہ گاڑی ورلڈ ٹور ٹکٹس یہ سب فائنل ڈیشن ہے حیدر فیملی کا، اگر صبا کمی ہے تو تم اس سے بڑھ کر لگی ہو۔" شہریار نزہت بیگم کو سی آف کر کے اندر آتے ہوئے بولا تو وہاج نے خاموشی سے دیکھا۔

"اب اپنے پرپوزل اوکے ہونے کی خوشی میں اک شاندار سا ڈنر دینا ہے ہمیں فائیو اسٹار ہوٹل میں کیونکہ ہم دونوں میاں بیوی نے بڑی وکالت کی ہے تیری اور بڑی انرجی ویسٹ کی ہے اپنی۔"

"اوکے ڈن اور کچھ......؟"

"اور تم ابھی میرے ساتھ نکل رہے ہو یار، کچھ دیر تک میرا شو اسٹارٹ ہونے جا رہا ہے اور میں

تمہاری وجہ سے لیٹ ہو گیا ماما، پاپا، سعدیہ سب وہاں ہوں گے صرف میں نہیں جسے ہونا چاہیے ہری اپ لیٹس گو۔" وہ کی چین جھلاتا ہوا بولا تھا۔

دہاج کے لئے رات کے اس پہر کہیں جانا ممکن نہ تھا مگر وہ اپنے اتنے اچھے دوست کو کسی صورت خفا کرنا بھی نہ چاہتا تھا جو اس کے راستے سہل کرنے میں بہت ساتھ دیتا آیا تھا، مختصراً الفاظ میں گھر فون کر کے اس نے لیٹ آنے کا بتایا اور شہریار کے ہمراہ ہولیا۔

رنگ و بو حسن و خوبصورتی کی بہتات، صنعت کار، سفارت کار، وزراء اور ایم این اے لیڈر شپ سے کھلاڑی سٹارز، مووی میکرز، ٹی وی چینلو کے ان گنت کیمرے جو جگہ جگہ اس ماڈلنگ ایونٹ کی لحہ بہ لحہ کوریج کے لئے نصب تھے، فوٹو گرافرز، جرنلسٹ، کیمروں کی فلش لائٹس میں چمکتی مسکراتی ماڈلز بہت زبردست تھا سب کچھ، میوزک ود ماڈلز کی ریمپ واک موسمی سلیکشن سے لے کر خاص تہواروں اور ایونٹ کے حوالہ سے زرق برق پیراہنوں میں پریوں جیسی ماڈلز کی ادائیں شہریار ایک اچھے، بہترین اور زبردست شو کا ماسٹر مائنڈ تھا، اسے برابر ستائش، توصیفی کلمات موصول ہو رہے تھے دہاج حسن اپنے دوست کے کام، نام کو دیکھتے ہوئے فخر محسوس کر رہا تھا، رات کا پچھلا پہر آ پہنچا تھا، تین بج رہے تھے، اس شاندار کلچرل و ماڈلنگ ایگزیبیشن کی آخری اور زبردست انٹری کا وقت آ پہنچا تھا، سٹیج کی تمام روشنیاں گل ہو چکی تھیں کھینچا کھیچ بھرے ہال میں موجود ہر نفس کی نگاہ سامنے تھی۔

☆☆☆

میں مانگتی ہوں تیری زندگی قیامت تک
ہوا کی طرح اسے تو جاوداں گزرتا رہے
میں تیری چھاؤں میں کچھ دیر بیٹھ لوں اور پھر
تمام راستہ بے سائباں گزرتا رہے
میں تجھ کو دیکھ سکوں آخری بصارت تک
نظر کے سامنے بس اک سماں گزرتا رہے
میرا ستارہ کہیں ٹوٹ کے بکھر جائے
فلک سے تیرا خط کہکشاں گزرتا رہے

وہ یک ٹک اپنے بیڈ روم کے کارنر میں سجی لیمپ ٹیبل پر رکھی تصویر دیکھ رہی تھی، جس کے فریم میں مقید وہ شخص مسکرا رہا تھا جو اسے گزرے چند دنوں میں پہلے سے زیادہ عزیز ہو گیا تھا جس کی لمحوں کی قربت اور محبت نے دل و روح اسے کشش کا ایسا ربط باندھا تھا، جو ٹوٹنے کا نام ہی نہ لیتا بھی، کیسا فسوں پھونکا تھا اس نے کہ وہ سب بھلا بیٹھی، گلے شکوے رہے نہ شکایتیں، خود ساختہ ضد اور انا دم توڑ گئی تو ساری خفگی و ناراضگی چلی گئی، ہاں اک بے کلی تھی مسلسل، کوئی سلگتی آنچ دیتی چنگاری جو بے چینی و اضطراب بڑھاتی ان لمحات کا حسن باور کرائی جو اسے چھو کے گزرے تھے اور وہ خود سے ان کا تاثر چاہتے ہوئے بھی جھٹک نہ سکتی تھی، کہ اس کی روح انہی لمحوں کے اندر جی رہی تھی جو شہریار کے سنگ بندھے من و تو کا فرق مٹا گئے تھے اور اب اس کے بغیر بیتا اک اک پل قیامت ہو رہا تھا، کیا کرشمہ سازی تھی اس تعلق رشتے اور اس سے وابستہ محبت کی کہ وہ پتھر سے پانی ہو کر پگھل رہی تھی، وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ وہ جس جذبے

پر یقین نہیں رکھتی، جس کو کبھی چاہا تھا نہ اس کے ساتھ کی تمنا کی تھی اس شخص کو چاہ پانے کی خواہش میں وہ یوں پہروں جلے گی، محبت جو اس پر چل رہی تھی، اس نے کہیں پڑھا تھا کہ اصلی اور سچی محبت وہی ہے جو شرعی و قانونی رشتے سے وابستہ ہو کر باعزت طور پر ملے باقی سب ہوس ہے اور واقعی بہت بددل، تلخ، خفا ہونے کے باوجود اس نے اس شرعی قانونی رشتے سے وابستہ فطری تقاضوں سے نگاہیں چرانے کے باوجود اس کی ساحرانہ کشش اور عجب سی جنوں خیزی کا عملی مظاہرہ دیکھا تھا، وہ کیفیت کہ جب کوئی اتنا اہم لگے کہ اس کے سامنے ساری دنیا ہیچ نظر آئے، رگ جاں کے اتنا قریب لگے کہ اس کی ذرا سی بے توجہی سے دل کو فرق پڑے اور وجود عجب تشنگی کا شکار ہو۔

"محبت کیا زمانے میں اس کا وجود باقی ہے؟ کیا یہ واقعی اتنا زور آور جذبہ ہے جو خرد مندی کو رخصت کر کے اچھے بھلے انسان کو دیوانہ کر دے؟" اس کی آنکھوں کے کنارے بڑی خاموشی سے بھیگ رہے تھے۔

سعدیہ عفنان علی خان اپنے زعم میں مبتلا، حد درجہ ہٹ دھرم بنی جس شخص سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتی تھی، اس شخص کی حد درجہ توجہ اور کبھی کسی قدر بیگانگی صحیح معنوں میں دل کے ٹکڑے کرتی، جس سے رشتے، تعلق کو وہ اک مجبوری کے سوا کچھ نہیں گردانتی تھی دنیا دکھاوے کو مارے باندھے نبھاہ رہی تھی اس رشتے، اس شخص کے لئے ان لمحات میں وہ اپنے دل میں کسی انجانا گداز محسوس کر رہی تھی، کتنا انجان بننے کی کوشش کرتی تھی مگر وہ حقیقت میں خود سے کتنا قریب اور سب سے اپنا، پیارا لگ رہا تھا اس کی تمام دلی کیفیات انا پسندی، ضد سے آزاد ہو کر بے اختیاری اور خود سپردگی کا لبادہ اوڑھ چکی تھیں۔

اس نے بڑی ملائمت اور آہستگی سے فریم میں مقید تصویر بنے شہریار کے چہرے کو چھونے کی کوشش کی تھی اور دھڑکنیں کسی پر ارتعاش شور میں کھونے لگیں، تبھی پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی تو وہ بڑی احتیاط سے فریم واپس اسی جگہ رکھ کے پلٹی دروازے تک آئی شہریار کوٹ کاندھے پر ڈالے ڈھیلے قدموں سے آ رہا تھا، رات کے گیارہ بج رہے تھے اور اسے احساس نہ تھا کہ وہ انتظار کر رہی ہے وہ بس ایک نظر اسے دیکھ کر وارڈ روب میں اپنے کپڑے تلاشنے لگا چینج کرنے کو اور اس کے اس سکون بھرے انداز پر سعدیہ کا اندر باہر جل اٹھا۔

"یہ وقت ہے آنے کا، کتنی دفعہ کہا ہے مجھے رات دیر تک آپ کا باہر بزی رہنا پسند نہیں، آپ کو احساس نہیں ہوتا۔" وہ تمتماتا چہرہ لئے قدرے اونچی آواز میں بولی۔

"بہت تھکا آیا ہوں، مجھے یہ تماشا پسند نہیں بچی نہیں تم جو بات بات پہ شور کرتی اور ڈرتی ہو۔" وہ بیزار ہوتا بولا۔

"تماشا کیا ہوتا ہے یہ آپ ابھی جانتے نہیں شہریار، جس دن میں نے تماشا لگا دیا اس دن آپ بہت پچھتائیں گے۔" سعدیہ کا دل چاہا اسے گریبان سے پکڑ کر اچھی طرح جھنجھوڑ ڈالے اور اتنا زور سے چلائے کہ تمام ٹینشن ختم ہو جائے۔

"اچھا مثلاً، کیا کرو گی تم سعدیہ شہریار خان۔" وہ مطلوبہ سوٹ نکال کر پلٹا تو انگشت شہادت سے اس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر اونچا کیا۔

"یہ مت بھولیں کہ شہریار میری خاموشی ہی آپ کے سکون کا باعث ہے، اگر میں بہت سی زندگیاں

ڈسٹرب ہونے کے خیال سے نہیں بولتی تو یہ مت سمجھئے کہ میری یہ کمزوری ہے یا میرے کردار میں کوئی سقم ہے۔''

''تو پھر...'' شہریار ہنوز اسی سکون سے بولتا الماری سے پشت ٹکاتا اسے بہ غور دیکھنے لگا جو سیاہ اور گولڈن ایمبرائڈ سوٹ میں نفاست سے میک اپ کیے دمک رہی تھی۔

''آپ نے ایسا کیا دیکھا کہ جس کی وجہ سے میری خطا بخشنے کو تیار نہیں، ایک تو میری زندگی کو امتحان گاہ بنا کے رکھ دیا اور مجھے قربان گاہ پہ چڑھایا پھر مسلسل برا بھی مجھی کو ٹھہراتے جا رہے ہیں، کیوں...؟ کیوں کر رہے ہو تم میرے ساتھ ایسا، کیوں اور کس لئے تماشا بنا رکھا ہے میرا؟ مجھے اذیتوں میں دھکیل سے خود سکون سے پھرتے ہو، کیوں کرتے ہو ایسا...؟'' سعیہ نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑا تھا اور شہریار نے حیرت سے آنکھیں سکوڑ لیں۔

''اگر تم سمجھتے ہو کہ اس طرح مجھے زیر زبر کرنے یا تمہارے یوں اجنبیت برتنے سے میں تم سے اجنبی ہو جاؤں گی تو تم۔'' وہ ذرا سا رکی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتی دوبارہ مضبوط لہجہ میں گویا ہوئی۔

''تو تم غلطی پر ہو شہریار خان میرے اندر بھی پٹھان خون ہی ہے اور تم جانتے نہیں میں تمہارے ساتھ کیا کر سکتی ہوں؟'' اس کا لہجہ دھمکی آمیز تھا۔

''تو بتاؤ نا سویٹی کیا کر سکتی ہو تم جو ہے بلی سے ڈرنے والی معمولی ہمت کی عورت۔'' وہ جیسے حظ اٹھا رہا تھا اس کے غصے و انداز سے۔

''میں تمہاری اور اپنی جان ایک کر دوں گی، انڈر اسٹینڈ۔'' مضبوط لہجہ میں باور کراتی وہ اس لمحہ کو اتنی اچھی کتنی پیاری لگ رہی تھی کہ شہریار کا دل چاہا اس نرم و نازک لڑکی کو بانہوں کے شکنجہ میں جکڑ کر چٹا چٹ پیار کرتا جائے بے حد بے تحاشا مگر اتنا جلد ڈھیر ہونا اسے گوارہ نہ تھا کچھ مردانہ انا کا بھرم رکھنا تھا سو قدرے جتاتے انداز میں بولا۔

''اب تک تو تم مجھ سے نباہ توڑنے، جان چھڑانے کے حربے تماشا کرتی تھی سو ڈیئر اور اب اپنی میری جان ''ایک'' کرنا چاہتی ہو، ''ایک جان'' مطلب سمجھتی ہو اس کا۔'' وہ چلتا ہوا قدرے قریب آ رکا تھا اس کے اور سعیہ کی آنکھیں پانیوں سے بھرنے لگیں تو شہریار کچھ اور بھی ستانے کے در پے ہوا۔

''تم نے ہی کہا تھا میرے ساتھ جینا موت سے بدتر ہے تمہارے لئے، تم صرف مجبوری اور مصلحت بنا رہی ہو، بہت سے رشتوں کا مان رکھنے کو جبر یہ سب کرتی ہو، تو جب چلنے کا فائدہ نہیں، ان راستوں کی کوئی منزل نہیں پھر مجبوری نبھانے کا فائدہ؟'' وہ بے حد سکون سے بولا تو سعیہ کی ساری حسیات چونک اٹھیں وہ لمحہ بھر کو حواس باختہ سی ہوئی۔

''اچھا ہے ناں جس تعلق کا پروان چڑھنا ناممکن ہو اسے توڑ دیا جائے، تو خوشی مناؤ سعیہ کہ تم بہت جلد ہر مجبوری مصلحت اور قید سے آزاد ہونے جا رہی ہو، وہ شخص جو شاید زمانے میں تمہیں سب سے برا لگتا ہے وہ تمہاری جان چھوڑ رہا ہے۔'' الفاظ تھے کہ زلزلہ کا شور، قیامت تھی کہ صور اسرافیل وہ ششدر ہکا بکا اشکبار آنکھیں لئے اسے بے یقینی سے دیکھے جا رہی تھی، اسے اپنے انتہائی نقصان کا احساس ہوا تھا۔

☆☆☆

اس نے سر عبداللہ ہملٹن جو انگلستان میں سیاستدان تھے اور بیس دسمبر 1923ء کو مسلمان ہوئے Sir, Abdullah Aechibald Hamitt کا تجزیہ پڑھا کہ ''اسلام بڑی باوقار اور متوازن زندگی کا علمبردار ہے یہ نہ تو انسان کو مجبور محض سمجھتا ہے نہ مادر پدر آزادی کا قائل ہے بلکہ سعی و جہد، احتیاط اور عقل و فہم کو بنیادی اہمیت دیتا ہے، دوسرے لفظوں میں وہ ایسا معاشرہ برپا کرتا ہے جہاں قوانین کی سیاحت تسلیم کی جاتی ہے اور ذہانت سوجھ بوجھ کے ساتھ ان پر عمل درآمد ہوتا ہے، اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ تنگ نظری اور تعصب کا شدید مخالف ہے وہ صرف اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ ہی نہیں مروت و محبت برتتا بلکہ کل بنی نوع انسان خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہیں، ہمدردی اور مساوارت کا درس دیتا ہے وہ تفریق کا نہیں بلکہ اتحاد انسانی کا قائل ہے، قرآن ایسی کتاب ہے جس کو قصے کہانیاں غیر مربوط پیشن گوئیوں اور شاعرانہ انداز کا مجموعہ نہیں سمجھنا چاہیے نہ یہ سوانح عمریوں پر مبنی ہے نہ دوسری الہامی کتابوں کی طرح اس بے مقصد صحیفے اور منعف ہیں۔

علاوہ ازیں تھامس اروِنگ (کینیڈا) سر جلال الدین لارڈ برنٹن آکسفورڈ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل تھے اور انگلستان کے ممتاز جاگیردار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، زبردست عزت و افتخار اور نیک نامی کے حامل تھے کا تجزیہ پڑھا پھر حسین روف انگلستان، ڈاکٹر خالد شیلڈرک جنہوں نے 1903ء میں صرف 17 برس کی عمر میں اسلام قبول کیا، ڈاکٹر حمید مارکوس جرمنی کے مشہور سائنس دان اور صحافی تھے مصنف تھے انہوں نے بڑی تحقیق اور جستجو کے بعد اسلام قبول کیا وہ ان کے تجزیے اور قبول اسلام کی داستان پڑھنے لگی جن کا کہنا تھا کہ دور حاضر میں اسلام کا یہ پہلو بھی زبردست افرادی نتائج کا حامل ہے کہ یہ مذہب سماجی زندگی کی حد تک خشک اور بے لچک رویہ نہیں رکھتا یہ زندگی کے ساتھ چلنے کا قائل ہے اور ایسے فطری باوقار نظام کا پرچار کرتا ہے جو پوری زندگی کو متاثر کرتا ہے اسلامی قوانین جائز انسانی آزادیوں پر کوئی قدغن نہیں لگاتے بلکہ اس طرح کے رہنما اصول دیتے ہیں جو انسانی عزت و شرف اور وقار میں اضافہ کرتے ہیں اسلام توازن اور تناسب کا حسین امتزاج ہے۔''

سسٹر خولہ لکاتا (جاپان) محترمہ خدیجہ فرذوئی (انگلستان) ڈسٹرچ ڈینفر (جرمن دانشور) کے مقالے پڑھے جو اسلام و حجاب جہاد و انصاف کے عفیف جذبات سے معمور کتنے ہی مقالوں اور کتابچوں تجزیوں پہ بھاری تھے وہ تمام ایسے نومسلم لوگوں کے تاثرات جان رہی تھی جو گزشتہ صدی میں مسلمان ہوئے تھے، جرمنی سے ہیرین، فرانس سے لیلیٰ افن سوئٹزر لینڈ سے لوسیا دوہلاب، امریکہ سے تاشا (ذلمہ) مسعود اسٹین، میوس لی جولی، عسائشہ، مریم (نیولا) جاپان سے فاطمہ کازوئے سے، انڈیا سے نور فاطمہ، کینیڈا سے میری فشر، فلسطین سے المعاد، ناروے سے گریتھا سے، غرض وہ متعدد لوگوں کے نظریات سے واقف ہو چکی تھی اور درجنوں کتابیں پڑھ چکی تھی ایک برٹش رسالے ''افریقن ٹائمز اینڈ اورینٹ ریویو'' میں چھپے نومسلم افراد کے مقالے بھی دیکھے Suifuddin- Dirk Walter Mo... ڈسٹر کیتھ کریگ، ڈاکٹر عبداللہ علاؤ دین، ڈاکٹر کشی کانت چٹودیا، داؤد سے اور پروفیسر عبداللہ نبیل جو مشہور مصنف و مفکر ہیں کے مقالہ جات کے ساتھ وہ دور حاضر میں قبول اسلام کا شرف حاصل کرنے والی خواتین تک پہنچی۔

''قرآن اور اسلام کا مطالعہ میری زندگی کا بہترین لمحہ تھا کہ شک کی جگہ یقین کامل، تاریکی کی جگہ

روشنی اور عیسائیت کی جگہ اسلام قبول ہوا، ہدایت کی راہیں کھل گئیں تمام مسائل کا حل، ضروریات کی تکمیل اور شبہات کا ازالہ ہو گیا۔"

پھر محمد مارماڈیوک پکتھال کا 1930 میں کیا گیا قرآن انگریزی ترجمہ جو دو نسخوں میں بیک وقت لندن اور نیو یارک سے شائع The Glorious Quran حاصل کیا اور یہ ترجمہ وضاحت، بلاغت کے ساتھ دلنشیں انداز بیان کے اعتبار سے بھی ایسا تھا کہ اسے اس مقابلے کا کوئی انگریزی ترجمہ نہ مل سکا اور وہ قرآن کے دیباچہ میں لکھی محمد پکتھال کی اس بات سے سو فیصد متفق تھی۔

"اس ترجمہ کا مقصد قرآن کی ماہیت کو موزوں الفاظ میں سمجھانا اور انگریزی بولنے والے مسلمانوں کی ضرورت کو پورا کرنا ہے اور یہ پہلا انگریزی ترجمہ ہے جو ایسے انگریز نے کیا جو مسلمان ہے لیکن بہر حال یہ ترجمہ قرآن مجید نہیں ہو سکتا کہ قرآن تو بے مثال ہے، قرآن میں تو اتنی اثر انگیزی ہے کہ لوگ اسے سنتے ہی رونے لگتے ہیں وجد میں آجاتے ہیں۔"

مفکرین کی کتابوں سے استفادہ کرنے کے ساتھ وہ بے شمار ایسے لیڈرز، اساتذہ، اسکالرز سے مل چکی تھی جن کا تعلق ہندو، کیتھولک، پروٹسٹنٹ عیسائی، گریک یا روسی آرتھوڈوکس، بدھ مت اور دیگر مذاہب سے تھا انہوں نے اپنے ذہنی خلفشار، روحانی بیقراری اور مذہبی خلجان کو دور کرنے کے لئے اسلامی علوم سے واقفیت حاصل کی پھر اس میں داخل ہو گئے ان میں سائنسدان اور ملحدین بھی شامل ہیں۔

اسے پتا چل چکا تھا کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے اور اپنے بندوں کی دعاؤں، التجاؤں کو سنتا ہے، وہ صرف گرجا یا مسجد میں ہی نہیں سنتا تبھی اسے معروف شاہراہ پر نماز پڑھتا شخص یاد آیا تو ذہن میں جھماکا سا ہوا وہ اسی جوان کا لیکچر سن چکی تھی اسلامک انسٹی ٹیوٹ میں اور اب اسے افسوس ہوا کہ وہ اسے فوراً کیوں نہ پہچان سکی بلکہ اس کا نمبر بھی نہ لے سکی، اپنے ریسرچ ورک کے سلسلہ میں وہ آخر میں یہاں پہنچی تھی، Sendra sterling کے امیر کبیر گھرانے سے تعلق رکھنے کے ساتھ قاہرہ میں امریکی سفارت خانے میں ملازم تھیں وہ بھی تحقیق و جستجو اور اسلام کے متعلق مکمل شرح صدر حاصل کرنے کے بعد مسلمان ہوئی تھیں، ان کا تجزیہ تھا کہ میں نے دیکھا کہ مسلمان موجودہ دور کی مادی آسائش والی چیزوں کی قلت پر کبھی پریشان نہیں ہوئے، میں نے مغرب میں مادی سہولیات کے باوجود لوگوں کو باطنی طور پر بے چین دیکھا تھا مسلمانوں کے ملک میں ان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو اپنی آنکھوں سے مشترکہ خاندانوں کو اکٹھے رہتے دیکھا جبکہ یہ صفت امریکہ و یورپ میں ناپید ہے، اسلام میں دادا دادی کو پورا خاندان عزت کرتا ہے بزرگوں کا احترام کرتے ہیں جبکہ مغربی ممالک میں بوڑھے والدین کو اولاد پوچھتی تک نہیں اور وہ بیچارے زندگی کے آخری دن سخت تنہائی اذیت میں کاٹ کر مر جاتے ہیں۔

میں نے یہ بھی دیکھا کہ اسلام کے دشمن جس بات کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بالکل حقیقت کے برعکس ہے، اسلام نے عورت کو معاشرے میں بنیادی حقوق دیے ہیں مغرب میں لوگ صرف منافقت جہالت اور تعصب کی وجہ سے اس دین کو برا بھلا کہتے ہیں، افسوس کہ اسے وحشی اور اجڈ لوگوں کا مذہب کہتے ہوئے وہ لوگ اسلام کے بارے میں صدیوں سے غلط فہمیوں کا شکار ہیں، حقیقت یہ ہے اگر ان پر اسلام کی خوبیاں اور برکتیں روشن ہو جائیں تو وہ لمحہ بھر اس سے دور نہیں رہ سکتے ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ مسلمان اسلام کا اصل تشخص اجاگر کرنے اور اس کی تبلیغ کریں، سکول، کالج، یونیورسٹی بازار ہر جگہ

اسلام میں مواخات اسلامیہ دیکھ کر میں سوچتی کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے مسلمانوں کو اتنا متحد کر رکھا ہے جبکہ عیسائی اپنے زبردست نظریات کے باوجود ایک دوسرے سے اجنبی اور ہر وقت لڑنے کو تیار رہتے ہیں اور یہ حقیقت کی جانب میرے سفر کا پہلا قدم تھا جس نے مجھے بعد میں اسلام بخشا۔"

محترمہ سینڈرا اسٹرلنگ نے اسے ایک کتاب بھی دی "دی بائبل دی قرآن اینڈ سائنس" مورس بوکائے کی یہ کتاب تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی اس کتاب نے اس کے باقی تمام سوالوں کا جواب دے دیا جو اسلامی عقیدے، سائنس اور ٹیکنالوجی ماحول کے حوالے سے اسلام کے متعلق اس کے ذہن میں اٹھ رہے تھے، اتنے ڈھیر سارے علوم، سائنسی جو زمانہ حال میں دریافت ہوئے ہیں، پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے قرآن میں پہلے سے بیان ہو چکے ہیں، خلائی سفر، زندگی کی اصلیت وغیرہ یہ سارے علوم قرآن میں موجود تھے، کیونکہ عیسائیت کے سارے عقائد کی بنیاد بائبل پر استوار ہے اور اس کی تعلیمات میں زبردست تضاد تھا، کیا اس کا مطلب ہے کہ بائبل اور حضرت عیسیٰ کی تعلیمات تحریف کا شکار ہو چکی ہیں؟ اس کے اندر سوال اٹھا اس سوال کا جواب پانے کے لئے ہی اس نے اسلام اور بائبل کا گہرا ناقدانہ مطالعہ جاری رکھا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ واقعی یہ کتاب تغیر و ترمیم سے محفوظ نہیں اور اس میں بہت سے لوگوں کے خود ساختہ عقائد راہ پا گئے ہیں۔

اس سے پہلے تک اسلام کے بارے میں اس کی نظر سے گزری ہوئی تقریباً تمام کتابیں غیر مسلموں کے قلم سے لکھی ہوئی تھیں یہ اسلام دشمن مصنف کبھی قرآن کے ادھورے حوالے دیتے اور کبھی آیتوں کا غلط سلط ترجمہ کرتے اس کا سبب شعوری بھی ہو سکتا تھا، غیر شعوری بھی، شرارت بھی اور غلطی بھی چاہے وہ اس سے آگاہ ہوں یا نہ ہو، مطالعہ کے بعد اسے معلوم ہوا براہ راست قرآن کے مطالب میں اور ان خود غلط اہل قلم حضرات کے بیانات میں زمین آسمان کا فرق ہے اور یہ فرق محسوس کر کے وہ صحیح معنوں میں اپنی اس تحقیق و تفتیش پر نازاں ہونے لگی جو یہودیت، عیسائیت، ہندو دھرم، بدھ مت اور جین مت، اسلام پہ کرتی رہی، کیونکہ سچ جھوٹ کھل چکا تھا، روشنی تاریکی کا فرق واضح ہو چکا تھا۔

☆☆☆

آفریں ، آفریں ، آفریں ، آفریں
حسن جاناں کی تعریف ممکن نہیں

نصرت فتح علی خان کی پس پردہ ابھرتی آواز اور سفید روشنی کے گول دائرے میں پھولوں کی سرخ روش پر سبک خرامی سے قدم رکھتی نرم لچکیلی ڈال کے مانند چلتی وہ جل پری تھی کہ پرستان کی ملکہ جس کے بے تحاشا گورے صاف ستھرے پاؤں پانچ انچ اونچی ہیل میں مقید اٹھتے تو گویا دلوں پہ دھمک پڑتی سلیولیس برائیڈل ڈریس جس کا گلا شیپ جھکاؤ لئے تھا، دودھیا بازوؤں کی ملائمت اور نرمی، صراحی دار گردن جسے چھونے کو دل مچلتا وہ کون ہے؟ سب جاننے کو بے تاب تھے انداز و ادائیں کسی منجھی اور پروفیشنل ماڈل کی لک دیتیں مگر سراپے کی نوخیزی و خوبصورتی کسی نئی شاندار سیلبریٹی کا اشارہ، چہرے پر ٹشو آنچل کا ملبوس اب آہستہ آہستہ پیچھے کو کھسک رہا تھا وہ رک چکی تھی، آتشی گلابی لپ اسٹک سے رنگے گلاب کی ادھ کھلی پنکھڑیوں جیسے صندلیں ہونٹ گلابوں کی نرماہٹ و تازگی لئے چھلکتے رخسار، ستواں ناک کچھ مانوس تھا کیا؟

وہاج حسن کو سمجھ نہ آسکی ماڈل کے خدوخال میں کیا مانوس لگ رہا تھا اور کیوں......؟ وہ دم سادھے بس اس کہنہ حسن کو دیکھ رہا تھا جو اپنے مرمریں ہاتھوں سے بڑی ادا اور بڑے انداز سے بھاری زرتار آنچل کا پلو آنکھوں سے اوپر لے جارہی تھی، لمبی مخروطی پلکیں آہستگی سے اٹھیں پورا ہال روشنی تالیوں کے شور سے جگمگا اٹھا تھا دھیرے دھیرے پیچھے سے آتے سعود غوری نے اپنا بازو دراز کرتے ہوئے اس کے شانے پر رکھا اور سب کی طرف دیکھتے ہوئے شکریہ ادا کیا اور چمکتے بالوں، مسکراتے ہونٹوں، زندگی سے بھرپور آنکھوں والی وہ پریوں کی شہزادی ایک چھٹے ہوئے بدمعاش جیسی شہرت رکھنے والے شخص کے پہلو سے لگی مسکرائی سب کے حواسوں پر بجلیاں گرا رہی تھی، فوٹو گرافراز، ٹی وی چینلز کے کیمرہ مین، پریس رپورٹرز انڈسٹری کے لوگ اس دلدل میں دھنسی چھوٹی بڑی مچھلیاں سب اسے للچائے، ہوس ناک انداز میں دیکھ رہے تھے اور وہ کیمرہ فلش لائٹس کے جھماکوں میں چمکتی مسکرائی، ذلت رسوائی، بدنامی کے خوف نے سامنے بیٹھے وہاج حسن کو جیسے پتھر کے بت میں تبدیل کر دیا تھا، وہ حیدر فیملی کا داماد بننے جارہا تھا، ایک مستحکم پوزیشن، لمبا چوڑا بینک بیلنس، بڑا بزنس، گھر، گاڑی، امپورٹڈ جہیز اس کی قسمت چمکنے اور سنورنے والی تھی، ایسے وقت اور موقع پر اریبہ کا منظر عام پر آنا بھی شوبز کے حوالہ سے آہ، وہ اندھیروں میں ڈوبنے لگا تھا۔

اس شو کی تصاویر، اریبہ کے نیم عریاں کلوز اپ، دعوت نظارہ دیتے خدوخال اور انداز و ادائیں، برسوں کی محنت سے بنی غیرت و حمیت، صبح کے اخبارات میں تار تار ہونے والی تھی، وہ وہاج حسن کی فرسٹ کزن ہے یہ ایک حوالہ اسے پستیوں، ناکامیوں اور اندھیروں میں ڈبونے کو کافی تھا، وہ جو ایک بڑی ہی امیرانہ جست پھلانگنے کے آخری قدم پر تھا، اریبہ اس کی ساکھ کو بری طرح متاثر کرنے کے در پے تھی، وہاج حسن اور اریبہ کا رشتہ گزشتہ یا بلڈ ریلیشن کوئی دوسرا حوالہ اگر میڈیا سامنے لے آیا تو جو اسکینڈل بنتا سات پشتیں بھی اس بدنامی کا اک کونہ دھو نہ پاتیں۔

یہ سب سوچتے ہوئے وہاج حسن کو غش آنے لگا، وہ جو سوچ بھی نہیں سکتا تھا، جس سے اس کا وہم و گمان ہزاروں کوس پرے تھا اریبہ نے مایا بن کر وہ سب لمحہ بھر میں کر لیا تھا وہ اس لمحے، اس تعلق، اس رشتے کو اپنی زندگی سے نکال سکتا تھا، اس نے اس لڑکی کے لئے بھی باعزت زندگی کا خواب دیکھا تھا اسے زمانے کی آلودگی سے بچانا چاہا تھا پھر کیا ہوا کہ خواب، خواب تک رہ گئے اور یہ لڑکی جنس گراں بن کے بازار میں آکھڑی ہوئی، وہ چہرہ، وہ آنکھیں، وہ زلفیں وہ سراپا جو اس کو محبوب تھا، کتنی آلودہ اور ہوس ناک نگاہوں کا مرکز تھا، وہ اریبہ سے مایا بنی تو اس نے یہ کیوں نہ سوچا کہ وہاج حسن کو یہ اقدام کس موڑ پر پہنچا دے گا، وہ اسے تباہ کرنے کے سامان تیار کر بیٹھی تھی مگر وہاج حسن کو تباہ نہیں ہونا تھا پھر وہ اپنے بچاؤ کے لئے کیا کرتا......؟"

سپاٹ چہرہ ساکت نگاہیں لئے وہ ایک بات سوچ رہا تھا کیا؟ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ خود یہاں سے غائب ہو جائے یا مایا بن کے چمکتی اس لڑکی کو مار ڈالے، جو بہت کچھ جتاتی فاتحانہ نگاہوں سے مسکراتے دیکھ رہی تھی اپنے سامنے بت کے مانند ایستادہ وہاج حسن کو۔

یہ شب تمام ہوئی اور اس شب کی صبح قیامت بن کر ابھری تھی، پوسٹر سائز تصاویر کلوز اپ، بل بورڈز پہ نیم برہنہ انداز میں دمکتی مایا، ہر چینل پر اس کا ایڈ چل رہا تھا وہ شوبز انڈسٹری کے سب سے مہنگے پراجیکٹ

سائن کر چکی تھی، صرف ایک رات ایک ایگزیبیشن، ایک شو، ایک ایڈ، ایک انٹری، اسے ٹاپ سٹار بنا گیا اور وہ فلم انڈسٹری کے اس بڑے ہدایتکار کی دو فلمیں سائن کر چکی تھی جو صرف باہر سے ہیروئن لینے کا عادی تھا اور اس کی فلموں کی کامیابی، مقبولیت کی حدوں کو چھوتا گراف دیکھ کر ہر ایکٹرس اس کی فلم میں کام کرنے کی خواہش مند تھی، مگر قرعہ فال نکلا تو مایا کے نام، وہ ایک دم سے لائم لائٹ میں آگئی، محض ایک ہفتے بعد اس نے ملک کے سب سے بڑے شوبز میگزین کو ایک تفصیلی انٹرویو دیا، اپنے سارے ناطے، تعلقات، رشتے، حوالے معصومیت سے ظاہر کرتی مایا وہاج حسن کی فیملی کے لئے قیامت کا شاخسانہ بنی، انزلہ، شاہ، ہما، کی گھریلو زندگیاں اک زلزلہ کا شکار ہو گئیں، صبا سے بنا بنایا رشتہ وہاج حسن کو حیدر فیملی کی جانب سے شدید ردعمل کا سامنا کرنا پڑا تو وہ غصہ، دکھ، بدنامی اور شرمندگی، رسوائی کے تاثرات سے بھرا اریبہ تک آ پہنچا۔

"تم نے جتنی رسوائی کرنی تھی ہماری اپنی من مانی سے، اپنے جنون اور شوق سے کر چکی ہو، اندازہ ہے تمہیں کیا زہر گھولا ہے تم نے ہماری زندگیوں میں۔" وہ پھٹ پڑا تھا اسے دیکھتے ہی۔

"بڑے ویل مینرڈ بنتے ہو مگر کسی کے کمرے میں آنے کی تمیز نہیں ہے تمہیں، ہماری زندگیاں برباد کر دی ہیں اور تمیز کی بات کرتی ہو۔" وہاج کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس کا کیا کر ڈالے۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس سے تمہیں نقصان پہنچے۔"

"تم نے وہ سب کیا ہے جس سے ہم سر اٹھا کر جینے کے قابل نہ رہیں۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

"مثلاً۔" اریبہ نے اسے بھنویں اچکاتے ہوئے سرد انداز میں دیکھا۔

"یہ فلم، ماڈلنگ، شوبز یہ واہیات لباس، یہ گھٹیا اور ذلیل کام ہمارے خاندان میں کسی نے کبھی کیے تھے جو تم کر رہی ہو، تم جانتی ہو شوبز سے وابستہ، عورتیں آبرو باختہ، فاحشہ کہلائی جاتی ہیں، تم بھی اسی کیٹگری کا حصہ بن چکی ہو۔" وہ اسے شانوں سے پکڑے جھنجھوڑ رہا تھا، اریبہ کی نظریں اور چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

"تمہیں عزت دینا چاہتا تھا میں جو تمہیں راس نہیں آئی تم مجھے اپنی زندگی سے نکال کر یہ بدنامی اکٹھی کرنے اور کالک منہ پہ ملنے نکلی تھیں۔"

"وہاج حسن تم خود میری زندگی سے نکلے تھے میں نے نہیں نکالا تھا تمہیں۔" وہ جتاتے ہوئے بولی تو جیسے وہاج کے صبر و ضبط کی طنابیں ٹوٹنے لگیں۔

"یہ بھی تمہاری عادتوں، حرکتوں اور کرتوتوں کے باعث ہوا، تم گناہ کے راستے پہ چل پڑی تھیں۔" وہ چلایا اریبہ چند ثانیوں تک اس سمت دیکھتی رہی۔

"تو میری عادات، حرکات، اب بھی وہی ہیں، میں اب بھی گناہگار ہوں، پھر تم اب کیا لینے آئے ہو میرے پاس، جو تم بتا رہے ہو کہتے ہو یہ مجھے سب معلوم ہے، صرف اپنے آنے کا مقصد بیان کرو وہاج حسن، میرا وقت بہت قیمتی ہے۔" اریبہ کا خشک انداز سپاٹ چہرہ اور سخت الفاظ وہاج حسن کو یکدم ادراک ہوا کہ سب کچھ پہلے جیسا نہیں رہا وہ اریبہ نامی ڈری سہمی، بزدل اور کم ہمت لڑکی کے سامنے نہیں حال کی معروف ایکٹرس ٹاپ ماڈل اور بے حد امیر کبیر لڑکی مایا کے سامنے تھا جو دس کروڑ کے شاندار بنگلہ میں

بیٹھی ہے، شنیل کے پرفیوم لگاتی تھی، Birony,s (لندن) سے بال کٹواتی امپورٹڈ کاسمیٹکس استعمال کرتی جو بیس سوگز پہ بنی ایئر کنڈیشنڈ کوٹھی جس کے لمبے چوڑے لان میں دنیا بھر کے نایاب وخوبصورت پودے ایستادہ تھے، جس کے گیراج میں نئے ماڈل کی مہنگی ترین مرسڈیز، بی ایم ڈبلیو، جیگوار اور لیموزینز تھیں جو مہنگے ترین شاپنگ سنٹرز سے خریداری کرتی، جس کے گھر میں امریکن کچن، اٹالین طرز کے ٹیرس اور محلاتی شان لئے بیڈ رومز تک، دل سے لیکر دماغ تک ہر چیز میں تمکنت اور غرور تھا، اس مایا نامی لڑکی سے بات کرنے کو اسے اپنی ذہنی واصولی سطح سے نیچے بہت نیچے آنا پڑتا ورنہ اس کی زندگی تباہ ہو جاتی، برسوں کی محنت سے بنی بنائی عزت صبا کو سیڑھی بنا کر یکدم سے لمحوں میں کروڑ پتی بننے کی پلاننگ سب فیل ہو جاتے، ثمن، ہما اور ازل کی زندگیاں تباہ ہوئیں سو ہوئیں، وہ خود کو کم از کم خود کو اس تباہی سے محفوظ رکھ سکتا تھا اور اس کے لئے ضرور تھا وہ غصے میں تن فن کرنے کے بجائے قدرے عاجزانہ اور نرم انداز گفتگو اپناتا۔

”کیا تم مجھے بیٹھنے کو نہیں کہو گی، مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے تم سے۔“ وہ کچھ جھجکا کے بولا۔

”کون سی بات؟“ اریبہ نے بٹھانے کے بجائے سوال داغا۔

”ہمارا ایک رشتہ ہے خونی رشتہ اس کے علاوہ بھی ہم میں بہت کچھ تھا ہم ایک دوسرے کے لئے اہمیت رکھتے ہیں۔“ وہ سنبھل سنبھل کر بولتا نگاہیں چرا رہا تھا۔

”ہم میں کوئی رشتہ کوئی واسطہ نہیں وہاج حسن یہ سب کچھ اس دن ختم ہو گیا تھا جب تم نے اپنے گھر کے دروازے مجھ پہ بند کر دیے تھے، تمہاری ماں مجھے اندر نہیں بلانا چاہتی تھی اور تم نے بلا کر سب کچھ برباد کر دیا تھا، مجھے خالی ہاتھ دھکے دے کر نکالا تھا تم نے، اپنے عالیشان گھر سے نکالتے وقت کسی فقیر سے بھی بدتر سلوک کیا تھا میرے ساتھ، یاد ہے تمہیں۔“ وہ کٹیلے اور سپاٹ انداز میں بولی تو وہاج حسن ساکت ہو گیا۔

☆☆☆

میرے بے خبر تجھے کیا پتا؟
میرے خواب، میری کہانیاں
میرے بے خبر تجھے کیا پتا؟
تیری آرزوؤں کے دوش پر
تیری کیفیات کے جام میں
تیرے نقش میں، تیرے نام میں
میرے خواب، میری کہانیاں
میرے زائچے، میرے راستے
میرے لیکھ کی یہ نشانیاں
تیری چاہ میں رکی ہوئی
کبھی آنسوؤں کی قطار میں
کبھی پتھروں کے حصار میں

کبھی دشت ہجر کی رات میں
کبھی بدنصیبی کی گھات میں
کئی رنگ دھوپ سے جل اٹھے
کئی چاند شاخ سے ڈھل گئے
کئی تن سلگ کے پگھل گئے
تیری الفتوں کے قیام میں
تیرے درد کے در وبام میں
کوئی کب سے ثبت صلیب ہے
تیری کائنات کی رات میں
تیری اژدہام کی شام میں
تجھے کیا خبر، میرے بے خبر

”تم نے جو سوچا جو سمجھا جو چاہا میرے لئے قابل تکریم ہے کیونکہ زندگی گزارنے کا ہر انسان کا اپنا نظریہ اور اپنا نقطہ نظر ہے، میرا مقصد نہ تو تمہیں ٹریپ کرنا تھا نہ تم سے رشتہ میں میر کوئی مفاد وابستہ تھا، یہ شادی میری تمام تر رضامندی اور خوشی سے طے پائی، مما پپا کے احترام وعزت کے ساتھ تم سے بے پناہ محبت بھی اس میں شامل تھی۔“ اس کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا سعیہ دم بخود اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

”تمہیں مجھ میں کیا غلط لگا اس رشتے میں کیا ناقابل برداشت لگا اور تمہارے اپنے حوالہ سے کیا تحفظات تھے میں تمہیں کچھ بھی بدلنے پر مجبور نہیں کروں گا کیونکہ تمہارے لئے کیا بہتر ہے تم یقیناً مجھ سے زیادہ جانتی ہو So as you wish سب کچھ تمہارے حسب خواہش ہو گا Dont vorry (تم خود کو مکمل طور پر Tention free کر سکتی ہو اب سب بھلا کر۔“ شہریار کا انداز حتمی تھا، خود پہ بمشکل سنجیدگی طاری کر کے وہ آرام سے کہہ رہا تھا، جبکہ سعیہ کے چہرے پر بے یقینی اور صدمے کے آثار تھے وہ خود کو بے جان محسوس کر رہی تھی۔

”یہ فصیلیں، یہ دیوار اٹھا کے تم رہ لو گے میرے بغیر، جب تم دوبارہ مجھے اپنے حوالہ سے دیکھ نہیں پاؤ گے، سوچ نہیں پاؤ گے۔“ سعیہ کے لہجہ میں شکوہ، احتجاج، استفسار سب کچھ تھا۔

”یہ رشتہ یہ تعلق رہے نہ رہے، محبت نہیں بھلا سکتا کیونکہ تمہارے بعد کسی کی گنجائش ہے نہ جگہ ہاں بعض چیزیں، بعض رشتے تکلیف دیں تو الگ ہونا بہتر ہے ان سے اس پہ وضاحتیں لینے دینے کی ضرورت نہیں۔“ وہ کپڑے پکڑے داش روم کی جانب بڑھا تو لمحہ بھر کچھ سوچتے انداز میں مڑا اور اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”تم وہ ہرگز نہیں ہو سعیہ جس سے میں نفرت کر سکوں ہم نے اپنا بچپن، لڑکپن جوانی ایک گھر میں ایک ماں باپ کے سائے میں ایک جیسے کھلونوں ایک جیسی چیزوں کے ساتھ گزارا، تم سے رشتہ رہے نہ رہے مگر تم مجھے اپنی کزن، بچپن کی دوست کے طور پر تاعمر عزیز رہو گی اور میں چاہوں بھی تو خود کو تمہیں یاد رکھنے یا محبت کرنے سے نہیں روک سکتا کیونکہ حقیقتاً دنیا میں صرف دو رشتوں کا وجود ہے محبت یا نفرت، نفرت ہے نہیں میرے اندر اور محبت مر نہیں سکتی۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی شہریار کا لہجہ بھیگنے سے محفوظ نہ رہا

اور سعدیہ نے سکتے سے باہر نکلتے ہوئے یک لخت آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"جو سوچا تم نے غلط سوچا، جو سمجھا غلط سمجھا، جو جانا میرے حوالے سے غلط جانا سعدیہ خان کے پاس جب کوئی راستہ کوئی راہ نہیں بچی تو تم اسے چھوڑنے کے فیصلے کر رہے ہو، تم سا بے وقوف شخص میں نے دنیا میں نہیں دیکھا سب جانتے ہو میرے متعلق مجھے جاننے سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہو اور میرے متعلق اتنے بے خبر ہو کہ یہ نہیں جانتے میں کسے چاہتی ہوں کس سے محبت کرتی ہوں۔" اس کا بازو دبوچ کر وہ جذباتی آواز میں بولی تو شہریار تحیر، بے یقینی اور استعجاب کے تاثرات لئے اسے دیکھے گیا اور پھر آنسو بھری آنکھوں کو پونچھتی وہ مدہم لہجہ میں بولی، جانے وہ کیا سمجھانا چاہ رہی تھی اور وہ کیا سمجھ رہا تھا۔

"تم ہو وہ شخص جس سے میں محبت کرتی تھی کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی اس وقت جب کائنات میں زمین و آسمان کچھ نہیں بنا تھا اللہ نے ایک دل بنا کر اس کے اندر تمہاری محبت دھڑکا دی تھی وہ آنکھیں میری تھیں جن میں تمہارے خواب سجے، وہ ہاتھ میرے تھے جن پہ تمہارے نام، تمہارے ساتھ، تمہارے پیار کی دعائیں خواہشیں بن کرنا چاہتی ہیں، وہ دل میرا ہے جو تمہیں مانگتا ہے تمہیں ساتھ صدیاں جینے کی خواہش کرتا ہے اور تم جو مجھے اتنا چاہتے ہو اتنے دعوے کرتے ہو اتنی سی بات نہیں جان سکے میرے دل کا بھید نہیں پا سکے۔" وہ جیسے تھکے ہوئے لہجہ میں بولی۔

"تم جو علیحدگی کا سوچ چکے ہو کیا تمہیں یقین ہے تم مجھ سے الگ ہو کر جی سکو گے؟ یا میں جی رہی ہوں گی۔" وہ اسے جھنجوڑ کر بولی تو شہریار بول نہ پایا کچھ۔

"نہیں ناں..... یہ آسان نہیں تو کیوں خود کو اور مجھے ٹکڑوں میں تقسیم کر رہے ہو جبکہ ایسا نہ تمہیں قبول ہے نہ مجھے تو کیوں اور کس لئے تیسری تم تو وہ ہو کہ جسے میں نے جب کہیں رد کرنا چاہا تو میرے دل نے تمہاری محبت کے لئے ریسیونگ سیٹ میں ہارٹ بیٹ مس کی، تمہاری محبت یکطرفہ نہیں تھی شہری تمہاری کشش میرے گرد حصار کھینچتی رہی ہے۔" اس کا لہجہ اعتراف سے بھرپور تھا۔

"میں تو یہی سمجھتا رہا میری محبت بے سمت اور رائیگاں ہے، میرے جذبوں، میری طلب میں صداقت نہیں، میں غلط راستے پر چل رہا ہوں کبھی منزل تک نہیں پہنچ پا رہا۔"

"نہیں شہری آپ ہر جگہ درست تھے نہ آپ کی سمت غلط تھی نہ راستہ، فالٹ صرف میری سمجھ میں تھا یہاں انا، خود ساختہ ضد پاؤں پسارے بیٹھی تھی، مگر اجنبی بندہ، تعلق نظر آنا اتنا آسان نہ تھا جتنا میں نے سمجھا تھا، تمہاری سرسری نظر، لمحہ بھر کی توجہ بھی، اس جذبے کے حق میں صدا بلند کرتی جسے خود کبھی برتا ہی نہ تھا، آپ کی امید محبت کی آبیاری کر رہی تھی میرے اندر، میں سعدیہ خان جسے محبت پر یقین نہ تھا وہ آپ کی محبت کو ایمان سمجھ رہی ہے۔" اس کی شربتی آنکھوں کے کنارے خاموشی سے بھیگ رہے تھے اور مدہم لہجے میں یقین ہی یقین بول رہا تھا، شہریار اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

"اس تعلق سے نگاہیں چرانے، فرار حاصل کرنے اور آپ سے دور بھاگنے کی بہت کوشش کی میں نے مگر آپ کی خواب جگاتی آنکھیں کچھ عجب تھا ان میں کہ مجھے انسیت ہونے لگی، خوابوں، خواہشوں سے آپ مجھے بے ارادہ بھی چھوتے، دیکھتے کچھ کہتے تو میں خود سے ہار ہار جاتی، آپ سے دور جانے کی کوشش میں پاؤں بندھ جاتے، اس پسپائی نے کیسے میرے ہوش گنوائے، کتنا بے خود کیا اور جب یہ دل کی مجھے زیر کرتی گئی تو مجھ پہ کھلا کہ میں لاکھ چاہ کر بھی آپ سے دور نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ کے بغیر جینے کا

راستہ تھا ہی نہیں میرے پاس، میں آپ کے بنا کچھ نہیں رہی شہری۔" اس نے جیسے ہار مان کر اقرار کیا تھا اور شہریار بہت آہستگی سے قدم اٹھا کر اپنے اور اس کے درمیان فاصلہ سمیٹتا قریب آن رکا تھا، ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو بہت نرمی سے چھوا اور بھرپور انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانکا، سعدیہ اس لمحے کسی قدر جھجک کر نگاہیں جھکا گئی مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

"بولو سعدیہ میری جان بولتی رہو محبت کا یہ اعتراف تمہارے لبوں سے سننا سب سے بڑی آرزو تھی میری اور کتنا اچھا لگ رہا ہے تمہارے الفاظ، خواب، خیال محبت کو اپنے اردگرد رقص کرتے پا کر مگر صرف تنا نہیں سونو ڈیئر میں کچھ اور بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ اس کے ملائم شنگرفی ہونٹوں پہ انگشت شہادت پھیرتے ہوئے بولا۔

"کیا..... کیا دیکھنا ہے آپ کو.....؟" اپنے چہرے پر پڑتی اس کی گرم گرم سانسوں کی حدت سے گھبرا کر وہ بولی۔

"وہ رنگ جو محبت کو چھو کر تمہارے چہرے پر اتریں، تمہاری آنکھوں میں چمکیں لبوں پر ہنسیں جب وجود محبت میں رچ بس کر خوشبو خوشبو ہو جائے اور اس خوشبو کی تازگی واحساس تمہیں کچھ اور بھی نکھار بخش دے۔"

میٹھی مدہم سرگوشی اسے چھوتا استحقاق بھرا انداز اور لمحوں کی دلکشی بڑھاتا رات کا بوجھل پن وہ بہت بولڈ ہونے کے باوجود اس پل اپنے قریب بے حد قریب شخص کو نہ دیکھ سکی، حیا، فطری جھجک وایک شرمیلی خائف مشرقی لڑکی نظر آنے لگی شہریار کو، اس کے چہرے پر آئی پریشان لٹ کو چھو کر کانوں کے پیچھے اڑستے شہریار کے لبوں پر بڑی گہری مسکراہٹ اتری تھی۔

"محبت سانسوں کی سانسوں ضرورت ہے تو اس کے رنگ میں رنگ کیوں نہیں جائیں۔" کچھ کہتا، کچھ جتاتا کچھ باور کراتا لہجہ سعدیہ کی دھڑکنوں میں یکدم ہی ایک بے خود کر دینے والا ارتعاش برپا ہوا تھا، اس نے حیا سے بوجھل پلکیں اٹھا کر بمشکل شہریار کے چہرے پر نگاہ کی، بے قرار احساس محبت سے بھرپور آنکھیں، جن کے تمام آنسو شہریار نے اپنے ہونٹوں سے چن لئے تھے اور سرشاری، مستی، بے خودی اک عجب نشہ آور کیفیت سعدیہ کے گرد حصار باندھنے لگی، اک عالم فراموشی اور خود سپردگی کے گہرے سمندر میں ڈوبتی ابھرتی وہ خود کو شہریار کے سینے میں چھپانے لگی۔

☆☆☆

اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ اس کے اساتذہ نے اسے دھوکا دیا تھا، ان کے عقائد و نظریات سب باتیں بے بنیاد اور جھوٹی تھیں اسے یہی پڑھایا گیا تھا کہ مسلمان کعبہ کی طرف جھکتے ہیں وہی ان کا خدا ہے لیکن مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوجتے نہیں جیسے عیسائی عیسیٰ کو پوجتے ہیں۔

اسے یہی سکھایا گیا تھا کہ اسلام جاہلوں اور غیر مہذب انسانوں کا مذہب ہے، جس میں عورتوں کو مردوں کی غلامی، سہنا پڑتی ہے ان کے پیچھے چلنا پڑتا ہے، سر سے پاؤں تک خود کو ڈھانپ کر رکھنا پڑتا ہے اور عورت سے زیادتی ہو جائے تو چپ رہنا ناگزیر ہے۔

انہی خیالات و نظریات کی بنیاد پر اس نے اسلام کا مطالعہ کرنا ضروری خیال نہ کیا کیونکہ اسے بتایا گیا تھا کہ اسلام شیطانی مذہب ہے لیکن اسلامی معاشرے میں حدود الٰہی کو قائم کرنے کی سختی سے تاکید کی

گئی ہے اسلام میں کہیں بھی خونریزی، ہوس پرستی کی تعلیم نہیں دی گئی بلکہ اسلام نے تو عربوں جیسی خونخوار اور جنگجو قوم کو اخوت اور بھائی چارے کے رشتے سے منسلک کر دیا جو شخص کسی دوسرے کی ناحق جان لیتا ہے تو اس کے لئے قرآن مجید میں حکم ہوا۔

ترجمہ: تم پر مقتولوں کے لئے قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔"

اللہ سبحان تعالیٰ کے نزدیک سب انسان برابر ہیں خواہ وہ امیر ہو یا غریب آقا ہو یا غلام گورا ہو یا کالا، طاقت کے غلط استعمال کی ممانعت تھی۔

وہ جان چکی تھی کہ ایک تبدیلی ایک احساس اس کے اندر صرف ابھرا نہیں بلکہ اسے اپنی گرفت میں لے چکا ہے باوجود اس کے کہ یہاں تک پہنچنے کے سفر میں اس کے دوست، احباب، خاندان کے افراد، والدین سب ترک تعلق کر چکے تھے اور وہ خود دنوں یہی سوچتی رہی تھی کہ اس کی زندگی سے زیادہ مشکل نہ ہو جائے، اسلام سے ناواقف لوگ اس کے ساتھ برا سلوک نہ کریں، مگر یہ کانا پھوسی اور ذہن کا تضاد زیادہ دیر اسے قابو نہ کر سکا وہ مضبوط دل و دماغ کی لڑکی تھی اس مقام تک پہنچنے میں اسے کئی برس لگے تھے اور ان گنت مذاہب کے تقابلی جائزے مطالعے اور روحانیت کی تلاش میں اس نے بے شمار گھنٹے تکلف میں بسر کیے، اپنے راحت و آرام کے اوقات قربان کیے اس متاع گراں مایہ کے لئے بڑی محنت کی تھی، اب اس کے ثمر سے خود کو محروم نہیں رکھ سکتی تھی، اللہ پر ایمان ایسی چیز تھی جسے اس نے ہمیشہ اہمیت دی تھی اس وقت بھی جب وہ عیسائیت کی پیروکار تھی اور اتوار کے دن جب کلیسا کے گھنٹے ٹن ٹن بج رہے ہوتے تو مساجد سے آتی اذان کی آواز پر غیر شعوری طور پر آنسوؤں کی لڑی لگ جاتی وہ اس وقت مسلمان نہیں تھی مگر یہ صدائے دلنواز اسے متاثر کرتی تھی جیسے اب قرآن پڑھتے اس کا درس سنتے اس کا دل دہل جاتا اور وہ آنسو بہانے لگتی۔

اور وہ بجا طور پر تسلیم کرتی کہ قرآن ایک حیرت انگیز تسلسل اور یک رنگی ہے کوئی بھی غیر متعصب اور منصف پسند انسان اس کے برحق ہونے میں شبہ نہیں کر سکتا، اس کا پرشکوہ مگر سادہ اسلوب انسانی نفسیات کے عین مطابق مسائل کا ادراک اور مادی و روحانی معاملات میں انسان کی مکمل اور قابل عمل رہنمائی اسے ایک ابدی رہنما کتاب ماننے پر مجبور کرتی ہے۔

تقریباً نصف شب کا عالم تھا جب وہ ترجمہ قرآن پڑھ رہی تھی اور آٹھویں پارے کی سورۃ انعام کی آیت نمبر 125 پڑھتے ہوئے اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو گئیں۔

ترجمہ: اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے، اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

ترجمہ: اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے۔

"تو کیا اللہ واقعی میرے ساتھ تھا، اسی لئے ایک سخت مسلم دشمن انداز سے پرورش پانے کے باوجود وہ یہاں تک پہنچی کہ اللہ نے اس کا یقین، درست عقیدے اور اسلام کو سمجھنے کی توفیق دی اس کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا کی اس کے مردہ تن کو زندہ کیا اور نور باطن عطا فرمایا۔"

پھر اس کا جسم بلائی وڈ پہ پڑا تھا اور پیشانی زمین پر تھی اس نے اللہ سے دعا کی۔

"اے اللہ! اگر تو موجود ہے تو مجھے سچا راستہ دکھا، ہدایت دے۔"

"اے اللہ! تو میرے گناہ معاف کر دے، مجھ پر رحم کر اور مجھے پاک کر دے۔" اس کے چند لمحوں

بعد اسے ایک عجیب و غریب احساس ہوا، اسے یوں محسوس ہوا کوئی شے اس کے وجود میں سرایت کر رہی ہے۔

("اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے اور میری یاد میں جب اس کے دونوں ہونٹ ہلتے ہیں تو اس وقت میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔") بحوالہ از (بخاری، مسلم)

اسی احساس تلے دبے اس نے غسل کیا اس نیت کے ساتھ کہ اپنی برسوں پرانی گناہگار شخصیت کو دھو کر حق اور دلیل پر مبنی نئی زندگی کا آغاز کر رہی ہوں اور وہ طلوع فجر کے کچھ دیر بعد کا وقت تھا جب وہ قریبی مسجد کے امام صاحب کے روبرو بیٹھی کلمہ شہادت پڑھ رہی تھی۔

وہ کسی سے محبت، نہ نفرت، کوئی دنیاوی، مفاد، نہ ذاتی غرض بلکہ صرف اپنے اللہ اور پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین و تعلیمات، سیرت و کردار کی مثالی صفات دیکھ کر مسلمان ہوئی تھی اور پاکیزگی دل سے کہہ رہی تھی۔

"میں اللہ کو اپنا رب مانتی ہوں اور اسلام کو اپنا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا رسول خاتم النبیین تسلیم کرتی ہوں۔"

وہ روز آخرت تمام ملائکہ و رسل دین کے بنیادی ارکان سے متعلق اپنے اعتراف دہرا رہی تھی اور پھر وہیں اس نے بتائے گئے طریقہ کے مطابق وضو کیا نماز فجر ادا کی کچھ خواتین کی معیت میں۔

ماریا جوزف سے اسے اسلام تک لانے میں سب سے اہم کردار فاطمہ نے ادا کیا تھا وہی اس کی تسلی و تشفی کے لئے اسے درس قرآن یا اسلامی لیکچررز کی کلاسز میں لے جاتی رہی، مطالعہ کے لئے بہترین اور بلند پایہ تفکر کے حامل مصنفین کی کتابیں دیتی رہی، وہ شرف بہ اسلام ہوئی تو فاطمہ کے والد اور خود فاطمہ ہمراہ تھی اور انہوں نے ہی اس کا اسلامی نام "عائشہ" رکھا اور اسلام میں اس نام کی اہمیت و فضیلت (بحوالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ) درجہ و بلندی واضح کی تو اسے بہت اچھا لگا اتنے اعزاز کرام والی ام المومنینؓ کے نام پہ اپنا نام رکھا جانا۔

"کسی شخص کے اسلام قبول کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ ساری دنیا سے اونچا ہو جاتا ہے اور پھر اس کی زندگی میں جس قدر بھی اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ بھی دنیا بھر کے عملوں سے اونچے ہو جاتے ہیں، قرآن و سنت اور احادیث کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اسلام میں ایک عورت کی حیثیت سے حضرت خدیجہؓ، عائشہؓ، سمیہ جیسی خواتین نے ایک خدا ترس معاشرہ تشکیل دینے اور عدل و انصاف پر مبنی ایک انقلاب برپا کرنے کے لئے اپنے مسلمان بھائیوں کے دوش بدوش باطل کی قوتوں سے برسرِ پیکار رہیں، اس طرح مدینہ کے مرد اور خواتین نے اللہ کے دین کے فروغ اور استحکام کے لئے باہم مل جل کر جدوجہد کی اور آج اس دور میں ہمیں بھی ایک بہتر اور امن پسند معاشرے کے قیام کے لئے مل جل کر تگ و دو کرنی ہو گی، مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی، آپ بھی بطور ایک مسلمان اس کوشش میں ہمارا ساتھ دیں۔"

"بے شمار لوگ ہیں جو آج عہد حاضر میں جدید فرعونیت کا انکار کر رہے ہیں، سختیاں جھیل رہے ہیں لیکن راہ حق پر مستقل مزاجی سے ڈٹے ہوئے ہیں، آزمائش میں صبر و استقامت اور تسلیم و رضا دنیا و آخرت میں کامیابی کی کنجی ہے۔"

"نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ"

"آزمائش جتنی سخت ہوگی اتنا ہی بڑا انعام ملے گا (بشرطیکہ آدمی مصیبت سے گھبرا کر راہ حق سے بھاگ نہ کھڑا ہو) اور اللہ تعالیٰ جب کسی گروہ سے محبت کرتا ہے تو ان کو مزید نکھارنے اور صاف کرنے کے لئے) آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔" (ترمذی انس) سو کبھی بھی کسی بھی موقع پر آزمائش مصیبت یا وقتی پریشانی سے مت گھبرایئے گا اور حتی الامکان برائیوں سے بچیں نیکی کی تلقین کریں تقویٰ اختیار کریں، یہ چیز آپ کے پورے دین اور تمام معاملات کو ٹھیک حالت میں رکھنے والی ہے اپنے آپ کو قرآن کی تلاوت اور ذکر کا پابند بنالو تو اللہ تمہیں آسمان پر یاد کرے گا اور زندگی کی تاریکیوں میں یہ دونوں چیزیں تمہارے لئے روشنی کا کام دیں گی اور یہی چیزیں دلوں کا زنگ دور کرنے والی ہیں۔"

بہت نرمی اور وضاحت کے ساتھ اسے رسان سے کہتے ہوئے امام صاحب نے اس کا نام بطور مسلمان رجسٹر کیا اور سرپرست کے طور پر فاطمہ کے والد نے اپنا نام لکھوایا بلکہ عائشہ کے نام کے ساتھ بھی عائشہ ادریس الٰہی کا نام درج ہوا، مسجد کے ہمراہ واقع اسلامی مدرسہ کی جانب سے احادیث کے مجموعہ و صحائف کے ساتھ اسے قرآن کا تحفہ جائے نماز تسبیح اور چادر بھی دی گئی، عائشہ کے لئے یہ سب بہت متاثر کن تھا۔

قبول اسلام کے بعد وہ دلجمعی سے اسلامی شعائر و عبادات سیکھنے لگی ساتھ عربی زبان سے واقفیت مضبوط کرنے کو باقاعدہ اسلامی و عربی کلاسز اٹینڈ کرنے لگی اعداد و شمار کے حوالہ سے یاد داور دو چار کے انداز میں بتانا کہ مسلمان ہو کر میں نے یہ اور یہ کچھ حاصل کیا ہے اس کے لئے خاصا مشکل تھا تاہم اسلام قبول کر کے اسے سب سے بڑی کامیابی یہ ملی کہ زندگی میں وقار اور ڈسپلن کا چلن بیدار ہوا، شب و روز کو مقصدیت نصیب ہوئی اور وہ خلا کی کیفیت جو دل و دماغ پر چھائی رہتی تھی ختم ہوگئی۔

اگرچہ اسے امام صاحب اور فاطمہ کے گھر والوں نے مشورہ دیا تھا کہ وہ کچھ اور غور و خوض کرے اور قبول اسلام میں جلد بازی نہ کرے، مگر اسے اس امر کا اعتماد تھا کہ چونکہ وہ بہت سے مذاہب و تعلیمات کو پرکھ کر مسترد کر چکی ہے اب اس کے شعور نے جس مذہب کا انتخاب کیا ہے وہ ہر لحاظ سے بہترین اور عقل کے عین مطابق ہے، سو وہ مسلمان ہوگئی اور اب وہ خود کو ہر لحاظ سے خوش قسمت اور پرسکون سمجھتی تھی کہ ایک مکمل اور فطرت کے عین مطابق دین کو وہ دل و جان سے قبول کر چکی تھی۔

☆☆☆

"تم تو وہ تھے وہاج حسن جو مجھے دنیا میں سب سے زیادہ سمجھنے کے دعویدار تھے اور میری خاموشیوں سے بھی معانی اخذ کیا کرتے تھے، میری زندگی، محبت خواب سب تم تھے ایک ایک پہلو ایک گوشہ تم پہ کھلی کتاب کے مانند کھلی تھی پھر بھی تم نے ایک لمحہ تشکیک کو حاوی کر کے سب داغدار کر دیا ایک بھرپور اعتبار اٹھ گیا ساری وضاحتوں، حقیقتوں پر یقین اٹھ گیا یہ پاسٹ تھا تمہارا جو مجھ سے وابستہ ہے۔" وہاج حسن متواتر بولتے پا کر اس کی طرف دیکھ نہ سکا وہ خاموش تھا۔

"تم ہی تھے جو کہا کرتے تھے، "کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے، کیا تم سمجھتی ہو میں تمہیں دھوکہ دوں گا اور تم فریبوں سے بھرے تھے میں اندھی محبت کی تمہارے مکاری کو جان نہ سکی۔" آنسو بہت آہستگی سے ٹوٹ کر پھر سے اس کے چہرے کو بھگونے لگے۔

"تم واقعی مجھے میرے حصے کی خوشیاں نہیں دے سکتے تھے جو چیز تمہارے پاس تھی نہیں تم کیسے

دیتے، مگر مجھے شک کے کٹہرے میں لا کر یوں داغدار بے اعتبار تو نہ کرتے چھوڑنا تھا تو آرام سے چھوڑ دیتے بند راستوں پہ کھڑا نہ کرتے۔" تاریکی کا وہ فیز، بند راستے جب مجھے ہنسنا بولنا بھول گیا تھا۔

"تم تب کہاں تھے؟" وہ سراپا سوال بن کھڑی تھی۔

"میں تمہاری ساری غلط فہمیاں دور کر دوں گا، تم جو کہہ رہی ہو سب دانستہ نہیں تھا ریہ میری محبت خالص تھی تمہارے لئے بہت کچھ کرنا تھا مجھے۔"

"مجھے کچھ بھی باور کرانے کی ضرورت نہیں ہے وہاج حسن کیونکہ تم یہ حق کھو چکے ہو۔" وہ انگشت شہادت اٹھا کر بولی۔

"میں تمہارا دشمن نہیں خیر خواہ ہوں، تمہیں اچھا لگتا ہے لوگ تم پہ انگلیاں اٹھائیں جدھر سے تم گزرو۔"

"اپنا اچھا برا میں خوب سمجھتی ہوں سو تم اپنا وقت برباد مت کرو، جب میں تکالیف سے گزر رہی تھی میرے ساتھ نفع نقصان بن رہے تھے اس وقت تمہاری خیر خواہی صدیوں دور جا کھوئی تھی تم دشمن بنے تھے، تم نے میری عزت نفس کو پامال کیا، میرے خوابوں کے شجر اجاڑ دیے، میری خواہشوں کو تباہ و برباد کیا، میرے اعتبار، یقین، اعتماد کو توڑا، کتنے حساب نکلتے ہیں میرے تمہاری طرف، کس طرح تم نے مجھ پہ شک کر کے مجھے داغدار کر دیا تھا، جب میں تنہا، بے بس اور بے چارگی کے عالم میں دکھوں سے مقابلہ کر رہی تھی اس وقت تم نے بجائے میرا ساتھ دینے کے مجھے مزید تنہا کیا تھا۔" وہاج حسن پلکیں نہیں جھپک سکا۔

"میں نے مجبوری کی انتہا پہ آ کے تمہارا ساتھ چاہا تھا اور تم نے انکار کر دیا تھا کیونکہ تم اس وقت نئے نئے امیر ہوئے تھے غریب رشتے داروں کو منہ لگاتے شرم آئی تھی تم لوگوں کو۔" وہ اب بھی کچھ کہے بغیر اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"خونی رشتہ، منگنی، تعلق، محبت سب بھول گئے تھے تمہیں اس وقت مگر مجھے دیکھو میں کتنی امیر ہوں اس وقت اور کچھ نہیں بھولی میں نے کتنے فخر سے اپنے تعلق ظاہر کیے ہیں۔" وہ استہزائیہ بولی۔

"ہمیں شرمندگی ہے تمہارے ساتھ جو سلوک ہوا وہ ہماری غلطی تھی۔" وہ گڑگڑایا۔

"کیا تمہاری یہ خود ساختہ شرمندگی میری اعتماد، یقین، عزت، بھرم واپس لا سکتی ہے، کیا تمہارے یہ الفاظ میرے نقصانوں کو پورا کر سکتے ہیں۔" وہ تلخی سے بولی۔

"بخدا میں تمہارا ساتھ دینا چاہتا تھا بس کچھ ایسا ہوتا گیا کہ سب غلط ہو گیا مجھ پہ دباؤ تھا ربا امی بہنیں سب تمہاری طرف سے مشکوک تھے مجھے مجبور کر دیا گیا تھا کہ میں تم سے تعلق ختم کر لوں۔" وہ بہت ندامت سے بولا۔

"میں نہیں مانتی وہاج تم مجبور تھے اور محبت تو کسی مجبوری کو نہیں مانتی نہ زمانے کی مصلحتوں سے واسطہ رکھتی ہے، تم کیسی محبت کرتے تھے کہ میری زندگی، عزت داؤ پر لگا دی، میرا مان، اعتماد، بھروسہ توڑا بے یقینی اور بے اعتباری کے زخم دیے ایسی بے قدری و بے توقیری کا احساس دلایا کہ میرا وجود بدنامی اور دکھوں کا سائن بورڈ بن گیا، تم میرے ماضی کا وہ حصہ ہو وہاج حسن جو مجھے کبھی اپنے ماضی سے کٹنے نہ دے گا۔" اس کی آنکھوں سے گرم پانی بہہ نکلا تھا جسے وہ بے دردی سے رگڑتے ہوئے بولی۔

"تم اب اپنا یہ بے وقت کا پچھتاوا اور شرمندگی لے کر میرے پاس کیا کرنے آئے ہو؟ جب سب برباد ہو گیا، ہمارا کوئی رشتہ ہی نہیں رہا تو تمہارے یہ الفاظ میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔" اس کا انداز قطعی تھا۔

"ہمارا خونی تعلق بھی ہے اریبہ اور یہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔"

"ہو گیا تھا ختم اس دن جب میری ماں بنا پیسے کے ناکافی علاج کے باعث ایڑیاں رگڑتی مر گئی تھی اور تم نے مجھے ادھار دینے کے بجائے دھکے مار کر گھر سے نکالا تھا۔" اس کا لہجہ بے حد تلخ اور ٹھنڈا تھا۔

"اریبہ جو تم کر رہی ہو یہ سب ٹھیک نہیں۔" وہاج حسن نے بولنا چاہا۔

"تمہارا پرابلم کیا ہے وہاج حسن مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ، میں مروں یا جیوں تمہیں اس سے فرق نہیں پڑنا چاہیے۔" وہ ہموار اور سخت لہجہ میں بولی۔

"فرق پڑتا ہے اریبہ ہم خونی رشتوں میں بندھے ہیں۔"

"بس کرو وہاج حسن رشتوں کی بات کرتے تم اچھے نہیں لگتے تم وہ شخص ہو جس نے دولت کے لئے رشتوں کو دھتکارا، محبت کا حسن پامال کیا، یقین، اعتماد، بھروسہ ہر جذبے کو تم نے نفرت خود غرضی کے ہاتھ بیچ دیا، اگر تم نے رشتوں کو ان کے احساسات کو سمجھا ہوتا تو میرا سب کچھ تباہ نہ ہوتا، میں راتوں کے پچھلے پہر سڑکوں پر ماری ماری نہ پھر رہی ہوتی اپنی ماں کے علاج کے لئے دروازے کھڑکاتی، تم رشتوں کو مانتے تو میں کچھ نہ گنواتی، تم چاہتے تو میں کئی سال پہلے مکمل نہ سہی مگر ایک بہتر زندگی گزار رہی ہوتی، اس وقت بھی ہم میں خونی رشتہ تھا وہاج حسن جب تم نے مجھے دکھ، درد کے ہجوم میں بھیڑیوں کے سامنے بے بس، لاچار حالات میں لا کر چھوڑ دیا تھا، تم نے ساتھ چھوڑ کے مجھے شمع محفل بننے پر مجبور کیا تھا تم نے۔" وہ دکھ کی شدت سے بول نہیں پائی تو آنسوؤں میں روانی آ گئی اور کمرے کے وسط میں کھڑا وہاج حسن بغیر پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہم سے بھی سب کچھ چھن گیا ہے اریبہ ہما، ثنا اور انزلہ آپی طلاقوں کے داغ سجائے گھر آ بیٹھی ہیں، حیدر صاحب کی بیٹی سے میرا رشتہ فائنل ہو چکا تھا مگر وہ ڈانواں ڈول ہے اب، میری جان میرا کیریئر میری عزت کچھ نہیں سب داؤ پہ لگا چکا ہے۔" وہ بہت دیر بعد بولا تو لہجہ قدرے بھرایا ہوا تھا۔

"تو پھر کیا ہوا یہ تو عام باتیں ہیں، میرے کردار بھی انگلیاں اٹھی تھیں، مجھے بھی اس گھر، محلہ شہر میں رہنا محال ہو گیا تھا، بدنامی کے رسوائی ذات کے بوجھ سے تھک ہار کر میں نے بھی گھر چھوڑا تھا، جاب، عزت، ماں، بھائی بہت کچھ میں نے بھی گنوایا تھا۔" وہ بڑے آرام سے بولی، تو لمحہ بھر کو وہ چپ ہی رہ گیا اس کے انداز پر۔

"امی کو صدمے سے ہارٹ اٹیک ہو گیا ہے وہ ہاسپٹل میں ہے۔" وہ اب رو پڑا تھا۔

So what? میری ماں معذور، بیمار، مفلوج کئی سال ہاسپٹلز کے اندر باہر ایڑیاں رگڑتی رہی تھی۔" وہ سکون سے بولی وہاج کو یقیناً ایسے شدید ردعمل کی توقع نہ تھی۔

"اریبہ تم..... امی مر جائے گی۔"

"میری ماں بھی مر گئی تھی تو کیا ہوا، یہ عام بات ہے دنیا میں ہر کوئی جانے کے لئے آتا ہے اور بیمار لوگ ویسے بھی زیادہ نہیں جیتے۔" اس کا لہجہ بے حس اور الفاظ سفا کی کی حد تک تلخ تھے، وہاج جیسے گنگ سا

ہو گیا اس کا انداز دیکھ کر۔

"اریبہ تم صرف اتنا احسان کر دو کہ ایک بیان دے دو، یہ بات کہہ دو تمہارا ہم سے کوئی تعلق نہیں، یہ بات حیدر صاحب کو کلیئر ہو گئی تو کم از کم میں تباہی سے بچ جاؤں گا میرے لئے میری خاطر اتنا کر دو آخر تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔" وہ اس کے قدموں میں آ بیٹھا تھا۔

"تم نے میرے لئے میری خاطر کیا کیا تھا، محبت کے دعویدار تو تم بھی مجھ سے اور تم نے مجھے دنیا کے بازار میں لا کھڑا کیا تھا۔" اس کا لہجہ کاٹ دار تھا۔

"تمہیں نہیں پتا تباہی کسے کہتے ہیں، تم نہیں جان سکتیں ہم کس عذاب میں ہیں۔"

"مجھے جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" وہ سر جھٹک کر آگے بڑھی۔

"حیدر صاحب اپنے بزنس میں مجھے برابر کا حصہ دار بنا رہے تھے، گاڑی، بنگلہ، بہت کچھ آفر کر رہے تھے مگر تمہارے انٹرویو نے میری بنی بنائی پلاننگ پہ پانی پھیر دیا، ثمن، ہما، انزلہ خوش باش تھیں اپنے گھروں میں تم سے رشتہ داری منظر عام پہ آتے ہی ایک پل میں وہ تین الفاظ کے ساتھ گھروں سے نکالی گئی، ہماری ماں جس نے بیوگی کاٹتے محنت مشقت سے ہمیں پالا، پڑھایا لکھایا وہ موت کے منہ کو چھو رہی ہے ہماری مدد نہیں کرو گی۔"

"تم نے مدد کی تھی میری؟ میں بھی اس کیفیت و حالت میں کبھی تمہارے پاس آئی تھی۔"

"میں صرف تمہارا محبوب نہیں ایک بیٹا ایک بھائی بھی تھا میں اپنی بہنوں کو جہیز کے لئے بوڑھی نہیں کرنا چاہتا تھا میں نے صرف بہنوں کو پہلے بہتر زندگی دینے کے لئے تم سے منہ موڑا، اگر تم سے شادی کر کے تمہارے اخراجات بھی اپنے گھر کے ساتھ اٹھاتا تو اپنے گھر والوں کو کبھی بہتر زندگی نہ دے پاتا، میں کیا کرتا پھر. . ." وہ چند ثانیوں تک اس کی طرف دیکھتی رہی پھر لب بھینچ کر نگاہ پھیر گئی۔

"ایک بار صرف میرے کہنے پر تم یہ بیان لاتعلقی دیدو اور حیدر صاحب سے مل کر میری پوزیشن کلیئر کر دو تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔"

"حیدر صاحب جس کیٹگری کے بندے ہیں وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں کہہ سکتے ہیں، میں پھر کیا کرو گی اگر...... وہ کچھ مطالبات......" اس نے بات ادھوری چھوڑی جھجک کر۔

"پھر کیا ہوا تم کون سا اب پہلے جیسی رہی ہو، اتنے مردوں سے تمہارے تعلقات ہو چکے ہیں اگر ایک حیدر صاحب کچھ کہہ دیں یا کر لیں تو تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔" اریبہ دکھ کے اس قدر شدید حصار میں گھری کہ اسے سارے الفاظ بھول گئے، رونا بھی نہیں آیا وہ بس سنگی مجسمے کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔

"بدکار عورتوں پہ کون رحم کھاتا ہے ان سے تو کچھ دو کا معاملہ ہی نبھاتے ہیں سب۔" اب وہ پھر کہہ رہا تھا، اریبہ نے ویران آنکھوں سے دیکھا وہ محبت، وہ رشتہ وہ مرد جس کے لئے وہ برباد ہو گئی، سب لٹا ڈالا گھر، عزت، زندگی، تباہ، بکاؤ کر دی وہ دولت، مایا پیسے کے لئے پستیوں کی کن اتھاہ گہرائیوں میں گر چکا تھا، کہ اب بھی اس حالت اس موقع پر بھی اسے صرف پیسے کا خیال تھا اس کا نہیں جو اس کے لئے خوار ہو گئی، وہ انسان بھی نہیں تھا اور وہ اسے خدا سمجھ کے پوجتی رہی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

روبینہ سعید

''آ گئی تو کالج سے۔'' شاہدہ بیگم جیسے ہی گھر میں داخل ہوئیں تو ان کی نظر کتابیں رکھتی رافعہ پر پڑی، رافعہ ان کی آواز سن کر واپس مڑی۔

''جی امی! آپ کہاں سے آ رہی ہیں؟''
رافعہ نے حجاب اتار کر ہاتھ میں پکڑا اور عبایا کے بٹن کھولنے لگی۔

''ارے بیٹا! میں نے کہاں جانا ہے۔''
شاہدہ بیگم نے چادر اتار کر تہہ لگا کر ہینگر میں لٹکائی اور دوپٹہ نکال کر اوڑھتے ہوئے کہا۔

''زاہدہ آپا کی طرف گئی تھی، آج پھر ساس بہو میں ٹھنی ہوئی تھی، گھمسان کا رن پڑا تھا، بیچارہ ساحر چکی کے دو پاٹوں میں پس رہا ہے، میری تو سمجھ سے باہر کہ عورت ساس بن کر اتنی بدل کیوں جاتی ہے، اب آپا کو ہی دیکھ لو، کیسا سارا زمانہ چھان کر نوشابہ کو بہو بنا کر لائیں تھیں، کیسے کیسے

ناولٹ

ارمان پورے کیے تھے، آپا کا بس نہیں چلتا تھا کہ نوشابہ جہاں پاؤں رکھے وہاں اپنا ہاتھ دھر دیں اور اب۔'' وہ تاسف سے بولیں، رافعہ ان کے پاس ہی تخت پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔

''اب تو دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں ہیں۔''

''چھوڑیں امی! چلیں ہاتھ دھو لیں میں کھانا نکال کر لاتی ہوں۔'' رافعہ اٹھ کر کچن کی طرف بڑھی، شاہدہ بیگم اٹھ کر واش بیسن کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

''کیسے چھوڑ دوں بیٹا! آخر کو ہمارے گھر بھی بہو آنے والی ہے، جب جب سوچتی ہوں ہول جاتی ہوں، کیا ہمارے گھر میں بھی ایسے ہنگامے ہوا کریں گے، کیا میرا حذیفہ بھی ایسے ہی ساس بہو کے جھگڑے میں پھنس جائے گا۔'' وہ نجانے کیوں اتنا اداس ہو رہی تھیں۔

"اللہ نہ کرے امی!" رافعہ کھانے کی ٹرے تخت پر رکھ کر ان کی طرف چلی آئی۔
"آپ اتنا نیگیٹو کیوں سوچتی ہیں، آپ تو بہت سمجھ دار ہیں، ہمارے گھر میں کیوں ہونے لگے یہ جھگڑے، آپ کوئی خالہ کی طرح جذباتی تو نہیں ہیں اور پھر قبل از مرگ ہی واویلا والا حساب ہے۔" وہ ہنسی۔
"ابھی شادی ہوئی نہیں اور وسوسے پہلے ہی تنگ کرنے لگے۔" شاہدہ بیگم تھوڑا مسکرائیں اور ہاتھ دھو کر تخت پر آبیٹھیں۔
"آج لائبہ کے گھر بھی جانا ہے۔" انہوں نے روٹی کا چھوٹا سا نوالہ توڑتے ہوئے کہا۔
"جی امی یاد ہے، ابھی کھانا کھا کر کپڑے پریس کرتی ہوں۔" اس نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔
"آج لائبہ کا ناپ لے آئیں تو کپڑے سینے کے لئے دے دینا۔" شاہدہ بیگم نے کچھ دنوں پہلے حذیفہ کا رشتہ طے کر دیا تھا، لائبہ دیکھنے میں انہیں اتنی معصوم اور بھولی بھالی لگی کہ وہ جو ابھی صرف لڑکی دیکھنے گئی تھیں جھٹ سے اپنی انگلی سے انگوٹھی لائبہ کی انگلی میں ڈال دی، رافعہ ہکا بکا رہ گئی، اتنی جلد بازی پر، مگر شاہدہ بیگم تو لائبہ کی بھولی بھالی صورت پر ایسی فدا ہوئیں کہ رافعہ بیچاری کی بے وقت اٹھنے والی کھانسی بھی انہیں انگوٹھی پہنانے سے نہ روک سکی، ادھر لائبہ کی امی پر تو شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی، لائبہ کی صورت شکل تو اچھی تھی مگر نجانے کیوں اس کا رشتہ طے ہو کر ہی نہیں دے رہا تھا، ہر ہفتے کوئی نہ کوئی نئے لوگ لڑکی دیکھنے آتے، کھاتے پیتے، گھر دیواروں کو چاروں طرف سے ایسے دیکھتے کہ جیسے لڑکے کی شادی انہی دیواروں سے کرنی ہے جن کا جگہ جگہ سے اکھڑتا پینٹ گھر کے مکینوں کی مالی حالت کی قلعی کھول رہا ہوتا تھا ایسے میں آئے ہوئے لوگوں کو رگڑ رگڑ کر چمکاتا ہوا فرش ہر گز ہر گز نظر نہیں آتا، قرینے سے رکھی ہر چیز نجانے کیوں لوگ نظر انداز کرتے، سامنے میز پر قرینے سے پیش کیا گیا ناشتہ نجانے اپنی لذت کہاں کھو دیتا اور ٹھونس ٹھونس کر کھانے والے لوگ جاتے تو اپنے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے لئے آس اور امید کا ایسا دروازہ کھول جاتے جس کا کھلا دروازہ تک تک کر وہ لوگ مایوس ہو جاتے، ہر فون پر چونک اٹھتے، ہر دستک پر سب کے چہروں پر برقی قمقمے کی سی پل بھر کو روشنی پھیلا جاتی کہ شاید لڑکے والوں کا اثبات میں جواب آیا ہے مگر نہ تو جواب آتا نہ ہی جواب کی امید پیدا ہوتی، لڑکے والے تو واپس نہیں آتے البتہ رشتے والی صغریٰ ایک نئے رشتے کے ساتھ موجود ہوتی نجمہ بیگم کی دعائیں طویل سے طویل تر ہوتی جا رہی تھیں۔
ان کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے، بڑے چار بچے وہ بیاہ چکی تھیں، مگر لائبہ پر آ کر ایسی سوئی رکی تھی کہ وہ جو اللہ پر کامل بھروسہ رکھتی تھیں ابھی پچھلے دنوں درگاہوں پر بھی باقاعدگی سے جانے لگی تھیں، لائبہ سے بڑی ثوبیہ اور ردا کی شادی کے بعد سے ہی وہ لائبہ کی شادی کی آس لگائے بیٹھی تھیں مگر نجانے کیوں ایسا ہو رہا تھا کہ وہ جتنی جلدی اس کی شادی چاہتی تھیں اس میں اتنی ہی رکاوٹیں آ رہی تھیں اور پھر یکایک حذیفہ کا رشتہ کیا آیا تمام رکاوٹیں نجانے کہاں جا سوئیں۔
اکلوتا بیٹا اوپر سے بینک میں منیجر اپنا گھر، گاڑی، ثوبیہ اور ردا حیران تھیں تو دونوں بھابھیاں نوریہ اور حمیرا، جل کر کباب ہو گئی تھیں، دونوں ہی دل سے نہیں چاہتی تھیں کہ ابھی لائبہ کی شادی ہو، آخر گھر کا کام کرنے کے لئے ملازمہ بھی تو درکار

تھی، نجمہ بیگم اسے دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہتیں دن رات وہ ایک ہی دعا مانگتیں۔
"یا اللہ پاک میری بچی کے نصیب کھول دے۔" اور پھر نجانے کس گھڑی کی دعا تھی کہ اللہ نے حذیفہ کی صورت میں ایسا شاندار داماد دیا کہ وہ جو سجدے میں گریں تو دوبارہ اٹھنا بھول گئیں، سجدہ جب بے حد طویل ہوا تو لائبہ نے ہلایا اور دھک سے رہ گئی، وہ اس کے نصیب کی خوشیاں مانگتے خود ہی عالم بالا پہنچ گئی تھیں۔

☆☆☆

نجمہ بیگم کے چہلم کے بعد ثوبیہ اور ردا نے بھائیوں کو راضی کر لیا کہ جو تاریخ ماں نے لائبہ کی شادی کی مقرر کی تھی اس سے آگے تاریخ نہیں بڑھائی، رشتہ داروں نے ناک بھوں چڑھائی آس پڑوس کی عورتوں نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔
"خالہ! امی کی خواہش تھی کہ لائبہ جلد از جلد اپنے گھر کی ہو اس لئے۔" اس نے مدد طلب نظروں سے ردا کو دیکھا۔
"ہاں تو اور کیا، پریشان رہے گی امی کی روح، اگر لائبہ کی شادی پھر آگے کی تو۔" ردا نے ثریا کو تھپکتے ہوئے کہا۔
"نہ بھائی نہ، بس جلد از جلد لائبہ کو رخصت کرنے کا سوچو۔" دونوں پریشان تھیں اتنی مشکلوں سے رشتہ ہوا ہے کہیں شادی آگے کرنے کے چکر میں حذیفہ کی اماں کہیں کوئی اور لڑکی پسند نہ کر بیٹھیں، لہٰذا بس جھٹ پٹ شادی کر دی۔
"اور سن، کوئی ضرورت نہیں ہے ساس نندوں کو سر چڑھانے کی۔" شادی کے بعد جب وہ پہلی بار گھر آئی تو ثوبیہ نے ڈھیر ساری نصیحتوں کے ساتھ ایک نصیحت یہ بھی کر دی۔
"ہیں آپا کیا کہہ رہی ہیں۔" لائبہ نے آنکھیں پٹپٹائیں۔

"کیا مطلب؟"

"او جھلیے، ٹھیک کہہ رہی ہیں آپا۔" ردا نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ جو ساسیں ہوتی ہیں نہ ہر وقت سانس خشک کیے رکھتی ہیں، جتنی مرضی خدمت کر لو، ہر وقت ٹوہ میں لگی رہتی ہیں، کیا کھا رہی ہوں، کیا پہنا ہے، اب کیا کر رہی ہوں، کہاں جا رہی ہوں اُف......ف۔" اس نے دونوں ہاتھ سر پر رکھے۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے گھر کے ڈھیروں ڈھیر کام کرنے کی، آخر تمہاری شادی سے پہلے بھی تو اس گھر کے کام ہوتے تھے، تو کیا فرق پڑے گا اگر تم نہیں کرو گی۔" ثوبیہ نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

لائبہ ویسے بھی دونوں بہنوں کے کہنے میں آ کر چلتی تھی اکثر بھابھیوں سے بھی جھگڑے رہتے تھے، وہ جو ٹھیک ٹھاک چل رہی ہوتی تھی ثوبیہ اور ردا کے گھر آتے ہی ان کے اکسانے پر کام کرنا چھوڑ دیتی ایسے میں حمیرا اور نوریہ کا غصے سے برا حال ہو جاتا، تینوں بہنیں اپنا گروپ بنا کر بیٹھ جاتیں اور وہ دونوں الگ ہوتیں، ردا اور ثوبیہ اپنے سسرال کی سٹوریاں سناتیں۔

شادی کو چار مہینے سے زیادہ ہو چکا تھا، مگر لائبہ نے بھولے سے بھی کسی کام کو ہاتھ نہیں لگایا تھا، شاہدہ بیگم نے اس سے کھیر پکانے کی بات کی تو وہ ٹال گئی، مگر درپردہ ثوبیہ کے کہنے میں آ کر حذیفہ سے شکایت بھی کر دی۔

"کیا ہے بھئی، میں نے ساری زندگی کام ہی کیا ہے، ابھی تو کچھ عرصہ ریسٹ کرنے دو۔"

"اچھا بھئی نہ کرو کام، مگر امی کے کہنے سے کھیر تو پکا لو، کم از کم تمہارے ہاتھ کی لذت سے تو آشنا ہو جائیں۔" وہ جو آفس جانے کی جلدی میں تھا ڈھیروں پرفیوم خود پر انڈیلتا ہوا بولا۔

وہ جو کچھ کہنا چاہتی تھی مگر حذیفہ نے اسے موقع ہی نہیں دیا اور اس کو خدا حافظ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

"کیا مصیبت ہے۔" وہ پاؤں پٹختی ہوئی پیچھے پیچھے آئی تو حذیفہ کو ماں کے پاس کھڑا پایا۔

"اونہہ۔" وہ وہیں سے واپس پلٹ گئی۔

☆☆☆

لائبہ دل کی بہت اچھی لڑکی تھی، لیکن ثوبیہ اور ردا نے ماں کی کمی کو پورا کرنے کی جو کوشش کی اس میں وہ لائبہ کے ہر معاملے میں مداخلت کرنے لگی، سسرال میں کیسے رہنا ہے، کس طرح رہنا ہے، وہ الٹے سیدھے مشوروں سے اسے نوازتی رہتیں اور لائبہ بغیر سوچے سمجھے ان پر عمل کرتی جاتی، ردا فطرتاً دبنگ طبیعت کی مالک تھی، اس نے سسرال میں جاتے ہی میاں کو ایسا مٹھی میں کیا کہ شادی کے چھ ماہ بعد ہی سسرال والوں نے باہر کا رستہ دکھایا، اس کی بڑی جٹھانی فطرتاً شریف اور نیک عورت تھی اس نے کبھی الگ ہونے کا سوچا بھی نہیں، یہی وجہ تھی کہ ساس مریم سے پوچھے بغیر کوئی کام نہ کرتیں مریم نے بھی خود کو سسرال کے لئے وقف کر رکھا تھا، بس اسی بات کو مسئلہ بنا کر ردا نے سسرال میں فساد اٹھایا کہ مجھے تو کوئی پوچھتا ہی نہیں، ہر وقت مریم، مریم کی صدائیں لگتی ہیں، بس میں نے یہاں نہیں رہنا جہاں میری ضرورت ہی نہ ہو۔

"میاں ساس سسر سمجھاتے رہ گئے کہ بیٹا وہ ہمارے سارے کام کرتی ہے، کپڑے ہمارے مریم پریس کرتی ہے، دھوتی مریم ہے، ہمیں کھانا چائے سب مریم کر کے دیتی ہے تو ظاہر ہے ہم نے مریم کو ہی آواز دینی ہے، لیکن تم بھی ہماری بہو ہو، ہمیں اتنی ہی عزیز ہو جتنی کہ مریم۔" مگر ردا نے ایک نہ چلنے دی۔

میاں کو ماں باپ کے آگے کمزور پڑتے دیکھا تو ناراض ہو کر میکے چلی گئی، ساس سسر منانے گئے، بھائیوں، میاں نے بہترا سمجھایا مگر ردا کی نہ کو ہاں میں نہ بدل سکا، آخر کار ماں باپ کے سمجھانے سے وسیم حسن کو الگ گھر لینا پڑا، تب کہیں جا کر ردا گھر واپس آئی، ماں باپ کے ساتھ رہتے تھے تو خرچہ وسیم ماں کے ہاتھ پر رکھتا تھا اب ساری آمدنی پر ردا قابض تھی اس نے وسیم کو اس طرح مٹھی میں لیا ہوا تھا کہ وہ اگر ماں باپ پر خرچ بھی کرتا تو ردا سے پوچھ کر، دونوں بہنیں ردا پر رشک کرتی تھیں، پھر ثوبیہ کی شادی ہوئی تو ردا نے الٹی سیدھی پٹیاں پڑھا کر اس کو بھی سسرال سے علیحدہ کروا دیا اب دونوں بہنیں خود مختار تھیں، اب دونوں چاہتی تھیں کہ حذیفہ بھی ماں کا پلو چھڑائے مگر لائبہ ابھی تک کامیاب نہیں ہوئی تھی وجہ اس کی شاہدہ بیگم کی صلح جو طبیعت تھی وہ نہیں چاہتی تھیں کہ گھر میں کوئی ہنگامہ برپا ہو، اسی لئے دو ایک بار سرسری طور پر لائبہ کو پاس بٹھا کر بات چیت کی کوشش کی مگر لائبہ کی طرف سے ہوں ہاں کے علاوہ زیادہ رسپانس نہیں ملا، مگر وہ بھی اللہ کی بندی پھر بھی اس کی مرضی کا خیال ہر بات میں رکھتی تھیں۔ ایسے میں رافعہ اکتا جاتی تھی مگر شاہدہ بیگم اسے ہر بار سمجھا بجھا کر خاموش کر کر دیتیں، ایسے میں اگر ان کی بڑی بہن زاہدہ آ جاتیں اور اپنی بہو کی برائیاں شروع کر دیتیں تو وہ حتی الامکان کچھ بولنے سے پرہیز کرتیں مگر وہ بھی اس کی بہن تھیں ان کی طبیعت کا الٹ۔ کام والی کو صفائی کرتے دیکھتیں تو فوراً ٹوک دیتیں۔

"اے ہے .... یہ بہو نے ابھی تک کام شروع نہیں کیا؟" وہ ماتھے پر شکنیں ڈال کر پوچھتیں اور شاہدہ بیگم ایسی وضع دار، مجال ہے جو لائبہ پر آنچ آنے دیتیں۔

"ارے آپا...... ساری زندگی کام ہی کرنا ہے...... میں نے ہی کہا کیا ضرورت ہے کچن میں سر کھپانے کی ساری عمر پڑی ہے۔ چلیے آیئے اوپر کمرے میں بیٹھتے ہیں۔" وہ دانستہ ان کی توجہ لائبہ پر سے ہٹانا چاہتیں۔

"اور جو تم کچن میں لگی رہتی ہو اس کا کیا۔" وہ بھی ایک کائیاں تھیں۔

"ارے آپا میرا کیا پوچھتیں ہیں آپ...... میں بھلا کیا کروں اگر کچن بھی نہ دیکھوں تو...... رافعہ چائے اوپر ہی لے آنا۔" وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے رافعہ کو کہتیں۔

"اچھا بھئی......" زاہدہ بیگم گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھتیں۔

"لیکن میری مانو تو بہو کو اتنی ڈھیل نہ دو اسے کام کاج کی طرف لاؤ۔ آخر گھر تو اس نے ہی سنبھالنا ہے۔ تمہارے کون سے سات سات بیٹے ہیں۔ اب ایک ہی بیٹا ہے تو بہو کو بھی اپنی ذمہ داری سمجھنی چاہیے۔ رافعہ کا کیا ہے آج رشتہ اچھا آیا کل اس کے ہاتھ پیلے ہو جائیں گے۔ پھر تم اکیلی جان ہلکان ہوتی پھرو گی اسی لیے کہتی ہوں کہ بہو کو ذمہ داری کا احساس دلاؤ۔" ایسے ہی بیچاری شاہدہ بیگم سوچ کر رہ جاتیں کہ کیسے لائبہ کو سمجھاتیں۔ آخر بڑی سوچ بچار کے بعد انہوں نے شام کی چائے کی ذمہ داری لائبہ پر ڈالی۔ شروع شروع میں تو لائبہ نے بڑی خوش اسلوبی سے ذمہ داری اٹھائی۔ پھر آہستہ آہستہ انہوں نے چھوٹے موٹے کاموں میں اسے مصروف کرنا شروع کیا۔ لائبہ آہستہ آہستہ ایڈجسٹ ہوتی جا رہی تھی کہ ردا کا فون آیا کہ اس ویک اینڈ پر ماں کے گھر آ جاؤ کافی دنوں سے اکٹھے نہیں ہوئے۔ لائبہ جھٹ پٹ تیار ہو کر پہنچ

گئی۔

☆☆☆

ردا کی نند کی شادی تھی۔ اس نے شاپنگ پر جانا تھا۔ ثوبیہ اور لائبہ بھی اس کے ساتھ تھیں ردا نے کھل کر شاپنگ کی اور سارے پیسے خرچ کر دیے۔ وہاں اس نے لائبہ سے پیسے مانگے لائبہ کے پاس جو کچھ تھا وہ اس نے ردا کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"بس......" اس نے تمسخر سے پیسے گنے۔

"چار ہزار سات سو۔" اس نے ثوبیہ کی طرف دیکھا۔

"حذیفہ تمہیں خرچہ نہیں دیتا۔" ثوبیہ نے پوچھا۔

"ہاں...... دیتے ہیں۔" لائبہ نے انگلیاں چٹخائیں۔

"بس یہ تین چار ہزار ردا نے نوٹ اس کے سامنے لہرائے۔"

"ہاں تو میرا کونسا خرچہ اتنا زیادہ ہے؟" لائبہ کمزور سی آواز میں بولی۔

"اور حذیفہ کی اتنی ڈھیروں تنخواہ کہاں جاتی ہے؟" ردا نے تیوری پر بل چڑھائے۔

"وہ...... آپا...... میں نے کبھی پوچھا نہیں۔"

"اچھا......" ثوبیہ نے شاپنگ بیگ اسے تھمائے۔

"چلو گھر چل کر بات کرتے ہیں۔" اس رات تینوں بہنیں وہاں ٹھہری تھیں گھر میں کافی رونق تھی۔ نوریہ اور حمیرا نے کھانے پر کافی اہتمام کیا ہوا تھا۔ بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا بھی کافی رات تک سب کے ساتھ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر ان کے اٹھ کے جانے کے بعد نوریہ اور حمیرا بھی بچے سنبھالتی ہوئی سونے چلی گئیں۔ پھر ثوبیہ اور ردا نے لائبہ کو گھیر لیا۔ اس کی مسلسل برین واشنگ کر کے اس کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بٹھا دی کہ میاں کی آمدنی پر بیوی کا حق ہے اور حذیفہ کی تنخواہ اس کی ماں کے بجائے لائبہ کے ہاتھ پر آنی چاہیے۔ لائبہ سوچ میں گم تھی۔

☆☆☆

گھر واپس آ کر لائبہ کے رویے میں شاہدہ بیگم نے واضح تبدیلی محسوس کی۔ پہلے لائبہ شام کی چائے پابندی سے بنا لیا کرتی تھی ساتھ کبھی ہلکے پھلکے سینڈوچ، کبھی شامی کباب تل لیے، کبھی کیک بیک کر لیتی مگر جب سے میکے سے ہو کر آئی تھی شام کی چائے کے وقت سوئی رہتی۔ ایک دو دن تو شاہدہ بیگم نے برداشت کر کے لائبہ کا کمرے سے باہر آنے کا انتظار کیا تیسرے دن سے انہوں نے رافعہ کو چائے کا کہہ دیا۔ چائے کے وقت وہ دونوں چائے پی رہی تھیں جب حذیفہ بھی آ گیا۔

"آ جاؤ بیٹا چائے تیار ہے۔" شاہدہ بیگم نے اسے آتے دیکھا تو کہا۔

"ہاں امی چائے کی طلب تو بہت زیادہ ہے۔ رافعہ چائے بناؤ۔ ویسے یہ لائبہ کہاں ہے۔ لائبہ...... لائبہ۔" اس نے دو تین آوازیں دیں۔ ذرا دیر بعد ہی لائبہ آ موجود ہوئی۔

"کہاں ہو بھئی چائے تیار ہے۔" حذیفہ نے شامی کباب پلیٹ میں رکھا۔

"یہ لیں بھابی۔" رافعہ نے چائے بنا کر لائبہ کے سامنے رکھی۔ حذیفہ باتیں بھی کرتا جا رہا تھا۔

لائبہ چائے پینے کے دوران بھی جیسے گم صم سی تھی۔ حذیفہ نے واضح اس کا موڈ خراب محسوس

کیا۔

"یار کبھی تم بھی اپنے ہاتھ کی بنی کوئی چیز کھلا دو۔" حذیفہ نے شامی کباب کھاتے ہوئے لائبہ سے کہا۔

"بھابی کھائیں نہ آپ بھی۔" رافعہ نے شامی کباب پلیٹ میں رکھ کر اس کے آگے رکھا۔

"نہیں شکریہ مجھے پسند نہیں ہیں۔" لائبہ نے چائے کی پیالی لبوں سے لگا لی۔

"چائے کس نے بنائی ہے؟" لائبہ نے پیالی واپس ٹیبل پر رکھ دی۔

"کیوں کیا ہوا؟" رافعہ چونکی۔

"نہیں کچھ نہیں بس پانی کچا ہے۔" رافعہ اور شاہدہ بیگم نے حیرت سے اسے دیکھا۔ حذیفہ بھی حیران تھا۔

☆☆☆

"امی ہم لوگ باہر جا رہے ہیں۔" رافعہ اور شاہدہ بیگم باہر لان میں بیٹھے تھے جب حذیفہ اور لائبہ وہیں آ گئے۔

"کہاں جا رہے ہو بھائی؟" رافعہ نے اشتیاق سے پوچھا۔ لائبہ کو نجانے کیوں رافعہ کا پوچھنا برا لگا۔

"بس ذرا آؤٹنگ کے لیے جا رہے ہیں۔" حذیفہ کی بجائے اس نے جواب دیا۔

"اچھا بچو جاؤ...... اللہ حافظ۔" شاہدہ بیگم نے کہا۔

"تم بھی چلو رافعہ۔" حذیفہ نے رواداری نبھائی۔ لائبہ نے برا سا منہ بنا لیا۔

"نہیں بھائی آپ جائیں میرا ٹیسٹ ہے۔ بھائی میرے لیے آئس کریم لائیے گا۔" اس سے پہلے کہ حذیفہ کچھ کہتا لائبہ بول پڑی۔ حذیفہ نے بے حد حیران ہو کر بیوی کو دیکھا۔ لائبہ اس کے اس طرح دیکھنے پر پٹپٹا گئی۔

"وہ...... دراصل واپسی پر میرا ارادہ امی کے گھر جانے کا ہے۔" وہ نجانے کیوں گھبرا کر وضاحت دینے لگی۔

"ہاں تو کیا ہوا ہم واپسی پر آئس کریم لے لیں گے۔" حذیفہ نے خشک سے لہجے میں کہا۔

"چلو اب...... رافعہ سونا نہیں میں تمہارا پسندیدہ فلیور لاؤں گا۔" حذیفہ نے بہن کا ہاتھ محبت سے تھاما۔

"بھائی ڈھیر ساری۔" رافعہ بچوں کی طرح اٹھلا کر بولی۔ حذیفہ قہقہہ مار کر ہنسا۔

"اچھا میری گڑیا پورا آئس کریم پارلر لے آؤں۔" لائبہ کے بھائیوں نے کبھی اس کے ساتھ لاڈ نہیں کیے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ رافعہ کے ساتھ حذیفہ کا سلوک دیکھ دیکھ کر جلتی تھی۔ رافعہ حذیفہ سے پورے بارہ برس چھوٹی تھی۔ حذیفہ ہمیشہ سے اسے کسی گڑیا کی طرح سنبھالتا آیا تھا۔

"چلیں......؟" حذیفہ اور رافعہ کو مسکراتا دیکھ کر لائبہ خشک لہجے میں بولی۔

"ہاں ہاں...... جاؤ بچو اللہ حافظ۔" شاہدہ بیگم جلدی سے بولیں۔ دونوں چلے گئے تو وہ رافعہ کو ڈانٹنے لگیں کہ کیا ضرورت ہے بے جا فرمائشوں کی۔

☆☆☆

"کیا بات ہے موڈ کچھ خراب ہے۔" گاڑی سڑک پر ڈالتے ہوئے حذیفہ نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں کچھ نہیں۔" وہ گہرا سانس لے باہر دیکھنے لگی۔ ردا کی باتیں کانوں میں گونج رہی تھیں کہ اکیلے رہنے کا اپنا ہی مزہ ہے نہ کسی کی روک ٹوک نہ دخل اندازی۔ جب دل کیا سو گئے جب چاہا پکا لیا جب چاہا کھا لیا۔

"یااللہ میں کب ان ساس نند سے چھٹکارا پاؤں گی؟" اس نے گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

"یاد رکھو شوہر کی کمائی پر اس کی بیوی کا حق ہوتا ہے۔" اس کی سماعت سے ردا کی آواز ٹکرائی تو اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ حذیفہ اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا اس نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ گاڑی چوراہے پر رکی ہوئی تھی۔ تب ہی ایک گجرے بیچنے والا لڑکا آ گیا۔ حذیفہ نے گجرے خرید کر اس کی کلائی میں پہنا دیے۔ لائبہ خوش ہو گئی۔

☆☆☆

حذیفہ نوٹ کر رہا تھا جیسے لائبہ کچھ دنوں سے بجھی بجھی سی ہے..... بیزار سی۔ اس نے دو ایک بار پوچھا بھی مگر ہر بار وہ ٹال جاتی تھی۔ پہلے تو گھر والوں کے ساتھ گھل مل کر رہتی تھی مگر اب تو زیادہ تر اپنے کمرے میں رہتی تھی۔ ردا اور ثوبیہ اسے مسلسل اکسا رہی تھیں کہ حذیفہ سے کہو تمہیں الگ گھر لے کر دیں۔

"مگر آپا اتنا شاندار گھر کے ہوتے ہوئے وہ مجھے الگ گھر کیوں لے کر دیں گے۔" لائبہ نے حیران سا ہو کر پوچھا تھا۔

"بھئی کوئی بھی جھگڑا نکال لو۔ ساس سے بدتمیزی کرو گھر میں بے سکونی ہو گی تو حذیفہ خود بخود تمہیں الگ گھر لے دے گا۔ پھر موج کرنا۔ حذیفہ ساری آمدنی جب تمہارے ہاتھ پر رکھے گا۔ پھر تم مجھے دعائیں دو گی۔" ردا کا شیطانی دماغ بہت تیز چلتا تھا۔

"لیکن آپا جھگڑا کیسے نکالوں۔ میری ساس تو اتنی اچھی ہیں کہ اگر میں ہفتوں گھر کے کام کو ہاتھ نہ لگاؤں تو وہ مجھے کچھ بھی نہیں کہتیں اور پھر جب وہ سارا دن کام میں لگی رہتی ہیں تو..... تو مجھے ترس آتا ہے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے ترس کھانے کی۔" ردا نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"اتنا ترس آ رہا ہے اپنی ساس پر۔ یہ بھول گئی ہو کہ وہ تمہاری ساس ہی ہیں جو ہر مہینے حذیفہ کی اتنی ڈھیروں آمدنی ہضم کر جاتی ہیں۔" ردا کو اس کی باتوں پر بہت غصہ آیا تھا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" لائبہ نے متاثر ہو کر سر ہلایا۔

"اور وہ بھول گئیں کہ وہ تمہاری ساس اور نند ہی تھیں جن کی وجہ سے حذیفہ اور تم ہنی مون پر نہیں جا سکے تھے۔ حذیفہ کو جب میں نے کہا تھا کہ شادی کے بعد گھومنے پھرنے کہاں جا رہے ہو تو اس نے کیسے بے چارگی سے منہ لٹکا کر کہا تھا کہ آپا، رافعہ اور اماں کیسے اکیلے رہیں گی؟" ردا حذیفہ کی نقل اتار کر بولی۔

"ہاں تو آپا بھی تو میں کہہ رہی ہوں۔ حذیفہ کبھی مجھے الگ گھر لے کر نہیں دیں گے وہ یہی کہیں گے کہ اماں اور رافعہ کیسے اکیلی رہیں گی۔" ردا کا دل چاہ رہا تھا یا تو اپنا سر پھوڑ لے یا لائبہ کا۔

"ارے بابا تم میری بات کیوں نہیں سمجھ رہی ہو۔" ردا جھنجھلا گئی۔ اتنی محنت تو اسے ثوبیہ پر بھی نہیں کرنی پڑی تھی۔

"لائبہ تو بہت ہی بے وقوف ہے۔" اس نے تنگ آ کر کہا۔

"لیکن آپا.....؟" لائبہ نے کچھ کہنا چاہا۔

"بس اب کوئی لیکن ویکن نہیں۔" ردا نے ڈپٹ دیا۔

"غور سے سنو گھر میں بے سکونی کوئی مرد نہیں چاہتا ہر کوئی پرسکون ماحول چاہتا ہے۔ جس گھر میں بے سکونی ہوتی ہے وہاں سب سے زیادہ متاثر مرد ہوتا ہے۔ جب تمہاری اور آنٹی کی آپس میں نہیں بنے گی تو حذیفہ لازماً کچھ نہ کچھ سوچے گا جب تم الگ گھر کا مطالبہ کرو گی تو بے شک وہ اپنی ماں اور بہن کی وجہ سے الگ گھر نہیں لے کر دے گا مگر میری بات مان لو۔ وہ تمہیں اوپر والے پورشن میں شفٹ کر دے گا پھر تم سکون سے اپنی دنیا آباد کرنا۔ یہاں تو ایک کمرہ تم نے اپنے استعمال میں لیا ہوا ہے۔ اوپر کا سارا پورشن تمہارا ہو گا اور سب سے بڑی بات ہر مہینے حذیفہ اپنی تنخواہ تمہارے ہاتھ پر رکھے گا۔ پھر عیش کرنا عیش اور پھر جب تنخواہ تمہارے ہاتھ میں آئے گی تو بڑی بی کے حصے میں تو ظاہر ہے تھوڑا بہت پیسہ ہی جائے گا نہ۔" ردا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن آپا یہ کیسے ہو گا؟" لائبہ نے کھوئی کھوئی آواز میں پوچھا۔

"بس جیسا میں کہتی جاؤں ویسا ویسا کرتی جاؤ۔" ردا نے تیر نشانے پر لگتے دیکھا تو وہ بھی خوش ہو گئی۔

ردا کے کہنے سے سب سے پہلے لائبہ نے جو شام کی چائے بنائی تھی وہ بنانا چھوڑ دی۔ مقصد یہ تھا کہ شاہدہ بیگم بولیں گی مگر وہ بھی اللہ کی بندی ایسی نیک خاتون کہ لائبہ کو کچھ کہنے کی بجائے رافعہ سے کہہ کر چائے بنوانے لگیں۔ لائبہ کا دن کا زیادہ تر حصہ ردا سے فون پر باتیں کرتے گزرتا۔ وہ الٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتی اور لائبہ بغیر سوچے سمجھے کرتی جاتی۔ رافعہ بہت کوشش کرتی کہ لائبہ اس کے ساتھ بیٹھے، باتیں کرے، وہ اپنے کالج کی ڈھیروں باتیں کرے۔ چاہتی تو دل سے لائبہ بھی یہی تھی کہ رافعہ کے ساتھ ہنسی مذاق کرے اس کے ساتھ مل کر ٹی وی دیکھے مگر ردا کی طرف سے بہت سخت ہدایت تھی کہ رافعہ سے میل ملاپ نہیں بڑھانا۔ اس دن بھی رافعہ اور شاہدہ بیگم نے بہت زور دیا کہ ان کے ساتھ چلے وہ دونوں زاہدہ بیگم سے ملنے جا رہی تھیں کافی دنوں سے نہ وہ خود آئیں نہ شاہدہ بیگم گئیں تو رافعہ نے ماں کے ساتھ ان کے گھر جانے کا پروگرام بنا لیا۔ جب لائبہ کو چلنے کا کہا تو اس نے معذرت کر لی۔ ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی ردا کا فون آ گیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی ہانکنے کے بعد جب پتہ چلا کہ وہ دونوں ماں بیٹی اپنی بہن کے گھر گئی ہیں تو فوراً ہی ردا کے دماغ میں آئیڈیا آ گیا اور اس نے لائبہ کے نہ نہ کرنے کے باوجود اسے منا ہی لیا جو وہ چاہتی تھی۔

شاہدہ بیگم مغرب سے پہلے ہی آ گئی تھیں۔ انہوں نے کھانا وغیرہ تیار کر لیا۔ حذیفہ نے فون کر کے بتا دیا تھا کہ اسے آج دیر ہو جائے گی۔ رافعہ نے ٹیبل پر کھانا لگا دیا اور لائبہ کو بلانے اوپر آ گئی مگر لائبہ نے طبیعت خرابی کا بہانہ کر کے کھانے سے انکار کر دیا۔

رات تقریباً ساڑھے بارہ کا وقت تھا جب حذیفہ آیا۔ اس نے اپنے پاس موجود چابی سے دروازہ ان لاک کیا اور دبے قدموں اوپر آ گیا کہ کہیں ماں ڈسٹرب نہ ہو جائیں۔ اس نے بیڈ روم کا دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ لائبہ جاگ رہی تھی۔

"ارے..... سوئیں نہیں ابھی تک۔" وہ بریف کیس صوفے پر ڈال کر بیڈ پر آڑھا ترچھا لیٹ گیا۔ لائبہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں کے گرد لپیٹ رکھے تھے۔

"اف آج تو بہت تھک گیا۔" اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے لائبہ کی خاموشی کا احساس ہوا تو احساس ہوا تو اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

"کیا بات ہے لائبہ تم اتنی چپ کیوں ہو؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور جوتے اتار کر نیچے فرش پر ڈالے۔ اس نے لائبہ پر نظر ڈالی تو اسے اس کا چہرہ رویا رویا لگا۔

"لائبہ...... تم روئی ہو؟" وہ متفکر سا ہو کر اس کے قریب آ بیٹھا۔ لائبہ جو ہلکی ہلکی سسکیاں لے رہی تھی یکدم اس کے شانے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ اس کے یکدم رونے پر گھبرا گیا۔

"کیا بات ہے یار...... کیا ہوا ہے؟ کیا کسی نے کچھ کہا ہے؟" وہ پریشان ہو چکا تھا۔

"آج...... آج...... آنٹی اور...... رافعہ زاہدہ خالہ کے گھر گئے۔" وہ سسکیوں کے درمیان بولی۔

"پھر......؟"

"اور......اور...... مجھے پوچھا بھی نہیں۔"

"اوہ۔" اس نے گہری سانس خارج کی وہ پتہ نہیں کیا سمجھ بیٹھا تھا۔

"اوہو...... بھئی اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ تو شابہ بھابھی نے کوئی جھگڑا کھا کیا ہوگا اور امی حسب معمول صلح صفائی کروانے پہنچیں ہوں گی۔" اس نے لائبہ کے بہتے آنسو پونچھے۔

"اور...... اور مجھے کھانے کا بھی کسی نے نہیں پوچھا۔" لائبہ نے وار خالی جاتے دیکھا تو دوسرا طریقہ آزمایا۔

"دونوں نے کھانا کھایا اور مجھے پوچھا بھی نہیں...... حالانکہ میں نے دوپہر میں بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں امی کو اچھی ہی نہیں لگتی۔ اسی لیے تو نہ وہ مجھ سے بات کرتی ہیں نہ ہی رافعہ کو میرے پاس بیٹھنے دیتی ہیں۔" لائبہ نے دونوں ہتھیلیوں سے آنسو صاف کیے۔ حذیفہ ہکا بکا اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

یہ آج لائبہ کیسی باتیں کر رہی ہے۔ امی تو ایسی نہیں ہیں پھر۔ ضرور لائبہ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔

"اچھا میں امی سے بات کروں گا۔" اس نے اسے تسلی دینا چاہی۔

"نہیں...... نہیں۔" لائبہ تڑپ اٹھی۔

"ایسا غضب مت کیجیے گا وہ سمجھیں گی کہ میں نے آپ کے کان بھرے ہیں۔" وہ معصومیت سے بولی۔ حذیفہ کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا۔

"اچھا سنو کھانا تو میں نے بھی نہیں کھایا۔ تم ایسا کرو کھانا لگاؤ میں فریش ہو کر آتا ہوں۔" لائبہ آنسو صاف کرتی اٹھ گئی اور حذیفہ پریشان بیٹھا سوچتا رہا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ امی ایسا نہیں کر سکتیں، وہ گومگو کی کیفیت میں تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر بھی اس کا ذہن پریشان تھا۔ لائبہ سو چکی تھی جبکہ وہ سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے ہوا میں بکھیر رہا تھا۔

☆☆☆

پھر تو ایسا ہر دوسرے تیسرے دن ہونے لگا۔ وہ کوئی نہ کوئی بات حذیفہ کے کانوں میں انڈیلنے لگی۔

"مجھے جو ڈش پسند نہیں ہوتی امی وہ جان بوجھ کر بناتی ہیں۔" وہ معصومیت سے حذیفہ کے سامنے کہتی۔

"ارے بابا تو جو تمہیں پسند ہے وہ تم خود کیوں نہیں بناتیں۔ تم کب تک مہمان بن کر رہو گی؟" حذیفہ اسے چھیڑتا۔

"بس رہنے دیں۔" لائبہ نے سر جھٹکا۔

"کیا مطلب؟"

"امی چاہتی ہی نہیں ہیں کہ میں کچھ پکاؤں۔" وہ تلخ سے لہجے میں بولی۔

"لائبہ......" حذیفہ تیز آواز میں بولا۔ اسے لائبہ کا امی کے بارے میں اس طرح کہنا برا لگا تھا۔

"ہاں تو اور کیا...... جب بھی میں کچن میں جاتی ہوں وہ بڑے آرام سے سہولت سے مجھے باہر کا رستہ دکھاتی ہیں۔" لائبہ کو لگا کہ حذیفہ کو برا لگا تو اسے اور بھڑکا دیا۔

"لائبہ تم زیادتی کر رہی ہو۔" حذیفہ جو لیٹا ہوا تھا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"میں...... میں زیادتی کر رہی ہوں۔" لائبہ یکدم چلائی۔

"اور...... اور آپ کی امی جو میرے ساتھ کر رہی ہیں وہ کیا ہے؟" حذیفہ سے برداشت نہ ہوا اس کا ہاتھ اٹھ گیا اور لائبہ کے دائیں رخسار پر اس کی انگلیوں کے نشانات ثبت ہو گئے۔ تب ہی ڈور بیل بجی۔

"آئندہ میری ماں کے بارے میں بات کرنے سے پہلے سو دفعہ سوچنا۔" حذیفہ نے اسے انگلی اٹھا کر دکھا کر وارننگ دی۔ لائبہ حق دق بیٹھی تھی۔

"حذیفہ...... آپ نے...... مجھے تھپڑ مارا۔" وہ بے یقینی سے بولی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے لمحے میں فیصلہ کر لیا۔

"بس مجھے اپنے گھر جانا ہے...... ابھی۔" وہ مچل کر اٹھی۔ ڈور بیل پھر بجی۔

"لائبہ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔" حذیفہ بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں جاؤں گی۔" لائبہ ضدی لہجے میں بولی اور الماری کھول کر اپنے تین چار سوٹ نکال کر بیڈ پر پھینکے اور الماری پر رکھا خالی سوٹ کیس اٹھا کر بیڈ پر پٹخا۔

"آپ نے کیا سمجھا ہے میں لاوارث ہوں جو آپ کی مار پیٹ سہہ لوں گی۔" وہ بری طرح رو رہی تھی۔

"لائبہ تمہیں سنائی نہیں دیا...... تم کہیں نہیں جاؤ گی۔" حذیفہ دھاڑ کر بولا اور سوٹ کیس بیڈ سے اٹھا کر دور پھینک دیا۔ رافعہ اور شاہدہ بھی جھگڑے کی آواز سن کر بھاگی بھاگی اوپر آ گئیں۔

"کیا ہوا حذیفہ؟"

"جاؤں گی...... میں ضرور جاؤں گی...... میں آپ کو جا کر دکھاؤں گی۔" لائبہ پر جیسے جنون سوار ہو گیا۔ وہ سوٹ کیس اٹھا کر پھر کپڑے ٹھونسنے لگی۔

"ارے میں پوچھتی ہوں ہوا کیا ہے؟" شاہدہ بیگم پھولی پھولی سانسوں کے درمیاں بولیں۔

"دیکھیے...... آپ بھی تماشا دیکھیے۔" گریہ زاری کے باعث لائبہ سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔ وہ روتی بھی جا رہی تھی اور اپنا سامان سوٹ کیس میں ٹھونستی جا رہی تھی۔

"آپ نے سمجھا میرے سر پر ماں باپ نہیں ہیں تو آپ جو مرضی کریں گے...... لیکن یہ بھول ہے آپ کی...... ابھی میرے بھائی سلامت ہیں۔ وہ مجھے دو وقت کی روٹی دے سکتے ہیں۔" ڈور بیل مسلسل بج رہی تھی۔

"لیکن بھابھی ہوا کیا ہے؟" رافعہ آگے بڑھی۔

"پوچھو اپنے بھائی سے...... انہوں نے مارا ہے مجھے۔" وہ حلق کے بل چلائی۔

"حذیفہ۔" شاہدہ بیگم دکھ کے مارے بول بھی نہ پائیں۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ ان کا اتنا سمجھا ہوا بیٹا ایسی حرکت کرے گا۔ لائبہ نے سوٹ کیس اٹھا کر فرش پر رکھا اور اس کا اسٹریپ تھام کر دروازے کی طرف چلی۔

لائبہ۔ حذیفہ تحمل سے کام لیتا۔ لائبہ لمحے بھر کو سہم سی گئی مگر ردا کی نصیحت یاد آتے ہی پھر قدم آگے بڑھائے۔ ردا نے اسی طرح کرنے کو کہا تھا کہ کسی طرح سے کوئی جھگڑا نکال کر لڑ جھگڑ کر میکے واپس آجائے۔ پھر ہم سب حذیفہ پر مل کر دباؤ ڈالیں گے کہ تمہیں الگ گھر لے کر دیں۔ پھر حذیفہ مجبور ہو کر وسیم حسن کی طرح تمہیں الگ کر دے گا۔ لائبہ نے جیسے ہی قدم آگے بڑھائے حذیفہ نے اسے شانے سے پکڑ کر پیچھے دھکیلا۔

"میں نے کہا ہے نہ کہ تم کہیں نہیں جاؤ گی...... تمہیں سنائی نہیں دیا۔" اس نے اسے بیڈ کی طرف دھکا دیا۔ لائبہ بیڈ پر جا کر گری۔ شاہدہ بیگم ہیں ہیں کرتی ہوئی حذیفہ کی طرف بڑھیں

"کیا کر رہے ہو حذیفہ۔" وہ حذیفہ کو شانوں سے دبوچ کر پیچھے ہٹانا چاہ رہی تھی مگر اس دن انہی پتہ چلا کہ اولاد جوان ہو جائے تو ماں باپ کمزور ہو جاتے ہیں۔ وہ حذیفہ کو گھسیٹ کر باہر کی طرف لے کر چلیں۔

"تم نے اگر گھر سے باہر قدم بھی رکھا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" اب جو کسی نے ڈور بیل پر ہاتھ رکھا تو ہٹانا بھول گیا۔ ڈور بیل کی تیز آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی اوپر سے لائبہ ہذیانی انداز میں نجانے کیا کیا کہہ رہی تھی۔ رافعہ گھبرا گئی اور سب سے پہلے نیچے دروازہ کھولنے بھاگی۔ دروازہ کھولتے ہی رافعہ حق دق رہ گئی سامنے ردا اور ثوبیہ کھڑی تھیں۔

"کیا ہو رہا ہے گھر میں۔" ردا آگے بڑھی۔

"وہ ...... وہ...... دراصل۔" رافعہ کی سمجھ نہیں آئی کیا بتائے۔

"آپا...... یہ تو لائبہ کی آواز ہے۔" ثوبیہ نے متفکر ہو کر اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔

"ہائے اللہ جی...... کیا ہوا لائبہ کو۔" ردا نے رافعہ کی طرف دیکھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر دونوں بہنیں دھڑ دھڑ کرتی سیڑھیاں اوپر چڑھ گئیں۔ سامنے کا منظر دیکھ کر وہ دونوں ہکا بکا رہ گئیں۔

"ہائے میں مر گئی۔" ردا نے اپنے سینے پر زور سے ہاتھ مارا اور تیزی سے آگے بڑھی۔ لائبہ بیڈ پر اوندھی پڑی رو رہی تھی۔ شاہدہ بیگم اس کے پاس بیٹھی اس کے بالوں کو سہلا رہی تھیں۔ لائبہ نے تو ایسا کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ حذیفہ اسے تھپڑ مارے گا۔ توہین کا سلگتا ہوا احساس تھا جو اس کے رگ و پے میں سما گیا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"لائبہ...... میری بہن... کیا ہوا؟" ردا کی آواز سن کر لائبہ کا رونا یکدم بند ہوا۔ اپنے سامنے ردا اور ثوبیہ کو پا کر یکدم اسے احساس ہوا کہ وہ اکیلی نہیں ہے وہ یکایک اٹھی اور ردا کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ شاہدہ بیگم نے ماتھے پر آیا پسینہ دوپٹے سے صاف کیا۔

"آپا...... آپا...... حذیفہ...... نے مجھے مارا ہے۔" وہ اس کے گلے لگ کر زار و قطار رو رہی تھی۔ ثوبیہ اور ردا کی ملامتی نظریں سامنے کھڑے حذیفہ پر تھیں۔

"کیوں حذیفہ...... کیوں مارا ہے تم نے لائبہ کو؟" ردا کی کڑک دار آواز سن کر شاہدہ بیگم کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔

"تم بیٹھو ردا۔" انہوں نے یکدم کمزور سی آواز میں کچھ کہنا چاہا مگر نجانے شرمندگی کا اثر تھا یا ندامت کا کہ بات مکمل نہ کر سکیں۔ یکایک لائبہ نے روتے روتے سر اس کے کاندھے سے ہٹا دیا۔

"آپا مجھے لے چلو...... میں نے یہاں نہیں رہنا...... آپا چلو۔" اس کی آواز گریہ زاری سے پھٹ سی چکی تھی۔ ثوبیہ نے ادھر ادھر دیکھا وہاں لائبہ کا سوٹ کیس پڑا تھا اس کا مطلب ہے کہ لائبہ نے میکے جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ ثوبیہ نے آگے بڑھ کر سوٹ کیس تھام لیا۔ ردا مسلسل زہر اگل رہی تھی۔ ثوبیہ اس کا ساتھ متواتر دے رہی تھی۔ حذیفہ خاموش تھا۔ شاہدہ بیگم بھی چپ تھیں۔

"لائبہ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔" لائبہ کو اٹھتے دیکھ کر دفعتاً حذیفہ نے چلا کر کہا۔

"جاؤں گی...... میں جا کے دکھاؤں گی۔" لائبہ نے بھی چلا کر کہا۔

"ہاں ہاں...... جائے گی لائبہ۔" ثوبیہ بھی چلائی۔

"کسی میں دم ہے تو روک کر دکھائے۔ غضب خدا کا اپنی پھولوں جیسی بہن ہم نے اس لیے دی تھی کہ اسے جب چاہو مارو پیٹو اور کوئی پرسان حال نہ ہو۔" ردا نے لائبہ کو اٹھنے میں مدد دی۔

"لائبہ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میری مرضی کے بغیر تم کہیں نہیں جاؤ گی۔" حذیفہ نے اس کو شانے سے پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔

"جانے دو بیٹا۔" تب ہی کمزور سی آواز میں شاہدہ بیگم بولیں۔

"ابھی تم بھی غصے میں ہو...... وہ بھی ضد میں آگئی ہے۔" انہوں نے حذیفہ کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنا چاہا۔ ردا لائبہ کو لے کر دروازے کی طرف بڑھی۔

"بھابھی نہ جاؤ۔" اچانک رافعہ اندر آگئی۔

"بھائی کی بات مان لو بھابھی خدا کے لیے نہ جاؤ۔" مگر لائبہ نے تو جیسے سنا ہی نہیں تینوں بہنیں دروازے تک پہنچ چکی تھیں۔

"لائبہ......" لائبہ کو مسلسل آگے بڑھتے دیکھ کر حذیفہ پھر چلایا۔ لائبہ نے رکنا چاہا مگر ردا نے اسے آگے کو ٹھوکا دیا۔

"نہیں رہنا لائبہ نے ایسے بے قدروں میں جہاں اس کی قدر ہی نہ ہو۔" ثوبیہ آگے بڑھی۔

"نہ تم نے کیا سمجھا لاوارث ہے ہماری بہن...... نہ...... ابھی زندہ ہیں ہم...... چل لائبہ۔"

"لائبہ۔" حذیفہ نے پھر لائبہ کو پکارا۔

"لائبہ رک جاؤ۔" وہ چلایا۔

"لائبہ انجام کی ذمہ دار تم خود ہوگی اگر تم میری مرضی کے بغیر گھر سے گئیں۔" حذیفہ نے چلا کر کہا۔ شاہدہ بیگم کانپ گئیں۔ انہوں نے جلدی سے حذیفہ کا بازو تھاما۔ لائبہ نے گھبرا کر قدموں کو روکا مگر ثوبیہ اور ردا نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں سب ٹھیک رہنے کا اشارہ دیا اور بازو سے پکڑ کر آگے دھکیلا۔

"لائبہ! میرے گھر میں آنے کو ترسو گی، مگر آ نہیں سکو گی۔" حذیفہ کی غصے بھری آواز پر لائبہ تڑپ گئی۔

"آپا...... کہیں حذیفہ......" اس نے منمنا کر کچھ کہنا چاہا۔

"او چل تو کچھ نہیں کرتا حذیفہ ہم کیا مر گئے ہیں چل تو۔" ردا نے اسے بازو سے دبوچا اور آگے بڑھی۔

"بھابھی...... پلیز بھابھی۔" رافعہ کی منت سماجت بھی بے اثر جا رہی تھی۔

"بیٹا سنو تو...... رک جاؤ بیٹا۔" شاہدہ بیگم، رافعہ نیچے تک اسے روکنے پیچھے پیچھے آئے مگر ردا اور ثوبیہ کے آگے ان کی ایک نہ چلی۔ ثوبیہ نے ٹیکسی لی اور بڑے بھیا کے گھر روانہ ہوئے۔

☆☆☆

بڑے بھیا، چھوٹے بھیا، نوریہ بھابھی اور حمیرا بھابھی سب حق دق کھڑے تھے اور لائبہ گم صم سی تھی جبکہ ردا اور ثوبیہ لائبہ کے ساتھ بیتنے والا واقعہ خوب مرچ مصالحہ لگا کر سنا رہی تھیں۔

بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا کو یقین نہیں آرہا تھا کہ حذیفہ جیسا سلجھا ہوا لڑکا اپنی بیوی کو اتنی بری طرح مارتا پیٹتا ہے کہ لائبہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہوگئی۔ نوریہ بھابھی اور حمیرا بھابھی کچھ کچھ مشکوک ہورہی تھیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ثوبیہ کی شادی کے بعد بھی ایسے ہی وہ ناراض ہو کر آن بیٹھی تھی ماں کے در پر، اور پھر وقار احمد کو ثوبیہ کو الگ گھر لے کر دینا پڑا تھا۔ دونوں بھابھیوں نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ ردا کی زبان مسلسل قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ وہ مسلسل بھیا کو اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"لائبہ...... بیٹا کچھ بھی تھا تمہیں اس طرح گھر نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔" بڑے بھیا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی مسئلہ تھا تمہارے ساتھ تو ہمیں بتاتیں ہم تمہارے بڑے ہیں تمہاری ایک پکار پر تمہارے پاس پہنچتے۔" بڑے بھیا کی ہاں میں ہاں ملاتے چھوٹے بھیا بولے۔

"اچھا چلیں اب وہ آگئی ہے تو دو چار روز رہنے دیں۔ آپ ایک آدھ دن میں حذیفہ کی طرف چکر لگا لیجیے گا۔ چلو لائبہ اندر چلو آرام کرو۔" نوریہ بھابھی اسے اندر لے کر چلی گئیں جبکہ ردا اور ثوبیہ پیچ وتاب کھا رہی تھیں۔

"بھیا ابھی کوئی ضرورت نہیں ہے حذیفہ سے ملنے کی۔" ردا ایسی ہی تھی اپنے سے بڑے بھیا کو بھی اسی طرح ٹریٹ کرتی۔

"لائبہ کہیں نہیں جانے کی۔" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا، حذیفہ خود آئے گا سر کے بل چل کر۔

"سر کے بل چل کر۔" چھوٹے بھیا غصے سے بولے۔

"تمہارا دماغ خراب ہے وہ کیوں آنے لگا سر کے بل چل کر۔ بس میں کل ہی حذیفہ سے ملوں گا کیونکہ مجھے تو اس سارے معاملے میں ہی شک ہے۔ میں یقین کر ہی نہیں سکتا کہ حذیفہ اپنی بیوی کو اس طرح مار سکتا ہے جیسے تم بتا رہی ہو۔" حمیرا بھابھی کے کہنے کی دیر تھی کہ ردا کو پتنگ لگ گئے۔

"ہاں ہاں میں تو جھوٹ بول رہی ہوں ایک تم لوگ سچے ہو۔ میں ہی پاگل تھی کہ بہن کی حالت پر تڑپ کر اسے یہاں لے آئی۔ ارے پیٹنے دیتی اسے اس ظالم درندے کے ہاتھوں۔ ارے آج اگر ہماری ماں زندہ ہوتیں تو پھر میں دیکھتی کہ کیسے حذیفہ سے صلح کی باتیں ہوتیں۔ ارے بھابھی اگر لائبہ کی جگہ آپ کی بہنی ہوتی پھر تو....." ردا کی اونچی آواز گھر سے باہر جا رہی تھی۔

"اور بھیا آپ بھی سن لیں ابھی کوئی ضرورت نہیں ہے حذیفہ سے ملنے کی ہم کوئی گرے پڑے نہیں ہیں کہ حذیفہ کی جوتیوں میں جا کر بیٹھ جائیں۔ اب تو حذیفہ معافی مانگنے آئے گا تو کچھ سوچیں گے کہ کیا کرنا ہے۔" ثوبیہ نے دوٹوک لہجے میں بات ہی ختم کی۔

☆☆☆

حذیفہ کو گھر سے نکلے کافی دیر ہوگئی تھی۔ شاہدہ بیگم ہولتی پھر رہی تھیں۔ رافعہ الگ پریشان تھی۔ شاہدہ بیگم نے سمجھا بجھا کر رافعہ کو سونے کے لیے اس کے کمرے میں بھیج دیا اور خود حذیفہ کے انتظار میں جاگنے لگیں۔

رات بھیگتی جارہی تھی مگر حذیفہ نہیں آیا تھا۔ آخر وہ اپنے کمرے میں آگئیں اور وضو کر کے جائے نماز پھیلائے اللہ سے دعا مانگنے لگیں۔ رات کا اختتامی سفر جاری تھا جب ان کی سجدے میں آنکھ لگ گئی۔ نجانے کیا وقت تھا جب ان کی آنکھ کھلی۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔ جائے نماز تہہ کر کے ایک طرف رکھی اور حذیفہ کے کمرے کی جانب بڑھیں۔ کمرے کی لائٹ بند تھی۔ انہوں نے دروازہ کھول دیا۔ حذیفہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔

"نجانے کہاں ہے میرا بچہ؟" انہوں نے آنکھوں میں اچانک امڈ آنے والے آنسو دوپٹے سے صاف کیے اور دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں آگئیں پھر کچھ خیال آنے پر چھت کی طرف بڑھیں۔

☆☆☆

چاند کی آخری تاریخیں تھیں۔ چاند نجانے کہاں غائب تھا۔ تاریکی سی تاریکی تھی۔ جھینگروں کے بولنے کی آوازیں رات کے ماحول کا حصہ بنی ہوئی تھیں۔ شاہدہ بیگم زینے کے اوپر پہنچ گئیں تھیں اب ان کی متلاشی نظریں ادھر ادھر کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔ تب ہی منڈیر کے ساتھ انہیں کوئی ہیولہ سا نظر آیا اور یکدم ان کے بے قرار دل کو قرار سا آگیا وہ بے اختیار آگے بڑھیں۔

"حذیفہ۔" انہوں نے پکارا۔

"حذیفہ..... حذیفہ۔" حذیفہ منڈیر کے ساتھ فرش پر بیٹھا تھا۔ وہ وہیں اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

"حذیفہ میرے بچے۔" انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما۔ یکایک حذیفہ نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"امی! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب لائبہ میرے گھر میں کبھی نہیں آئے گی۔" شاہدہ بیگم کانپ گئیں۔

"نہیں بیٹا۔" انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔

"نہیں امی۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید بولنے سے روکا۔

"اب نہیں..... اب لائبہ رہے اپنے بھائیوں کے گھر۔" اس کے لہجے میں نجانے کیا تھا کہ وہ لرز گئیں۔

"نہیں میرے بچے..... نہ ایسا نہیں کہتے۔"

"نہیں امی فیصلہ ہوگیا...... اور اگر......"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اگر کیا؟" حذیفہ کو ماں کی کانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہوگیا۔

"اگر کیا حذیفہ؟" انہوں نے اپنی آواز کو مضبوط لہجے میں سمونے کی کوشش کی۔

"اگر یہ امی کہ لائبہ چاہے تو میں اسے طلاق......" اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔ شاہدہ بیگم نے اسے شانے سے تھام کر اپنی طرف گھمایا اور الٹے ہاتھ کا زوردار تھپڑ رسید کیا۔ حذیفہ کا چہرہ اس غیر متوقع تھپڑ سے گھوم گیا۔ اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

"تم ایسا کچھ نہیں کروگے۔" شاہدہ بیگم کی آواز رات کے سناٹے میں گونجی۔

"سنا تم نے...... تم ایسا کچھ نہیں کروگے۔" انہوں نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا اور اسے ایک طرف دھکیل کر خود واپسی کے لیے زینے کی طرف بڑھیں۔

"لائبہ کو لینے اس گھر سے کوئی نہیں جائے

گا۔" وہ آخری سیڑھی پر تھیں جب انہیں حذیفہ کی آواز سنائی دی۔ وہ اپنی جگہ پر سن سی کھڑی رہ گئیں۔ حذیفہ سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آیا اور ماں کے پاس سے گزرتا چلا گیا۔

"میں جاؤں گی اسے لینے۔" حذیفہ کا ہینڈل گھماتا ہاتھ رک سا گیا جب اچانک اس کے کانوں میں شاہدہ بیگم کی آواز سنائی دی۔

"ہرگز نہیں...... آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی۔ جس عورت کے لیے شوہر کی عزت کوئی معنی نہ رکھتی ہو اس کا اپنے بھائیوں کے گھر رہنا ہی بہتر......" حذیفہ نے جیسے انگارے چبائے۔ اسے اپنی توہین یاد آگئی۔ لائبہ کو اس نے کتنا روکا تھا مگر لائبہ نہیں رکی۔ اگر وہ چاہتی تو رک سکتی تھی۔ ردا اور ثوبیہ نے اسے کتنا برا بھلا کہا تھا۔ گھر جا کر بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا کے سامنے ردا اور ثوبیہ نے کیسا تماشا لگایا ہوگا۔ توہین کا ایسا احساس تھا جو حذیفہ کو کسی کل چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل کی دراز سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور گہرا کش لیا۔ ذرا دیر میں ہی اس نے سگریٹ کا دھواں اگلا۔ یکا یک غصہ پھر عود کر آگیا۔

"لائبہ۔" اس نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا اور مٹھیاں بھینچ لیں۔

"جس گھر کو ٹھوکر مار کر نکلی ہو اب ناک رگڑ کر بھی معافی مانگو گی تو پھر اس دہلیز میں داخل نہیں ہوسکو گی۔" اس نے گلدان اٹھا کر دیوار پر دے مارا۔

☆☆☆

اگلے دن رافعہ کالج سے آئی تو شاہدہ بیگم اسے ساتھ لے کر لائبہ کو لینے پہنچیں۔ بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا دونوں گھر نہیں تھے۔ بھابھیاں خوش ہوگئیں کہ چلو شکر ہے خود ہی لینے آگئیں ورنہ حمیرا بھابھی تو رات سے پریشان تھیں کہ لائبہ ردا اور ثوبیہ اپنے گھروں کو رات کو ہی چلی گئیں تھیں۔ بھابھیاں چاہ رہی تھیں لائبہ جلد از جلد یہاں سے جائے۔ مگر برا ہو کہ عین موقع پر ردا آموجود ہوئی۔ اس نے نہ بھابھیوں کی چلنے دی نہ لائبہ کی مرضی پوچھی اس نے شاہدہ بیگم کے وہ لتے لیے کہ وہ بے چاری شریف عورت شرم کے مارے زمین میں گڑنے والی ہوگئیں۔ رافعہ سے اپنی ماں کی توہین برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ ردا نے جھگڑے کے دوران جتا دیا کہ حذیفہ خود آئے اور سب سے معافی مانگے اور لائبہ کو الگ گھر لے کر دے۔ شاہدہ بیگم نے بہت کوشش کی مگر ردا کے آگے ایک نہ چلی۔ وہ ناکام واپس آگئیں۔ رافعہ گھر میں آتے ہی اپنے کمرے میں جا کر بیڈ پر گر کر رونے لگی۔

حذیفہ کو پتہ چلا کہ ماں لائبہ کو لینے گئی تھیں مگر انہوں نے لائبہ کو بھیجنے سے انکار کر دیا تو اس کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے سختی سے آئندہ وہاں جانے سے منع کیا۔

"امی اگر آپ اب دوبارہ وہاں گئیں تو پھر میں وہ کر گزروں گا جو آپ کی سوچ بھی نہیں ہوگی۔" شاہدہ بیگم کانپ گئیں اس کے لہجے کی گھن گرج سے۔

"اور تم نے کیا رونا دھونا ڈال رکھا ہے گھر میں۔" رافعہ جو وہیں بیٹھی سسک رہی تھی اسے دیکھ کر حذیفہ کو غصہ آگیا۔

"چلو چائے بناؤ جا کر...... لائبہ لائبہ لگائی ہوئی ہے ہر وقت۔" رافعہ سسکیاں لیتی ہوئی وہاں سے اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

بڑے بھیا نے حذیفہ سے مل کر صلح صفائی کی کوشش کرنی چاہی مگر ردا اور ثوبیہ نے لائبہ کو اتنا

بھڑکایا ہوا تھا کہ اس نے ردا کے کہنے میں آکر بھیا کو صاف کہہ دیا کہ حذیفہ اگر اس سے معافی مانگے گا تو وہ جائے گی اور حذیفہ اسے علیحدہ گھر لے کر دے اور یہ دونوں شرطیں ہی حذیفہ کے لیے ناقابل قبول تھیں۔ ردا اور ثوبیہ اپنے اپنے گھروں میں تھیں۔ مضطرب تھی تو صرف لائبہ۔ اسے پنکی اور سمکی کے ساتھ روم شیئر کرنا پڑ رہا تھا۔ اس نے ردا کے کہنے میں آکر بڑے بھیا کو کہہ تو دیا تھا کہ حذیفہ اسے لینے آئے اور علیحدہ گھر لے کر دے مگر درحقیقت وہ بہت بے سکون تھی۔ ہر آہٹ پر چونک اٹھتی تھی۔ ہر ڈور بیل پر مضطرب ہو کر اس کی نظریں دروازے پر اٹھتیں۔ ردا اور ثوبیہ پرامید تھیں کہ حذیفہ جلد ہی گھٹنے ٹیک دے گا اور لائبہ کو الگ کر کے گھر نہ سہی اوپر والے پورشن میں ہی شفٹ کر دے گا مگر حذیفہ تو جیسے بالکل ہی انجان بن گیا تھا۔ جیسے جیسے دن گزر رہے تھے لائبہ کے دل میں پچھتاوے سے لگ رہے تھے۔ بھائیوں کی ملامتی نظریں، بھابھیوں کے مذاق ہی مذاق میں طنز میں ڈوبے ہوئے نشتر اس کے دل پر چرکے سے لگا رہے تھے۔ بڑے بھیا کافی عرصے سے باہر جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک ہی ایجنٹ نے ان کو خوشخبری سنائی۔ ابوظہبی کا ویزہ لگا تھا۔ بس آناً فاناً جانا تھا۔ انہوں نے راتوں رات انتظامات مکمل کیے۔ انہوں نے گھریلو معاملات منجھلے بھیا کو سونپے اور خود تین سال کے ایگریمنٹ پر ابوظہبی سدھارے۔ جس وقت بھیا گئے لائبہ ان سے لپٹ کر زار و قطار روئی۔ ردا اور ثوبیہ اسے سنبھال رہی تھیں پھر بھیا اسے تسلیاں اور دلاسے دیتے ہوئے رخصت ہوئے۔

بھیا کے جانے کے بعد لائبہ پہلے تو خوب روئی پھر نجانے اسے کیا ہوا وہ خوب چیخیں مار مار کر روئی۔ انس بھتیجا جو دوسرے کمرے میں بیٹھا اپنے امتحان کی تیاری کر رہا تھا بدحواس سا ہو کر بھاگا ہوا آیا۔

"پھپھو...... پھپھو کیا ہوا؟" وہ حواس باختہ ہوگیا۔

"انس...... انس۔" لائبہ سے بات بھی نہیں ہو رہی تھی۔ لائبہ کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔

"پھپھو...... پھپھو ہوش میں آئیں۔" لائبہ چیخیں مارتے مارتے یکدم چپ ہوئی اور کٹے شہتیر کی مانند فرش پر گر گئی۔ انس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے جیب سے موبائل نکال کر کان سے لگایا۔

"ہیلو...... پاپا۔"

"ہاں جی۔"

"جلدی گھر آئیے...... پھپھو بے ہوش ہوگئی ہیں۔" دوسری جانب سے نجانے کیا کہا گیا کہ اس نے فون آف کر کے دوسرا فون ڈاکٹر کو ملایا۔ دوسری طرف ردا ابھی راستے میں تھی بڑے بھیا نے اسے وہیں سے واپس بھیجا۔ ڈاکٹر کے آنے سے پہلے ردا پہنچ گئی۔ اس نے لائبہ کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تب ہی ڈاکٹر آگیا۔ ردا بھی پریشان تھی وہ اس کی ہتھیلیاں مل رہی تھی۔ ڈاکٹر معائنے سے فارغ ہو کر دوائیں لکھ رہا تھا۔

"لگتا ہے انہوں نے کوئی ٹینشن لی ہے جو ان کی کنڈیشن ہے اس میں ٹینشن لینا خطرناک ہے انہیں خوش رکھیں، اچھی غذا دیں، پریشانی سے بچائیں ورنہ ماں اور بچے دونوں کے لیے خطرہ ہے۔"

"جی...... ہیں......" ردا ہکا بکا ڈاکٹر کا منہ دیکھ رہی تھی۔

انس ڈاکٹر کو فارغ کرنے چلا گیا۔ لائبہ

ہوش میں آچکی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ یہ کیسی خوشی اسے ملی ہے کہ اس کا دل ایک انجانے بوجھ سے دبا جارہا ہے۔

"لائبہ......" ردا نے اسے آنکھیں کھولتے دیکھا تو لپک کر اس کے سرہانے بیٹھ گئی۔ اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپا......" لائبہ کی آواز لرز رہی تھی۔ لائبہ اس کا ہاتھ تھام کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

بڑے بھیا کے جانے کے بعد تو رویہ بھابی کا رویہ سب سے کافی بدل گیا تھا۔ وہ جیسے خود کو سب کے معاملات سے الگ تھلگ کر چکی تھیں۔ شجی بھیا بھی پریشان تھے لائبہ کو لے کر۔ وہ اور حمیرا بھابی دونوں حذیفہ کے گھر ملنے گئے تھے۔ مگر حذیفہ گھر نہیں تھا۔ وہ دونوں انتظار کرتے رہے تب ہی رافعہ نے اپنے کمرے میں آکر حذیفہ کو فون کرکے گھر آنے کو کہا مگر حمیرا بھابی اور شرجیل بھیا کے بارے میں سن کر حذیفہ کچھ دیر خاموش ہوا پھر انتہائی سرد لہجے میں اس نے جو کہا وہ سن کر رافعہ دھک سے رہ گئی۔

"رافعہ میری بزنس میٹنگ ہے جو رات دیر گئے تک جاری رہے گی تم شجی بھیا سے معذرت کر لو۔"

"مگر بھیا...... بھائی...... سنو تو......" مگر حذیفہ فون آف کر چکا تھا۔ وہ فون رکھ کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کمرے میں آئی۔

شجی بھیا اور حمیرا بھابی جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ نجانے حمیرا بھابی نے کیا کہا تھا کہ امی کے چہرے سے انجانی سی روشنی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ شرجیل بھیا اور حمیرا بھابی کے جانے کے بعد اماں دروازہ بند کرکے آئیں اور آتے ہی رافعہ کے کمرے کی طرف بڑھی۔

"اری رافعہ...... رافعہ۔"

"جی امی کیا ہوا؟" رافعہ پلنگ کی چادر تبدیل کر رہی تھی۔

"اری...... تو پھپھو بننے والی ہے۔" انہوں نے جاتے ہی رافعہ کو لپٹا لیا۔

"ہیں امی...... کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" وہ حق دق تھی۔

"اری ہاں...... میں دادی بننے والی ہوں اور ہاں میں نے کہہ دیا ہے شرجیل سے میں اب اپنی بہو کو میکے میں نہیں رہنے دوں گی بس کل ہم دونوں چلیں گے لائبہ کو لینے۔" فرط مسرت سے ان کے چہرے پر کتنی مقدس سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"مگر امی وہ...... بھائی۔" رافعہ کو حذیفہ کا لہجہ یاد آ گیا۔

"آنے دے حذیفہ کو...... پھر بات کرتے ہیں۔ چل اب حذیفہ کو فون لگا اسے میں خوشخبری سناؤں۔" شاہدہ بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ حذیفہ تک اڑ کر پہنچ جائیں۔ رافعہ بار بار کوشش کر رہی تھی مگر حذیفہ نے فون آف کیا ہوا تھا۔

☆☆☆

"امی نے یہ کیسی خبر سنائی ہے؟" حذیفہ کے لبوں میں دبا سگریٹ سلگ رہا تھا۔ ایک انجانی سی مسرت اس کے روم روم میں اترتی چلی گئی تھی جب امی نے اسے خوش خبری سنائی۔ مگر خوشی کا یہ احساس ذرا دیر کا ہی تھا جب اسے لائبہ کا اس کے گھر سے جانا یاد آیا۔

"رک جاؤ لائبہ......" اسے اپنی ہی پکار سنائی دی۔

"لائبہ انجام کی ذمہ دار تم خود ہوگی اگر تم میری مرضی کے بغیر گھر سے گئیں تو۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا سگریٹ اس نے ایش ٹرے میں مسل دیا۔

"امی اسے لانے کا کہہ رہی ہیں۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"لائبہ میرے گھر آنے کو ترس جاؤ گی مگر آنہیں سکو گی۔" اسے آس پاس سے ہی اپنے ہی کہے ہوئے لفظوں کی بازگشت سنائی دی۔

"تو کیا لائبہ اتنی آسانی سے آجائے گی۔" اس نے سوچا۔

"اور جو میری عزت افزائی ردا اور ثوبیہ نے کی......" وہ وہ باہر بالکونی میں نکل گیا۔

"پورے محلے نے تماشا دیکھا۔" غصے کی ایک تیز لہر اس کے اندر اٹھی۔

"نہیں لائبہ نہیں۔" حذیفہ نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ میری عزت اتنی ارزاں ہے کہ تم جب چاہو اس کا تماشا لگاؤ۔ مجھے بھرے مجمع میں رسوا کرو۔ جب چاہو، میرا گھر چھوڑ کر چلی جاؤ، جب چاہو واپس آجاؤ...... نہیں ہرگز نہیں۔ میں امی سے کہہ دوں گا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں لانے کی۔" ایک بے چینی، بے قراری تھی جس نے اس کے وجود کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ وہ سونے کی کوشش کر رہا تھا مگر سو نہیں پا رہا تھا۔

"اس سارے کھیل میں میرے بچے کا کیا قصور؟" اس نے اٹھ کر دوبارہ سگریٹ سلگا لیا اور گہرا کش لیا۔

"ہاں کیا قصور ہے ایک ننھی جان کا۔" اس نے دھواں ہوا میں اگلا اس کے چاروں طرف دھوئیں کے مرغولے سے بن گئے۔ وہ ساری رات ایک لمحہ بھی نہیں سو سکا۔

صبح جب وہ ناشتے کی ٹیبل پر آیا تو اس کی سرخ آنکھیں اس بات کی غماز تھیں کہ اس نے رات بغیر سوئے گزاری ہے۔

"ہاں بیٹا پھر کیا سوچا ہے تم نے؟ لائبہ کو جا کر لے آؤں میں؟" شاہدہ بیگم آس و امید کے جگنو مٹھی میں دبائے اس کے پاس چلی آئیں۔

"ہاں بھائی امی ٹھیک کہہ رہی ہیں اب بھابی کا وہاں رہنا مناسب نہیں۔" رافعہ بھی کالج سے چھٹی کر چکی تھی۔

"ٹھیک ہے امی۔" وہ چائے پیے بغیر اٹھ گیا۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔"

"بیٹا چائے تو پی لو...... ناشتہ تو کر لو۔" وہ پکارتی رہ گئیں مگر وہ جا چکا تھا۔

☆☆☆

"بے وقوف اب تو آیا ہے حذیفہ مٹھی میں۔" ثوبیہ اس کے پاس بیٹھی نئی پٹیاں پڑھا رہی تھیں اور وہ ہونقوں کی طرح اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔

"اب دیکھنا کیسے سر کے بل چلتا ہوا آتا ہے۔" ردا نے پلیٹ میں کٹے ہوئے سیب کھاتے ہوئے کہا جو کاٹے تو لائبہ کے لیے تھے۔ مگر انصاف خود کر رہی تھی۔

"چھلئے...... یہی تو وہ موقع ہے جب تو کوئی بھی شرط منوا سکتی ہے۔ بے وقوف اولاد میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ اولاد کی خاطر تو انسان حرام حلال میں فرق بھول جاتا ہے۔ یہاں تو بات ہی ذرا سی ہے۔" ردا کی رفتار سیب کھانے کی جب بڑھی تو ثوبیہ نے ٹوکا۔

"اب اسے بھی کچھ کھلا دو یا سارا خود ہی کھانا ہے۔"

"نہیں آپا میرا دل نہیں کر رہا۔ کھائیں آپ۔" لائبہ بیزاری سے بولی۔

"آپا سنو۔" وہ اب کے لجاجت سے بولی۔

"ہاں...... کیا؟" دونوں بہنیں اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"آپا مجھے اپنے گھر جانا ہے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"ہاں تو اور کیا..... تجھے تیرے گھر ہی بھیجا ہے ہم نے کیا تیرا اچار ڈالنا ہے؟ بس ذرا حذیفہ کو تو آنے دے۔" ردا نے ثوبیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ...... ہاں آپا بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" ثوبیہ جلدی سے بولی۔

"لیکن آپا اگر حذیفہ مجھے لینے نہیں بھی آئے تو خیر ہے..... میں خود ہی چلی جاتی ہوں۔"

"پاگل ہوگئی ہے...... ساری زندگی حذیفہ طعنے دے گا کہ بڑی کروفر سے بہنیں لے کر گئی تھیں اب دو دن رکھ بھی نہیں سکتی۔"

"ہاں لائبہ اب بات ہماری عزت کی ہے حذیفہ خود آئے تمہیں لینے کے لیے تب ہماری بچتی ہے ورنہ بڑی کرکری ہوگی ہماری۔" ثوبیہ نے گویا بات ہی ختم کردی۔ دونوں بہنیں شام تک اپنے اپنے گھروں کو جاچکی تھیں۔

"ہائے امی...... آپ اتنی جلدی کیوں چلی گئیں۔" لائبہ کا دل کررہا تھا کہ خوب روئے۔ تب ہی انس آگیا۔

"پھپھو امی کو بخار ہورہا ہے۔ وہ کہہ رہی ہیں ذرا کچن دیکھ لینا اور ہاں..... کھانا بھی پکا لیں۔"

"لیکن میری تو اپنی طبیعت خراب ہے۔" وہ روہانسی سی ہوگئی مگر انس جاچکا تھا۔ اس نے کچن کا آکر جائزہ لیا۔ کچن یہاں سے وہاں تک پھیلا پڑا تھا۔ برتنوں کے ریک پر کوئی برتن دھلا ہوا نہیں تھا۔ سنک میں جھوٹے برتنوں کا ڈھیر تھا۔ ڈائننگ ٹیبل پر دوپہر کے کھانے کے برتن بکھرے پڑے تھے اسے بے اختیار حذیفہ کے گھر کا صاف ستھرا کچن یاد آگیا۔ جہاں وہ اگر ہفتوں کام کو ہاتھ نہیں لگاتی تھی تو شاہدہ بیگم اور رافعہ بھولے سے بھی زبان پر کوئی شکوہ نہیں لاتی تھیں۔ کھانا جب ٹیبل پر لگ جاتا تھا تو رافعہ اسے کھانے کے لیے بلانے اوپر اس کے کمرے میں آجاتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کی سسکیاں نکل رہی تھیں۔ اس نے پھیلاوہ سمیٹنا شروع کیا۔ برتن دھونے میں ہی وہ ہلکان ہوگئی۔ تب ہی پنکی آگئی۔

"پھپھو پلیز ایک کپ چائے بنا دیں میرے سر میں درد ہورہا ہے۔" وہ چاول صاف کررہی تھی۔

"پنکی خود بنا لو میری اپنی طبیعت خراب ہے۔" وہ چاول دھونے لگی۔

"پھپھو پلیز بنا دیں میرے سر میں قسم سے بہت درد ہے...... آپ بنالیں میں تھوڑی دیر میں آکر لے جاؤں گی۔" پنکی اپنی بات کہہ کر وہاں سے چلی بھی گئی، چائے بنا کر چاول پکائے۔ سب نے کھانا کھایا پھر سنک برتنوں سے بھر گیا۔ پنکی اور سمکی دونوں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ لائبہ بھی کھانا کھا کر سونے چلی گئی۔ کچن اسی طرح پھیلا پڑا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح لائبہ کی آنکھ حمیرا بھابھی کے مسلسل بولنے پر کھلی۔ نجانے کیا ہوا ہے۔ وہ اٹھ کر بالوں کو لپیٹ کر پاؤں میں چپلیں ڈالیں اور کمرے سے نکلی۔ آوازیں کچن سے آرہی تھیں وہ وہیں آگئی۔ حمیرا بھابھی بڑبڑا رہی تھیں۔

"ایک دن کا آرام میسر نہیں... ارے اگر کہہ ہی دیا کہ ذرا کچن دیکھ لو تو مجال ہے کہ پورا کام کردے...... ارے غضب خدا کا سارا کچن پھیلا پڑا ہے۔" لائبہ جانے کیوں چور سی بن گئی۔ وہ بیزار سی باہر صحن میں لگے جامن کے درخت کے نیچے بچھی چارپائی پر آبیٹھی۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے تھے۔

اسے وہاں بیٹھے نجانے کتنی دیر ہوگئی تھی مگر کسی نے نہ اس سے کھانے کا پوچھا تھا نہ ہی اندر آنے کو کہا۔ وہ اجنبیوں کی طرح دوپہر تک چارپائی پر بیٹھی رہی۔ اس نے اپنے گھٹنوں کے گرد ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ نوریہ بھابھی بڑے بھیا کے جانے کے بعد ایسی لاتعلق ہوئی تھیں کہ اپنے کمرے میں ہی رہتی تھیں۔ کھانا پکانا تو دونوں بھائیوں کا الگ پہلے ہی تھا۔ اب بھابھی بھیا کے جانے کے بعد جو دکھاوے کو دنیاداری نبھاتی تھیں اب وہ بھی ختم ہوگیا تھا۔ وہ ہوتی تھیں اور ان کا پورشن وہ اپنے چاروں بچوں کو بھی حمیرا بھابھی کے پورشن میں آنے نہیں دیتی تھیں۔

بھوک سے بے حال ہوکر لائبہ صحن سے اٹھ کر کچن میں آگئی کچن صاف ستھرا پڑا تھا۔ لائبہ نے فریج میں سے دودھ نکال کر چائے بنائی اور ڈبل روٹی کے سلائس لے کر اپنے کمرے میں آگئی۔ سلائس ذرا سا لیتے ہی اس کے معدے میں گرہیں سی پڑیں اور ابکائی سی آگئی۔ سلائس واپس پلیٹ میں رکھ کر واش روم میں بھاگی۔ تب ہی ردا آگئی۔ وہ اس کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی۔ دوائیں پھل وغیرہ بھی لے کر دیے۔ دونوں بہنیں ابھی واپس آئی ہی تھیں کہ شاہدہ بیگم اور رافعہ کے آنے کی اطلاع ملی۔ لائبہ کا خوشی سے برا حال ہوگیا۔

"آپا..... میں اپنی پیکنگ کرلوں۔" وہ خوشی سے بے قابو ہوکر بولی۔

"ہاں ہاں کرلے اور سن ابھی تو ان کے سامنے نہ آنا مجھے خود بات کرنے دے جب میں ان سے بات کرلوں پھر تجھے آواز دیتی ہوں۔" ردا نے اسے سمجھایا۔

"لیکن آپا...... بات کیسی وہ مجھے لینے آئی ہیں اور میں نے جانا ہے۔" لائبہ کو سمجھ نہ آیا کہ وہ کمرے میں کیوں بیٹھے۔

"او بے وقوف تجھے ہم لائے تھے حذیفہ نے ہاتھ اٹھایا ہے تجھ پر یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کل کلاں کو اس نے پھر ایسا کیا...... ہیں...... بول..... پھر کیا ہوگا؟" لائبہ نے سر ہلایا۔

"مجھے بات کرلینے دے ہم نے شادی کی ہے تیری کوئی بیچا نہیں ہے تجھے تو بیٹھ میں بات کرتی ہوں جاکر۔" ردا کو تو ویسے بھی کمال حاصل تھا چرب زبانی میں۔ لائبہ کو بیٹھا کر جو وہ گئی تو آدھ گھنٹہ گزر گیا۔ مگر ردا واپس نہ آئی آخر ہمت کرکے خود ڈرائنگ روم میں آئی۔ سارا ڈرائنگ روم خالی پڑا تھا۔ وہ دھک سے رہ گئی۔

"ردا آپا......" وہ بے اختیار پکاری۔

"ردا آپا......" وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر ٹی وی لاؤنج میں آئی۔

"پھپھو... بڑی پھپھو تو چلی گئیں۔" پنکی اپنے کمرے سے نکلی۔

"کیا...... کب؟" وہ کرسی کا سہارا لے کر بیٹھی۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا۔

"پتہ نہیں شاہدہ آنٹی اور رافعہ آپی کے جانے کے بعد وہ بھی پیچھے پیچھے نکل گئیں۔" اس کے جگنو اس کی مٹھی میں دبے دبے پسینے سے بھیگ کر دم توڑنے کو تھے

"اور..... اور شاہدہ آنٹی اور رافعہ تو مجھے لینے آئی تھیں۔" اسے اپنی آواز گہرے کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔

"جی آئی تھیں۔" پنکی نے ریموٹ سے ٹی وی آن کیا۔

"مگر پھپھو نے کہا کہ اگر حذیفہ انکل آکر

معافی مانگیں گے تو وہ آپ کو واپس بھیجیں گی اور آپ کو الگ گھر لے کر دیں۔" لائبہ کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔

"اف خدایا...... یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟" وہ بے دم سی ہو کر وہیں کرسی پر ڈھے سی گئی۔

☆☆☆

ردا نے صرف اپنے مطالبات بدتمیزی سے پیش کیے تھے بلکہ شاہدہ بیگم کی بے عزتی بھی کی تھی۔ ساتھ ہی حذیفہ پر الزام لگایا کہ ان کی بہن کو مار پیٹ تشدد کا نشانہ بناتا ہے اور خرچہ بھی نہیں دیتا۔ شاہدہ بیگم نے بہت منت سماجت کی مگر جتنی ان کی شرافت اور عاجزی بڑھ رہی تھی اتنی ہی ردا اکڑ رہی تھی۔ یہی وجہ تھی شاہدہ بیگم اور رافعہ مایوس لوٹی تھیں۔

حذیفہ پر امید تھا کہ گھر جائے گا تو لائبہ آئی ہوئی ہوگی۔ مگر جب اسے ساری بات پتہ چلی تو اس کا غصے سے برا حال ہو گیا۔

"بس امی...... بس ...... اب بس۔" وہ یکدم اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب لائبہ رہے وہاں ...... ہمیشہ کے لیے...... اب اگر آپ وہاں گئیں تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔" اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ساری دنیا کو آگ لگا دے۔

"یااللہ میرے گھر کی خوشیوں کو کس کی نظر لگ گئی؟" شاہدہ بیگم کے آنسو اب ہر وقت آنکھوں میں رہنے لگے تھے۔

☆☆☆

جیسے جیسے دن گزرتے جا رہے تھے لائبہ کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ بڑے بھیا ابوظہبی میں جا کر نجانے کس پریشانی میں گھر گئے تھے کہ انہوں نے نوریہ بھابھی کو چار ماہ گزر جانے کے بعد بھی کوئی خرچہ نہیں بھیجا تھا۔ لہٰذا نوریہ بھابھی کچھ عرصہ تک تو تنگی ترسی سے گزارا کرتی رہیں آخر ایک دن اپنا پورشن بند کر کے اپنے بھائی کے گھر چلی گئیں۔ حمیرا بھابھی اب گھر کی کرتا دھرتا تھیں۔ نجی بھیا صبح کے گئے شام کو آتے تھے۔ انس گریجویشن کے بعد ایل ایل بی کے پہلے سال میں تھا۔ پنکی اور سنکی بالترتیب میٹرک اور انٹر میں تھیں۔ حمیرا بھابھی شروع سے ہی نجی بھیا پر حاوی تھیں اب جب بڑے بھیا منظر سے ہٹے تو حمیرا بھابھی اپنی من مانیوں پر اتر آئیں۔ آہستہ آہستہ وہ لائبہ کے پیچھے پیچھے پڑ گئیں۔ گھر کے کاموں میں انہوں نے اسے بری طرح پھنسا دیا۔ وہ ایک کام کر کے ہٹتیں تو دوسرا کام تیار ہوتا۔ ساتھ ساتھ طنز اور مذاق ہی مذاق میں وہ وہ باتیں کہہ جاتیں جو لائبہ کے سر سے لگتی اور تلوے پر بجھتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لائبہ کی اکثر حمیرا بھابھی سے تو تو، میں میں رہنے لگی۔ لائبہ تنگ آ چکی تھی۔ اس نے ردا سے چھپ کر کتنی بار حذیفہ کو فون کیا مگر وہ اس کی آواز سن کر ہی فون کاٹ دیتا۔

اس دن ردا گھر آئی تو لائبہ کپڑے دھو رہی تھی۔ ردا تو حمیرا بھابھی کے پیچھے پڑ گئی کہ اس کی حالت دیکھو اور اس سے کتنا کام لینا ہے۔ جواب میں حمیرا بھی سارا لحاظ بھول گئی اور اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ "اتنا ہی درد بہن کا تو اسے تم اپنے گھر لے جاؤ۔"

"ہاں ہاں ...... لے جاؤں گی کوئی بھاری نہیں ہے مجھے لے جا رہی ہوں...... چل لائبہ اٹھ جب اب یہاں نہیں رہنا۔" ردا نے کڑک کر کہا۔

"لیکن آپا میں......"

"کوئی لیکن ویکن نہیں...... اٹھ جلدی۔" ردا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالے۔ لائبہ

نہ کرتی رہ گئی اور ردا نے اس کی ایک نہ سنی اور اس کا سامان پیک کروا کر اپنے گھر لے آئی۔

"یااللہ پاک...... مجھے دربدر ہونے سے بچا۔" لائبہ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

☆☆☆

ردا کے گھر میں سب کچھ تھا سوائے سکون کے۔ اسے حکم چلانے کی عادت تھی۔ وسیم حسن کو بھی اس نے اپنے رعب میں رکھا ہوا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر فساد کھڑا کر دیتی۔ ردا نے کچھ دنوں تک تو لائبہ کا خیال رکھا پھر رفتہ رفتہ غیر محسوس طریقے سے گھر کا بوجھ لائبہ پر آنے لگا۔ وہ کام کر کر کے ہلکان ہو جاتی جبکہ ردا کے پاس باہر پھرنے کے بہانے بڑے تھے۔ صبح جاتی تو شام کی خبر لاتی۔ ایسے میں اس کے تین بچے ادھم مچا کر رکھتے۔ ردا گھر نہ ہوتی تو وسیم حسن بھی شیر ہوتے۔ وہ جو ردا کی موجودگی میں بھیگی بلی بنے رہتے تھے اس کے گھر میں نہ ہونے پر گویا کھل کر سانس لیتے۔ اب تو کچھ دنوں سے لائبہ ان کے انداز میں ایک بے باکانہ انداز محسوس کر رہی تھی۔ ردا کے ہوتے ہوئے وہ لائبہ سے کافی فاصلے سے بات کرتے البتہ جب ردا گھر نہ ہوتی تو وہ اپنے دکھڑے رونے اس کے پاس آ بیٹھتے۔ کچھ دنوں سے لائبہ کو نجانے ان کے انداز سے ڈر کیوں لگنے لگا تھا۔

"حذیفہ تم کب لینے آؤ گے مجھے؟" وہ ایسے میں دل ہی دل میں حذیفہ کو پکارتی مگر حذیفہ تو اسے بالکل ہی بھول گیا تھا۔ وہ ردا کے گھر میں بھی مجبوروں کی سی زندگی گزار رہی تھی۔ اکثر اس کی دوائیں ختم ہو جاتیں اور کئی کئی دن وہ جھجک کی وجہ سے ردا کو کہہ ہی نہ پاتی۔ اوپر سے حذیفہ کو فون کر کر کے تھک گئی تھی وہ اٹھاتا ہی نہیں تھا۔ اب وہ کوستی تھی اس وقت کو جب ردا اور ثوبیہ کے لینے سے گھر چھوڑا تھا۔ اب لائبہ دن رات دعا کرتی تھی کہ کسی طرح کوئی معجزہ ہو جائے اور وہ اپنے گھر جائے۔ چھوٹے بھیا کے گھر سے انس تھا جو اس کی خیر خبر رکھتا تھا۔

☆☆☆

شام آہستہ آہستہ رات کے اندھیرے میں بدلتی جا رہی تھی۔ ردا اور ثوبیہ دونوں ایک سالگرہ میں گئے ہوئے تھے۔ بچے بھی ساتھ تھے۔ لائبہ گھر میں اکیلی تھی۔ اکیلے گھر میں اسے ہول آ رہے تھے۔ تب ہی ڈور بیل بجی۔ اس کی جان میں جان آئی۔

"شکر ہے آپا آ گئیں۔" وہ چپلیں گھسیٹتی ہوئیں دروازے کی طرف بڑھی۔

"اتنی دیر کر دی آپ نے؟" دروازہ کھولتے ہی وہ بے دھیانی میں بولی۔ مگر سامنے نظر پڑتے ہی ہکا بکا رہ گئی۔ ردا کی جگہ سامنے وسیم حسن کھڑے تھے۔ اس کی بات سے جانے کیا سمجھے ان کے چہرے پر حیرت اور پھر مسکراہٹ نے احاطہ کر لیا۔

"وہ ...... وہ وسیم بھائی...... میں سمجھی آپا ہیں۔" وہ گھبرا کر پیچھے ہوئی۔

"اچھا...... اچھا۔" وہ گویا اور خوش ہو گئے۔

"ردا...... گھر نہیں ہے؟" پتہ نہیں ان کی بات کا کیا مطلب تھا۔ آیا انہوں نے پوچھا تھا یا لائبہ کے منہ سے ردا کے نہ ہونے کا سن کر خوش ہوئے تھے۔ لائبہ اندر چلی گئی۔

"ایک کپ چائے بنا دو لائبہ۔" اسے اندر جاتا دیکھ کر وسیم حسن نے آواز لگائی۔

"جی اچھا۔" اس کے لہجے کے انداز سے وہ گھبرا سی گئی۔ اس نے جلدی سے چولہے پر چائے کا پانی رکھا اور چولہے کے پاس ہی کھڑی

ہو گئی۔ اچانک اس کی نظر دروازے پر پڑی۔ دروازے پر وسیم حسن کو ایستادہ پایا۔ اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

"حذیفہ نے تمہاری قدر نہیں کی۔" وہ سینے پر بازو باندھے محویت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"وسیم بائی...... آپ چلیں میں چائے لاتی ہوں۔" وہ اٹک اٹک کر بولی۔

"ویسے...... حذیفہ کی کمی تم محسوس تو کرتی ہو گی۔" وسیم نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

"جی...... میں سمجھی نہیں؟" اس نے تھوک نگلا۔

"ویسے ہم دونوں ہی بے قدروں میں گھر گئے...... ہیں نہ؟" لائبہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اس کے لب کپکپا کر رہ گئے۔

"بن گئی چائے؟" وسیم حسن دو قدم آگے آ گئے۔

"جی...... جی۔" اس نے جلدی سے کپ میں چائے انڈیلی اور کاؤنٹر پر رکھ دی۔

"صرف ایک کپ بنائی ہے؟"۔

"جی......" وہ دانستہ کمر موڑ کر کھڑی ہو گئی۔ پسینہ اس کی ہتھیلیوں کو بھگو گیا تھا۔

"یار کم از کم چائے تو میرے ساتھ پی سکتی ہو...... اب چائے پینے کا بھی مزہ نہیں آئے گا۔" وسیم نے چائے واپس کاؤنٹر پر رکھ دی۔

"ویسے لائبہ...... جب سے تم اس گھر میں آئی ہو یہ گھر بھی گھر لگنے لگا ہے ورنہ تو اکثر ردا اور بچے گھر نہیں ہوتے میں اکیلا گھر میں ہوتا ہوں۔" وسیم آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے بالکل پاس آ گئے۔ اسے ان سے خوف محسوس ہوا۔

"میری تو اب دعا ہے کہ......"

"کہ...... تم ہمیشہ یہیں رہ جاؤ۔" ان کے لہجے کی خواہش کی محسوس کر کے لائبہ کے اوسان خطا ہو گئے۔

"تم بیٹھو آج میں تمہیں اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پلاتا ہوں۔" وسیم حسن کے انداز سے لائبہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔

"میں...... میں...... وسیم بھائی...... ابھی آتی ہوں۔" وہ تیزی سے کچن سے نکلی اور اس کے جی میں جانے کیا سمائی وہ کچن سے نکل کر برآمدے میں آ گئی۔ کچھ دیر وہ کھڑی رہی پھر اس پر ایسی وحشت طاری ہوئی کہ اس نے ایک بار پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وسیم حسن اس کے پیچھے پیچھے کچن سے نکل آئے تھے۔ لائبہ گھبرا گئی۔ اس نے باہر کے دروازے کا رخ کیا۔

"لائبہ...... لائبہ۔" وسیم حسن نے اسے پکارا۔ مگر لائبہ نے ایک نہیں سنی۔ وسیم حسن اسے پکارتے آگے تک آئے۔ پھر رک گئے اور جیب سے موبائل نکال کر نمبر ملایا۔

"ہاں......" ذرا دیر بعد ہی بولے۔

"وہ نکل گئی ہے...... تم تیار رہو...... ہاں یار...... پتہ نہیں میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہو گی...... ہاں ہاں...... ٹھیک ہے...... چلو پھر ٹھیک ہے۔" وسیم حسن نے فون بند کر دیا۔

"سوری لائبہ۔" وہ زیر لب بڑبڑائے۔

☆☆☆

لائبہ تیز تیز قدموں سے چلتی چلی جا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ پیچھے مڑ کر دیکھتی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ وہ مسلسل روتی جا رہی تھی۔ گھر چھوڑنا اسے بہت مہنگا پڑا تھا۔ تب ہی زن سے ایک موٹر سائیکل اس کے پاس آ کر رکی۔ موٹر سائیکل کے بریک زوردار آواز سے چرچرائے۔ لائبہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ موٹر سائیکل سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ موٹر سائیکل سوار تیزی سے موٹر سائیکل سے اترا اور لائبہ کو سہارا دینا چاہا۔ لائبہ نے اس کے چھوتے ہی ایک اور چیخ ماری۔

"چھوڑو...... بچاؤ۔" لائبہ نے ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔

"پھپھو...... پھپھو۔" موٹر سائیکل سوار اسے سنبھالتے ہوئے بولا۔

"پھپھو۔" لائبہ نے ہراساں نظروں سے اسے دیکھا۔ دھندلائی ہوئی نظروں نے سامنے کھڑے نوجوان کو پہچاننا چاہا شناسائی کا تاثر ابھرا اس کے سامنے انس کھڑا تھا۔

"پھپھو میں انس ہوں۔"

"انس...... انس۔" وہ انس کو دیکھ کر بے قابو ہو گئی۔

"انس۔"

"پھپھو...... حوصلہ رکھو میں ہوں...... انس۔" انس نے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

"کہاں جا رہی ہیں؟"

"رو کیوں رہی ہیں؟" اس نے لائبہ کے آنسو پونچھے۔

"پھپھو...... گھبراؤ نہیں...... میں ہوں نہ مجھے بتاؤ۔" انس اسے لے کر موٹر سائیکل کی طرف بڑھا۔

"چلو آؤ...... بیٹھو۔"

"پھپھو...... بیٹھو۔" لائبہ کے بیٹھتے ہی اس نے کک لگائی اور زن سے موٹر سائیکل سڑک پر لے آیا۔ لائبہ کی سسکیاں ابھی بھی جاری تھیں وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ تھوڑی دیر بعد انس نے موٹر سائیکل روک دی۔ لائبہ ہونقوں کی طرح بیٹھی تھی۔

"پھپھو...... اتریں۔" اسے انس کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی معمول کی طرح اتر آئی۔ اس کی نظریں زمین پر گڑی ہوئی تھیں۔ انس نے موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی کر کے لاک کی۔

"آیئے......" وہ اسے سہارا دے کر آگے چلا۔ وہ اس کے ساتھ نظریں جھکائے چلتی جا رہی تھی۔ انس نے دروازے پر بیل دی۔ لائبہ کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ ذرا دیر بعد ہی دروازہ کھل گیا۔

"بھابھی۔" کس نے حیرت سے چیخ ماری۔ لائبہ جو حواسوں میں نہیں تھی کہ بھابھی کا لفظ سن کر چونکی۔ سامنے رافعہ کھڑی تھی۔ لائبہ نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ وہ حذیفہ کے گھر کے باہر کھڑی تھی۔

"انس......" لائبہ نے انس کو حیرت سے دیکھا۔ انس نے مسکرا کر اسے دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔

"گھر...... یہی ہے آپ کا گھر...... اپنا گھر۔" انس کی بات پر لائبہ کی آنکھوں میں گرم گرم آنسو پھر بھر گئے۔

"چلیے......" وہ اب کے کچھ ہچکچائی۔

"مگر حذیفہ......؟" انس مسکرایا۔

"وہ دیکھیے۔" اس نے کھلے دروازے سے اندر کی طرف اشارہ کیا۔ سامنے کا راستہ گلاب کے پھولوں کی پتیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ لائبہ حق دق تھی۔ تب ہی انس نے اس کے شانوں کے گرد اپنا بازو لپیٹا اور اسے لے کر آگے بڑھا۔

"آگے بڑھیں...... اور اپنے حصے کی خوشیاں سمیٹیں۔" اس نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"مگر حذیفہ...... مجھے اپنے گھر میں نہیں آنے دیں گے۔" اس نے بھی سرگوشی میں جواب دیے۔

"اچھا۔" اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"وہ دیکھو پھپھو۔" انس نے سامنے انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے سامنے دیکھا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ سامنے حذیفہ کھڑا تھا جس جگہ پھولوں کا رستہ ختم ہو رہا تھا۔ حذیفہ کے ساتھ شاہدہ بیگم بھی محبت سے مسکراتی ہوئی اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی۔ شاہدہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر اسے یقین دلایا۔ اس نے انس کی طرف دیکھا۔ انس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"پھپھو...... بھول گئیں آج آپ کی شادی کی سالگرہ ہے۔"

"ہیں......" وہ حیران ہوئی اور سامنے دیکھا۔ یکایک شاہدہ بیگم نے اپنے بازو پھیلا دیئے۔ لائبہ کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔ وہ کچھ دیر کھڑی رہی پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی پھولوں کا راستہ عبور کرنے لگی۔ شاہدہ بیگم کے پاس جا کر وہ یکایک ان کے قدموں میں گر گئی۔

"امی...... مجھے معاف کر دیں۔" وہ زارو قطار رو رہی تھی۔

"امی معاف کر دیں...... صرف ایک بار معاف کر دیں۔"

"ارے...... رے...... بیٹا اٹھو" انہوں نے اسے نیچے سے اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ ان کے سینے سے لگتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔" وہ اس کی کمر سہلا رہی تھیں۔

"یہ گھر تمہارا ہے بیٹا...... اسے جیسا مرضی سنوارو...... سجاؤ۔" وہ اب اس کے آنسو صاف کر رہی تھیں۔

"امی آپ کو پتہ ہے میں کتنی اکیلی ہو گئی ہوں۔"

"نہیں بیٹا ہم سب ہیں نہ تمہارے۔"

"اور حذیفہ؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"حذیفہ کی جرأت ہے تمہیں کچھ کہے؟" شاہدہ بیگم نے محبت سے اس کی پیشانی چومی۔ تب ہی انس بھی وہیں آ گیا۔ حذیفہ نے انس کو گلے لگا لیا۔

"تھینک یو یار...... تمہارے ساتھ کے بغیر لائبہ کا میرے گھر واپس آنا ممکن نہیں تھا۔" وہ ممنونیت سے بولا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں پھپھو جی؟" انس مسکرایا۔

"ویسے اصل کریکٹر کا پتہ کریں وہ کب تک پہنچ رہے ہیں۔"

"ہاں میں نے فون کیا ہے بس پہنچنے والے ہیں۔" حذیفہ کی بات پر لائبہ چونکی وہ ہونقوں کی طرح دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ نجانے کس کی بات ہو رہی تھی۔ اس نے شاہدہ بیگم کو دیکھا انہوں نے اسے خود سے لپٹا لیا۔

"تمہیں واپس لانے کے لیے بڑے پاپڑ بیلے ہیں بیٹا ان لوگوں نے۔"

"جی۔" وہ حیران ہوئی۔

"لیکن امی...... حذیفہ تو میرے فون پر رسپانس ہی نہیں دیتے تھے۔ میں جب بھی فون کرتی تھی یہ فون کاٹ دیتے تھے۔"

"وہ اس لیے سزا تا کہ تمہیں احساس تو ہو کہ عورت کا اصل گھر اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے۔" حذیفہ اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

"حذیفہ آپ بھی مجھے معاف کر دیں۔" اس کی آنکھیں یکدم ہی پانیوں سے بھر گئیں۔

"مجھے آپا کے کہنے میں آ کر گھر نہیں چھوڑنا

چاہیے تھا۔"

"اور تم بھی مجھے معاف کر دو لائبہ مجھے تم پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔" حذیفہ نے ندامت سے کہا۔

تب ہی ڈور بیل بجی۔ انس نے دروازہ کھولا تو وسیم حسن تھے ان کے ہاتھ میں بہت سارے شاپنگ بیگ تھے۔ وسیم حسن کو دیکھتے ہی لائبہ کی جان نکل گئی۔

"حذیفہ۔" یکایک لائبہ نے حذیفہ کا ہاتھ تھام لیا۔ حذیفہ نے محسوس کیا کہ اس کا ہاتھ پسینے میں بھیگا ہوا ہے۔ وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔

"ریلیکس...... لائبہ...... ریلیکس۔" حذیفہ نے اس کی ہمت بندھائی۔

"حذیفہ... حذیفہ... وسیم بھائی...... وسیم بھائی...... کی وجہ سے۔" وہ رو پڑی۔ وسیم حسن اتنی دیر میں قریب آ چکے تھے۔

"آپ کیوں آئے ہیں یہاں؟" یکایک لائبہ چیخی۔

"یار دیکھ میں کہہ رہا تھا نہ...... کہ لائبہ...... میرے بارے میں نجانے کیا کیا سوچ رہی ہوگی۔" وسیم حسن انس کو مسکراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"رافعہ...... رافعہ۔" وسیم حسن نے رافعہ کو آواز دی۔ رافعہ نجانے کہاں تھی ذرا دیر بعد بھاگتی ہوئی آ گئی۔

"چلو بھئی یہ سامان نکالو آج سالگرہ ہے لائبہ تمہاری شادی کی اور میں نے حذیفہ سے کہا تھا کہ اس یادگار دن لائبہ تمہارے گھر میں ہوگی۔" وہ حیرانی سے سب کا منہ دیکھ رہی تھی۔

"چلیں پھپھو...... اندر چلیں کیک کاٹیں...... قسم سے آدھے گھنٹے سے سڑک پر آپ کے انتظار میں کھڑا تھا۔" انس نے لائبہ کا ہاتھ تھاما اور سب اندر کی طرف چلے۔ لائبہ حق دق تھی پورا گھر سجا ہوا تھا۔ خوابناک سا ماحول۔ اندر ڈائننگ ٹیبل پر کیک پر موم بتیاں جل رہی تھیں۔

"چلو لائبہ کیک کاٹو۔" شاہدہ بیگم نے لائبہ کے ہاتھ میں چھری تھمائی۔

"چلو حذیفہ...... لائبہ کے ساتھ مل کر کیک کاٹو اللہ تم دونوں کو ہمیشہ سدا ہنستا مسکراتا شاد آباد رکھے۔" وسیم بھائی نے حذیفہ کو ہاتھ پکڑ کر آگے کھینچا۔ لائبہ نے ڈرتے ڈرتے وسیم بھائی کو بے یقینی سے دیکھا۔ وسیم حسن مسکرا پڑے۔ انہوں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

"بعض اوقات کوئی سبق سمجھ میں نہ آ رہا ہو...... تو پریکٹیکل سے اچھی طرح سمجھ آ جاتا ہے...... بس ایک ایسا ہی پریکٹیکل تمہارے لیے ضروری تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ تجربہ کامیاب رہا۔ چلو شاباش کیک کاٹو۔" انہوں نے لائبہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ لائبہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ مگر اب آنسوؤں کی نوعیت بدل گئی تھی۔ اب خوشی کے آنسو تھے۔

"چلو بھئی جلدی سے کیک کاٹو...... ابھی تو وسیم پھوپھا نے بڑی پھپھو کی عدالت بھی بھگتنی ہے۔" انس نے باآواز بلند نعرہ لگایا۔ سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ لائبہ نے بے حد مطمئن ہو کر حذیفہ کے ساتھ مل کر کیک کاٹا۔

کیک کا پیس کاٹ کر حذیفہ نے ہاتھ میں اٹھایا۔

"سب سے پہلا کیک کا حقدار وسیم بھائی ہیں۔ انہی کے دم سے ہمارے گھر کی خوشیاں واپس لوٹی ہیں۔" سب ہنس رہے تھے لائبہ نے چاروں طرف گھر پر نہایت محبت سے نظر ڈالی۔

"گھر... پیارا...... گھر۔" اس نے صوفے پر بیٹھ کر سکون سے آنکھیں میچ لیں۔ شاہدہ بیگم اس کے برابر آ بیٹھیں اس نے ان کی طرف دیکھا اور محبت سے ان سے لپٹ گئی۔

☆☆☆

"میں وسیم حسن ہوں۔ ارے رے رے...... میرا نام سنتے ہی برا سا منہ نہ بنائیں۔ پہلے سن تو لیں۔ مجھ جیسے لوگ جو ذرا شریف قسم کے ہوتے ہیں عام طور پر لوگ انہیں جورو کا غلام، زن مرید کہتے ہیں۔ ردا نے جب مجھے الگ گھر لینے کے لیے کہا تو میں نے اس کا یہ مطالبہ اس لیے مان لیا کہ میرے ماں باپ اکیلے نہیں تھے۔ ان کی خدمت کرنے کے لیے مریم بھابھی موجود تھی۔ بڑے بھائی صاحب ہر دم ان کے ساتھ تھے۔ میرے لیے گھر چھوڑنا آسان تھا کیونکہ میں مرد تھا مگر لائبہ...... جب میں نے لائبہ کو دربدر دیکھا تو ردا کو درپردہ سمجھایا کہ اسے اس کے گھر چھوڑ کر آؤ مگر آپ تو جانتے ہیں ردا کو... پھر میں ردا سے چوری حذیفہ سے ملا تو مجھے پتہ لگا کہ بات تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ایک طرف ضد ہے تو دوسری طرف انا... پھر میں نے انس کو اپنے ساتھ ملایا۔ وہ بھی پریشان تھا لائبہ کی دربدری پر یہ تو حقیقت تھی کہ حذیفہ ماں بہن کو اکیلا کیسے چھوڑتا۔ پھر حذیفہ سے میں نے کہا کہ میں لائبہ کو تمہارے گھر لاؤں گا۔ بس مجھے لائبہ کو یہ سمجھانا تھا کہ اس کے لیے محفوظ پناہ گاہ صرف اس کے شوہر کا گھر ہے باقی سب جگہ وہ غیر محفوظ ہے چاہے وہ اس کی بہن کا گھر ہی کیوں نہ ہو۔ پھر اتفاق سے ردا اور بچے سالگرہ میں گئے تو میں نے سوچا کہ موقع اچھا ہے اتفاق سے حذیفہ اور لائبہ کی شادی کو سال ہو رہا تھا بس پھر انس کی مدد سے میں نے لائبہ کے لیے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ اسے محفوظ گھر صرف اس کے شوہر کا نظر آیا۔ اب آپ ہی بتایئے کیا میں نے غلط کیا؟"

☆☆☆

اک جہاں اور بھی ہے

پہلی قسط کا خلاصہ

عبدالہادی، ماضی کا اک معروف ادیب اور مصور رہ چکا ہے، وہ اپنے بیٹے ہالار سے دور اپنے شہر حیدر آباد واپس جا رہا ہے، جہاں راستے میں ٹرین کے سفر میں اسے اپنے جیسا ایک شخص مل جاتا ہے جو اسے اس کی بقیہ عمر آٹھ ماہ دس دن بتاتا ہے اور ٹرین سے اترنے کے بعد غائب ہو جاتا ہے۔

امرت، اپنی ماں، سوتیلے باپ کے ساتھ رہتی ہے، اسے مالی پریشانی کا سامنا ہے، تب ہی اسے ادبی بورڈ میں جاب کی آفر آتی ہے، جس پر اس کی ماں بے حد خوش ہے جبکہ باپ اس کی شادی کا خواہاں ہے، سوتیلے بھائی عدنان کا رویہ ان سب کے ساتھ بہت برا ہے، علی گوہر ایک ہمدرد نوجوان ہے، وہ جنگل میں ایک لڑکی اور عمر رسیدہ خاتون کی خیریت معلوم کرنے جاتا ہے اور وہیں سے اسے پتہ چلتا ہے کہ عمر رسیدہ خاتون کے بال کالے ہو رہے ہیں اور دانت نئے آ رہے ہیں جبکہ خاتون کی عمر ایک سو بیس سال کے نزدیک ہے۔

دوسری قسط

اب آپ آگے پڑھیے
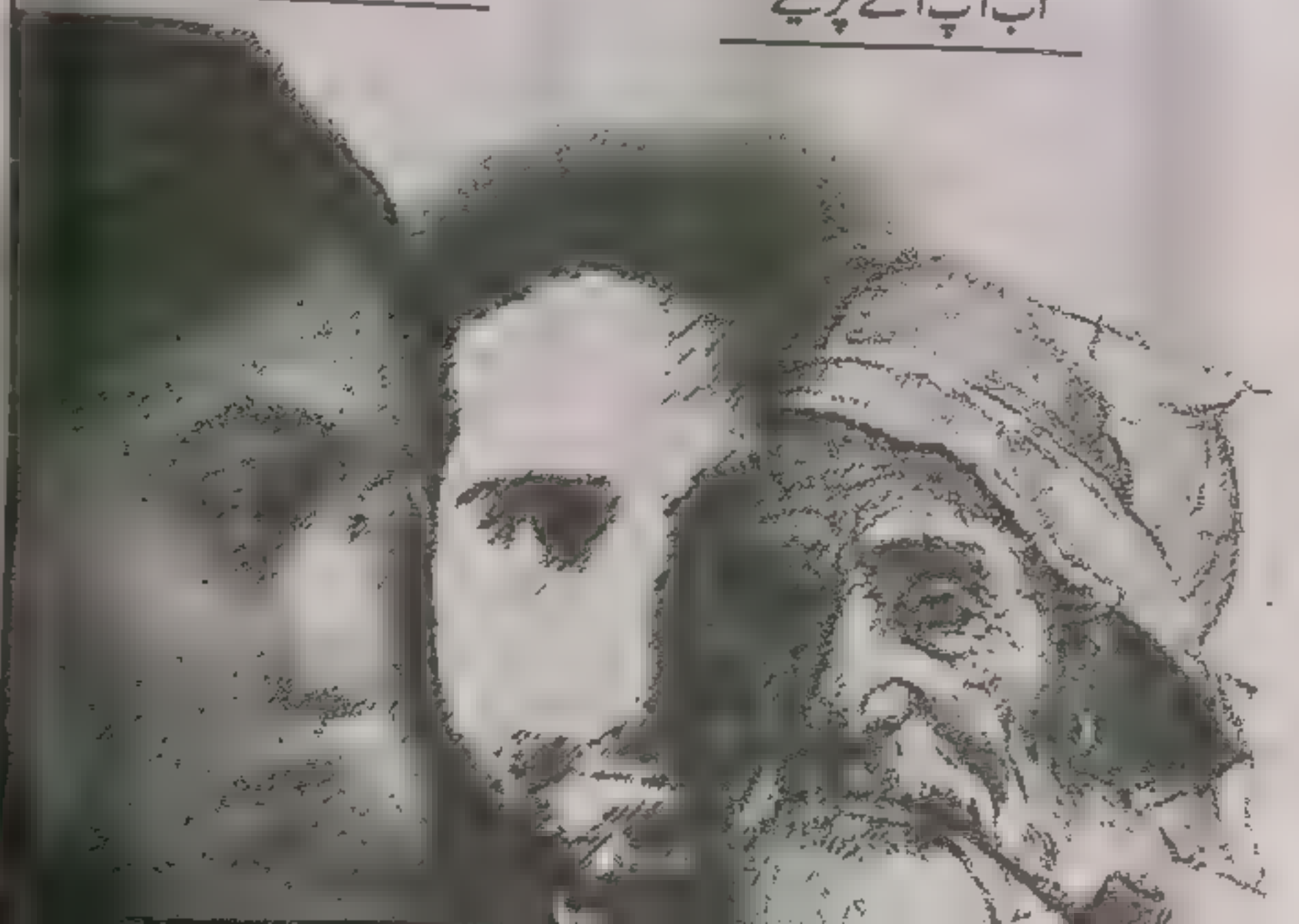
یہ اس کا پہلا دن تھا، اس نے اندر آتے ہوئے اطراف میں نگاہ دوڑائی، سامنے والے کمرے کا آدھا دروازہ کھلا ہوا تھا جہاں بچوں کے میگ کا کام ہوتا ہے، مس یاسمین اور دیگر ایک دو خواتین خوش گپیوں میں مگن تھیں اور ان کے ہنسنے کی آواز باہر تک آ رہی تھی، اسے عجیب سا لگا، سیکرٹری کے روم کا دروازہ بھی پورا کھلا تھا اور وہ بڑے زور شور سے سیل فون پر کسی سے گپ شپ میں مگن تھا، وہ سیدھی چلتی ہوئی اپنے روم کی طرف آئی، جس کا دروازہ بند تھا اس نے ایک دفعہ ناک کیا پھر کوئی بھی رسپانس نہ ملنے پر جب دروازے کو دھکیلا تو کھلتا ہی چلا گیا، اس روم کی ساری ٹیبلیں خالی تھیں، اس نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی وہ پورے وقت پر آئی تھی، نہ وقت سے پہلے نہ بعد میں مگر یہاں کوئی موجود نہیں تھا، اس نے ٹھنڈا سانس بھرا اور اپنی کرسی سنبھالی، پورے دس منٹ وہ کمرے کے کیلنڈر سے لے کر کونے میں رکھے ڈسٹ بن تک جائزہ لیتی رہی۔

یہاں بہت ساری چیزیں تبدیل کرنے کی ضرورت تھی، کیلنڈر کے صفحے سے لے کر ردی کی ٹوکری تک، ساری چیزیں مس فٹ تھیں، اس نے سب سے پہلے کیلنڈر کا صفحہ پلٹا، نئے ماہ کو شروع ہوئے ہفتہ ہونے کو آ رہا تھا اور یہاں ابھی تک پرانا ملتھ کا ہی لگا تھا، اس بے توجہی کو وہ کیا نام دیتی، ایک تو یہ بھی تھا کہ کیلنڈر اور گھڑی دونوں غلط جگہ لگے تھے، اس نے سامنے والی دیوار پر یہ دو چیزیں لگائیں اور وہ بڑی سی پینٹنگ دوسری دیوار پر جہاں اندر آنے والے کی نظر تو اس خوبصورت پینٹنگ پر ضرور پڑتی مگر کام کرنے والوں کی بیک پر تھی جبکہ گھڑی اور کیلنڈر اس نے اس طرح فٹ کیا تھا کہ کام کرنے والوں کی سیدھی نظر ان دو چیزوں پر پڑتی، اس نے ایک نظر سر اونچا کر کے کمرے کی چھت کا جائزہ لیا جہاں کونوں میں جالے پڑے ہوئے تھے اور پنکھے کے پر گرد آلود تھے، اسے حیرت ہوئی یہاں صفائی کرنے والا کیا کام کر کے جاتا ہے، یا شاید یہاں کام کرنے والے کبھی نظر اٹھا کر اوپر دیکھتے ہی نہیں ہوں گے، اسے کچھ کوفت سی ہوئی، وہ بیگ وہیں رکھ کر باہر آئی اور اردگرد کا جائزہ لیا، یہاں سے نکلنے کے بعد کمپوزیشن کا سیکشن تھا، اس نے کمپیوٹر پہ مصروف ایک آدمی کو اپنی طرف متوجہ پا کر صفائی کرنے والے کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ تو جا چکا ہے، سو وہ واپس کمرے میں آ گئی، کچھ سوچ بچار کے بعد وہ پھر باہر آ گئی تھی اور اسی بندے کے پاس جا کر اس نے مسئلہ بیان کیا، وہ اس کے ساتھ کمرے میں آیا تھا اس نے اپنی جیب سے ایک رومال نکالا تھا اور میز پر چڑھ کر جالے اتارنے لگا، پھر دوسرا کونہ جہاں امرت نے اسے کرسی پیش کی، پھر تیسرا اور پھر اسی طرح چوتھا کونہ اور اب وہ سینٹر پر کھڑا پنکھا صاف کر رہا تھا، نیچے اترنے کے بعد اس نے دیکھا کہ اس بیچارے کی عینک پر کافی مٹی گری ہوئی ہے، اس کے لئے اس نے اپنے پرس سے ٹشو نکال کر پیش کیے، کیونکہ وہ رومال تو اب اس قابل رہا نہیں تھا کہ اس سے کچھ اور صاف کیا جاتا، اس نے اپنی عینک صاف کی تھی، شرٹ پہ گری گرد جھاڑی اور وہ الٹا مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا جس نے یہ دھیان دلایا، اس نے مزید ہیلپ کی درخواست کرتے ہوئے اسے تھوڑی سیٹنگ چینج کرانے کو کہا، وہ بخوشی اس کے ساتھ ٹیبلیں سیٹ کرنے لگا۔

دو میزیں جو آگے کی طرف تھیں ان کو دیوار سے لگایا، ایک طرف سیٹ کیا اور اسسٹنٹ اور ایڈیٹر کی میزیں کچھ نزدیک رکھوائیں مگر وہ بھی اس طرح سے کہ اسسٹنٹ ایڈیٹر کی میز پر رکھا کمپیوٹر سامنے آتا اور چہرہ ڈھک جاتا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ جب کام کر رہی ہو تو دوسروں کی نظر ڈائریکٹ اس پر پڑے،

ٹیبلیں سیٹ کرنے کے بعد جب وہ چلا گیا تو اس نے اپنی میز پر رکھی ہوئی چیزوں کی ترتیب سیٹ کی، باقی چیزیں سامنے سے ہٹا کر مسودے رکھے تا کہ وہ باری باری چیک کرتی رہے، یہ سب کرنے کے بعد اس نے ایک نظر فرش پر ڈالی جہاں جالے اور گرد بکھری ہوئی تھی، اسے پھر باہر آنا پڑا، اب کسی سے جھاڑو پوچھنے کے بارے میں پوچھتے ہوئے اسے کچھ شرمندگی ہو رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور سوچتی، اس نیک نیت بندے نے ایک ایک مزدور کو بھیجا تھا، جسے اس نے اندر آتے ہوئے پریس کی پچھلی دیوار کی مرمت کرتے ہوئے دیکھا تھا، اس نے یہاں آنے سے پہلے چاروں طرف ایک چکر لگایا تھا جیسے یہ بھی اس کی ڈیوٹی کے پہلے دن میں شمار ہو، وہی مزدور جھاڑو پوچھا لئے کھڑا تھا، وہ بیگ لے کر باہر آئی کہ وہ آرام سے صفائی کر لے۔

آدھ کھلے دروازے سے مس یاسمین نے اسے سامنے دیکھا تھا اور وہ دروازے سے اندر آنے کو کہہ رہی تھیں یہاں بے وقوفوں کی طرح کھڑے ہونے سے بہتر تھا کہ وہ چند لمحے وہیں جا کر بیٹھ جاتیں، سو ان کی پیشکش بری نہ تھی، اسے ویلکم کرنے کے بعد مس یاسمین اور مس زہرہ حال احوال پوچھتی رہیں اسے اس کمرے میں بھی چیزوں کی بے ترتیبی کا کچھ احساس ہوا، بلکہ ان کی گھڑی کا سیل شاید ختم تھا جبھی پتہ نہیں کب سے وقت شام سات بجے پر رکا تھا، وہ مزدور جب صفائی کر کے باہر آیا اسے بلانے تو باہر نکلتے ہوئے اس نے پرس سے چند روپے نکال کر اسے پکڑاتے ہوئے گھڑی کا سیل لانے کو کہا اور سمجھایا کہ سیل لا کر گھڑی میں ڈال کر ٹائم سیٹ کر دیں، وہ سر ہلاتا ہوا جھاڑو پوچھے سمیت روپے لے کر باہر نکل گیا۔

سامنے سیکرٹری کو آتا ہوا دیکھ کر اس نے ان کو سلام کا جواب دیا اور سیدھی اندر آئی تھی اور اندر آ کر جب اس نے ایک نظر چھت سے فرش اور کیلنڈر سے لے کر ڈسٹ بن تک ڈالی تو اسے خاصہ خوش گوار احساس ہوا تھا، جیسے وہ ابھی آئی ہو اور آتے ہی اسے ہر چیز اپنی جگہ پر سیٹ ملی ہو، آج ایسا نہ بھی تھا مگر کل ایسا ہونا تھا بشرطیکہ ہر چیز اسی ترتیب میں رہے۔

اپنی میز پر آ کر اس نے شاپر سے ایک بوتل نکالی جس کی برف پگھل کر ٹھنڈے پانی کی شکل اختیار کر گئی تھی، اس نے ٹھیک وقت پر بوتل کو لفٹ دی تھی اور آدھی بوتل خالی کرنے کے بعد جیسے اس کے اندر ٹھنڈ اتر گئی تھی، گو کہ سردیاں اب بھی عروج پر تھیں، اسے ٹھنڈے پانی سے پرہیز کی بات یاد آئی اور ساتھ ہی مسکراہٹ، فائلیں چیک کرتے ہوئے بڑھ گئی، اتنی ترتیب پر ایک بے احتیاطی تو چلتی ہے، خود کو مطمئن کرتے ہوئے وہ مسودے دیکھنے لگی اور کوئی چیز دیکھتے ہوئے وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور کاغذوں پر جھکی ہوئی اب وہ پوری طرح سے کام کرنے کے لئے تیار تھی، یہ اس دفتر میں اس کے کام کا پہلا دن تھا، پہلا عجیب دن، جس کا نصف تو چیزوں کی ترتیب پر صرف ہوا تھا، باقی کا کام کی نظر ہوا ہوش تب آیا جب اس کے روم کا دروازہ بڑے بے ڈھنگے انداز میں بجایا گیا تھا اور ساتھ ہی اس کی نظر گھڑی پر گئی جو دن ڈھلنے کا اعلان کر رہی تھی۔

☆☆☆

یہ وہی تصویر تھی جسے اس نے دن میں کئی مرتبہ دیکھا تھا، جس کے فریم کی گرد صاف کرتے کرتے خود اس کے ہاتھ گرد آلود ہو گئے تھے۔

یہ وہی تصویر تھی جس کی طرف نظر جاتی تو جم جاتی، اگر واپس پلٹتی تو ہمیشہ کی طرح کئی خیال لے کر پلٹتی جبکہ خواب کا سفر ابھی بہت دور تھا، اس نے ابھی کہ ابھی اسی تصویر سے نگاہیں چرائیں تھیں۔

''عمارہ! اس کا کوئی فون نہیں آیا؟'' وہ اچانک کمرے میں داخل ہوئیں تھیں۔

''نہیں اماں! کوئی فون نہیں آیا۔''

''تم نے پھر لگایا اس کا نمبر؟'' وہی بے چینی تھی۔

''جی لگایا تھا، نمبر بند جا رہا ہے اس کا اسی دن سے۔'' وہ ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اٹھی۔

''پتہ نہیں کہاں ہوگا، کیسا ہوگا، کھانا ٹھیک سے کھایا بھی ہوگا کہ نہیں۔''

''ٹھیک ہوگا، آپ فکر نہ کریں، یہ بتائیں آپ نے کھا لیا کھانا؟ اور نانی کو بھی تو کچھ نہ کچھ کھلانا ہے۔'' اسے ہر کسی کی فکر رہتی تھی۔

''میں کھا لوں گی تمہارے ابا آجائیں تو، مگر تم اماں بی کو کچھ نہ کچھ کھلا دو، پچھلے چار دن سے وہ کچھ ٹھیک سے نہیں کھا رہیں، بات بھی نہیں ہو رہی ان سے ان کی طبیعت بہت خراب ہے مجھے لگتا ہے ہسپتال لے جانا پڑے گا۔''

''ہاں تم نے اپنی خالہ کو فون کر کے بتایا کچھ؟''

''کر دیا ہے، فون آتے ہی ہونگے، ان کی مرضی ہے اب، مجھے ان سے کوئی اچھی امید نہیں ہے۔''

''تمہاری ماں کا فون آیا تھا عمارہ اس سے بات کر لینا۔'' ان کو نا چاہتے ہوئے بھی کہنا پڑا تھا۔

''مجھے اس عورت سے کوئی بات نہیں کرنی ہے اور نہ ہی آپ کو کوئی ضرورت ہے بات کرنے کی۔''

وہ اتنا کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی، انہوں نے اسے جاتا ہوا دیکھ کر ہمیشہ کی طرح سرد آہ بھری۔

☆☆☆

اسے گھر پہنچتے پہنچتے رات کے ساڑھے سات بج گئے تھے، تیسری بیل پر جا کر گیٹ کھلا، حسب معمول وہ ہمیشہ کی طرح فکر مند ملیں۔

''کیا ہوا؟ کہاں رہ گئیں تھیں؟''

''السلام علیکم!'' وہ عجلت میں کہتے ہوئے ان کے ساتھ اندر آئی تب تک وہ ایک ہی بات تین مرتبہ دہرا چکی تھیں۔

''کچھ نہیں ہوا امی سب خیر ہے، کام بہت تھا دیر ہوگئی۔'' اس نے بیگ اور فائل ٹیبل پر رکھی اندر آتے ہی اور بیڈ کے سرے پر بیٹھ کر شوز اتارنے لگی۔

''کیا اتنا کام تھا، بہت کام لیتے ہیں یہ لوگ، ہر روز تمہیں آتے آتے اتنا ٹائم ہو جائے گا کیا؟'' وہ سارے سوال ایک لمحے کے اندر پوچھ لینا چاہ رہی تھیں۔

''آج پہلا دن تھا اس لئے بہت کچھ سیٹ کرنا تھا، کام کرتے کرتے وقت کا پتہ نہیں چلا، کل جلدی آجاؤں گی۔'' اس نے کوٹ اتار کر رکھا اور آستین فولڈ کرتے ہوئے الماری کی طرف بڑھی کپڑے نکالنے کے لئے۔

''ٹھیک ہے، تو پہلا دن کیسا گزرا؟'' سب سے پہلے پوچھنے والا سوال وہ ہمیشہ آخر میں پوچھتی تھیں۔

''اچھا رہا۔'' وہ ان کی طرف بغیر دیکھے بے ساختہ مسکرائی تھی۔

''تم خوش ہو نا امرت اس نوکری سے؟'' انہیں اچانک کیا سوجھی۔

''یہ نوکری ہے امی شادی نہیں آپ کیوں اتنا سیریس ہو رہی ہیں۔'' وہ کپڑے نکال کر ان کی طرف دیکھ کر بولی۔

''میں نے سوچا شاید میرے پریشر کی وجہ سے تم نے ہامی بھر لی ہو۔''

''اچھا۔'' اسے ذرا تعجب سا ہوا جس معاملے میں سنجیدہ ہونا چاہیے تھا۔

''اس بارے میں تو ان کو یہ پرواہ نہ تھی اور یہاں یہ فکر۔'' وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ اور کہہ نہ سکی۔

''کیا ایسا ہی ہے امرت؟ جیسا میں سوچ رہی ہوں؟''

''ایسا کچھ نہیں ہے امی، آپ فکر مند نہ ہوں، میں اپنی خوشی سے یہ جاب کروں گی، کیونکہ اس سے خود میرے بھی کچھ بہت سے مسئلے حل ہو سکتے ہیں۔''

''تم بہت بدل گئی ہو امرت، مطلب سمجھ دار ہو گئی ہو۔'' وہ صرف مسکرا کر رہ گئی مگر اس بار اس کی مسکراہٹ میں پھیکا پن تھا۔

''میں کھانا لاؤں تمہارے لئے بیٹا؟''

''جی ضرور لائیں، جب تک میں چینج کر لوں۔'' وہ کپڑے لے کر واش روم میں گھس گئی، تھوڑی دیر بعد آئی تو وہ کمرے میں نہ تھیں، وہ بال باندھتے ہوئے آستین چڑھاتے ہوئے سلیپر پہنتے باہر آئی تو سامنے کچن کی کھڑکی سے ان کو کچھ بناتے دیکھا۔

''امی یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''میں تمہارے لئے گرم گرم روٹی ڈال رہی ہوں، آج ساگ اور بنڈھیاں پکائی ہیں تمہیں پسند ہے نا ساگ۔''

''ہاں بہت، جیجی بہت اچھا بناتی تھیں۔'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

''تمہیں یاد ہے اب تک؟'' وہ چونکی تھیں۔

''وہ پکاتی ہی اتنا اچھا تھیں ساتھ میں چاول کی روٹی تو بس کیا ہی بات ہوتی۔''

''میں تمہارے لئے چاول کا آٹا منگوا لوں گی امرت، پھر تمہیں بنا کر دوں گی۔''

''نہیں امی، میں تو بس ایسے ہی، آپ چھوڑیں ہٹیں ادھر سے میں خود روٹی ڈال لیتی، آپ آ کر آ کھڑی ہو گئیں حد ہے، اب روز روز میرے ایسے نخرے اٹھائیں گی کیا، ایسے نخرے تو لوگ بیٹوں کے اٹھاتے ہیں۔''

''مگر میرا تو کوئی بیٹا نہیں ہے، تم ہی ہو تو تمہارے ہی نخرے اٹھاؤں گی نا؟''

''آپ کو اس بات کا دکھ ہے؟ کہ آپ کا بیٹا کیوں نہیں ہے۔''

''نہیں میں نے تو بس یوں ہی کہہ دیا تھا، تم جو ہو میرا سب کچھ۔''

''اچھا چلیں یہ دوسری چپاتی مجھے دیں۔''

''نہیں تم تھکی ہوئی ہو، بیٹھو میں ڈال لیتی ہوں۔''

''امی میں کبھی اتنی لاڈلی نہیں رہی ہوں عادت نہیں ہے، آپ ہٹیں میں پکاؤں۔'' وہ بغور اسے

دیکھتی رہ گئیں۔

"اب کیا ہوا؟" اس نے روٹی ڈالتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

"میں جانتی ہوں امرت میرا قصور ہے میں نے ہی تمہیں، کاش میں نے تمہیں وہیں رہنے دیا ہوتا. شاید تم خوش ہوتیں ادھر۔"

"میں آپ کے ساتھ خوش ہوں امی، ایسا نہ سوچیں آپ۔"

"مگر تمہیں ابھی تک وہ لوگ یاد ہیں، گیارہ سال کسی کو بھولنے کے لیے کم تو نہیں ہوتے امرت۔"

"امی! میرا بچپن گزرا ہے وہاں پر۔" روٹی توے پر جل چکی تھی۔

"ہاں میں جانتی ہوں۔" انہوں نے روٹی اٹھائی توے سے جو جل کر راکھ ہو چکی تھی۔

"کوئی کام ڈھنگ کا نہیں کرتی میں۔" اس نے افسوس سے جلی ہوئی روٹی کو دیکھا۔

"تمہاری ماں نے کون سا کام ڈھنگ کا کیا ہے جو تم کرو گی۔" وہ اسے ہٹا کر خود آگے آئیں، جو چپاتی بیل رکھی تھی وہ توے پر ڈالی اور آنچ ہلکی کی۔

"ہاں اب اس میں تو کوئی شک نہیں چلیں کسی چیز میں تو میں آپ پر گئی، ورنہ آپ تو کہتی تھیں ہر عادت اپنے بد دماغ باپ..." وہ کہتے کہتے رک گئی، اس بار انہوں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا، عجیب الجھاؤ تھا۔

"دھیان رکھیں پھر نہ جل جائے چپاتی۔" وہ بات بولنا چاہ رہی تھی۔

"نہیں جلی۔" وہ خاموشی سے چپاتی کی سائیڈ بدل کر دوسری بیلنے لگیں، کچھ منٹ میں روٹیاں اس کے آگے رکھتے ہوئے سالن اس کی پلیٹ میں ڈالنے لگیں۔

"امی میں خود لے لوں گی جتنا چاہیے ہوگا۔" آج وہ ان کا ایک عجیب ہی روپ دیکھ رہی تھی۔

"نہیں تم مرغیوں کی طرح چگتی ہو، میں اتنی محنت کس لئے کرتی ہوں بھلا۔"

"مگر ساگ تو میں پیالی میں بھر بھر کر کھاتی ہوں، چلیں بیٹھیں نا اب۔"

"تم کھاؤ میں بیٹھی ہوں۔" اب وہ اس کے گلاس میں پانی ڈال رہی تھیں۔

"امی آپ کھانا نہیں کھائیں گی اور رہنے دیں میں پانی لے لوں گی بچی تو نہیں ہوں۔"

"ماں ہوں میں تمہاری، اگر میں نے ڈال دیا تو کوئی حرج ہے کیا، مائیں اپنے بچوں کے لئے کیا نہیں کرتیں۔" یہ وہی روپ تھا جس کے لئے وہ ترستی تھی، وہ بے یقینی سے انہیں دیکھے گئی، (اب بہت دیر ہو چکی ہے امی) میں بڑی ہو گئی ہوں اب امی۔

"ہاں مجھے پتہ ہے مگر مجھ سے بہر حال چھوٹی ہو۔"

"اچھا۔" وہ بے ساختہ ہنس دی۔

"اچھا وہ اماں کا فون آیا تھا دوپہر میں۔"

"نانی نے کیا تھا؟"

"نہیں عمارہ ہی بات کر رہی تھی مگر بتا رہی تھی کہ اماں کی طبیعت خراب ہے۔"

"پھر آپ کو جانا چاہیے تھا ان کے پاس امی۔" وہ نوالہ روک کر افسوس سے بولی۔

"تمہارا ہی انتظار کرتی رہی، کل تمہیں وقت ملے تو چلیں گے، میں اکیلے پریشان ہوتی ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے، میں کوشش کروں گی، مگر آپ پھر عمارہ سے بات کر لینا، خیر خیریت پوچھ لیا کریں ان کی، بلکہ ایسا کریں ان کو گھر پر لے آئیں، حق تو بیٹیوں پر ہے ان کا پڑی وہ بھتیجے کے در پر ہیں۔"

"کہتی تو تم ٹھیک ہو۔" وہ خود پر افسوس تھیں۔

"عمارہ کیسی تھی؟" اسے اچانک خیال آیا۔

"تم خود اس سے بات کیوں نہیں کر لیتی ہو۔"

"کل جاؤں گی تو مل لیں گے۔" وہ پر سوچ انداز میں کہتے ہوئے کھانا کھانے لگی۔

☆☆☆

یہ اس شہر کی پہلی صبح تھی، پہلی نکھری ہوئی صبح، مگر اس کے اندر ابھی تک رات ٹھہری ہوئی تھی، نیند غنودگی کے مرحلے میں تھی، حالار کے کتنی مرتبہ فون آ چکے تھے، جب تک وہ فون اسٹینڈ کی طرف جاتے تب تک فون بند ہو چکا ہوتا وہ پھر کمرے میں آتے، اپنے بکھرے کاغذات اپنی چیزیں سمیٹنے کے لئے اور پھر سے فون بجنے لگا، وہ جھنجلا کر باہر آئے اور وہی ہوا، انہوں نے غصے میں آ کر فون کی تار نکال دی، یہ کوئی طریقہ نہ تھا مگر ابھی کوئی اور طریقہ ہی تو نہیں سوجھ رہا تھا۔

انہوں نے دوپہر ڈھلنے کا وقت دیکھ کر سوچا کہ کھانا کھانا چاہیے، بھوک کا احساس ہوا اور وہ کچن میں چلے گئے، کچن میں کچھ نہ تھا۔

"اُف کتنا کہا تھا حالار کہ راشن لے آؤ اور چلو تھیلے کھنگالو بیٹا شاید ہی کچھ مل جائے۔" مگر تھیلے بھی خالی تھے سوائے ایک باسی شوگر فری بسکٹس کے ڈبے کے، ڈبا انہوں نے کھڑکی سے باہر پھینکا تھا اور اسی جھنجلاہٹ میں باہر آئے کہ دروازہ دھڑ دھڑ بج رہا تھا۔

"یہاں کسی نے بیل بھی نہیں لگائی دروازے پر حد ہے، کیسے لوگ رہ کر گئے ہیں یہاں پر، مکان نہیں ویرانہ ہے ویرانہ۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے باہر آئے۔

"بھائی صبر کرو صبر، آ رہا ہوں، کیا ہوگا اس قوم کا یار۔"

"کیا ہوگا؟" وہ دروازے تک آئے تھے دروازہ کھولا پروفیسر ایک خاکی لفافہ تھامے بوکھلائے کھڑے تھے۔

"آ جائیے صاحب، کیا حال ہے؟" اس وقت تنہائی میں یہ بھی غنیمت تھے۔

"یہ کس قسم کی دنیا ہے، کہاں رہتے ہو یار۔" ایک تو علاقہ سنسان وہ اسی بوکھلاہٹ میں اندر آتے آتے ہی جھاڑیوں سے سامنا ہوا۔

"بھیا کمرے میں جھاڑی نہیں صحن میں ہے، اندر آ جاؤ۔"

"جو یہاں پہلے رہتا تھا اسے جھاڑیوں سے گہرا شغف رہ چکا ہوگا، یا تو پودوں کی خواہش میں جھاڑیاں اگ آئیں ہوں گی۔" وہ اسے اندر لے آئے تو کچھ امن پایا، حالانکہ یہاں بھی حالات دگرگوں سے تھے، چیزیں بکھری، فرنیچر ادھڑا، قالین تہہ کیے ہوئے، وہ دونوں کمرے میں رکھی ایک بوسیدہ میز پر کرسیاں کھینچ کر بیٹھے، میز پر فنکار نے اپنا رومال بچھا دیا، انہوں نے آڑوؤں کا تھیلا اور پانی کی بوتل رکھی میز پر، فنکار اٹھ کر پلیٹ چھری لے کر آئے، ایک عدد گلاس کے ساتھ، آڑوؤں کو دیکھ کر بھوک چمک اٹھی تھی۔

پروفیسر باتیں کرتا رہا اور وہ آڑو چھیلتے رہے، کچھ ان کی پلیٹ میں ڈالے کچھ اپنی پلیٹ میں ڈالے، وہ بولتے رہے کھانے کے ساتھ ساتھ جبکہ ان سے ایک وقت میں ایک ہی کام ہوتا تھا، سو فی الحال کھانا ضروری تھا کہ پیٹ کی بھوک سب سے بڑا روگ تھا اس کے مٹ جانے کے بعد ہی دوسرے غم یاد آتے تھے۔

چار آڑو کھا کر اور پانی کی آدھی بوتل ختم کر کے ہی وہ جیسے ہوش میں آئے تھے، زندگی میں پہلی مرتبہ پروفیسر کچھ برے نہ لگے تھے نہ ہی ان کا آنا بے مقصد نہ گفتگو رائیگاں لگی، اب وہ پوری طرح سے مطمئن ہو کر بیٹھے تھے ہاتھ صاف کر کے۔

''میرے دوست کا ایک بیٹا ہے وہ بھی ذرا کھسکا ہوا ہے، بہت دنوں سے غائب ہے حمید بہت پریشان ہے ایک ریٹائرمنٹ کا دکھ اوپر سے بیٹے کی آوارہ گردی۔'' پروفیسر بہت دیر بعد سنجیدہ ہوا تھا۔

''اولاد کے بگڑ جانے کا دکھ واقعی بہت بڑا ہوتا ہے۔'' یہی جملہ کبھی فنکار کے باپ نے اس کے لئے کہا تھا اور آج فنکار خود کہہ رہا تھا گو کہ حالار کافی حد تک سنبھلا ہوا بچہ تھا۔

''میرا والا بہت اچھا ہے، اللہ کا شکر ہے۔'' حالار کر ذکر کرتے ہوئے چہرہ کھل سا جاتا ہے۔

''وہ کب آ رہا ہے یہاں۔'' پروفیسر آڑوؤں پر مکمل ہاتھ صاف کر چکے تھے۔

''کل اسی نے بات کی تھی مجھ سے، درخواست کی تھی کہ تمہاری خیر خبر لے لوں۔''

''ہاں ٹھیک ہے اسے میری بہت فکر ہے اب بتانا جا کر اسے کس ویرانے میں ٹھکانہ ملا ہے مجھے، اسے ذرا تو احساس ہو۔''

''وہ تو کہوں گا ضرور، مگر یہ بتاؤ ذرا اس نے کہیں شادی تو نہیں کر لی وہاں جا کر۔'' پروفیسر نے اپنا ہیٹ اتار کر میز کے کنارے پر لٹکایا تھا۔

''کاش کہ ایسا ہوتا مگر ایسا نہیں ہے۔''

''وہ کسی کرسچن لڑکی کو چاہتا جو تھا، اس کا کیا ہوا؟''

''اس لڑکی نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا تھا، میرے حالی کے ساتھ جو پورا کا پورا ایمان دار قسم کا آدمی ہے۔'' انہیں خاصہ افسوس تھا۔

''کیا دھوکا کیا تھا اس نے؟''

''یہ تو میں نے نہیں پوچھا پر دھوکا ضرور کیا تھا۔'' فنکار سوچ میں پڑ گیا تھا۔

(یہ میں نے کیوں نے سوچا۔)

''چھوڑو میاں، میں نے اپنی زندگی میں عورت جتنا بے بس کسی کو نہیں دیکھا، میری بیوی تھی ساری حیاتی سر پٹختی رہ گئی میں نے ایک نہ مانی اس کی، اب احساس ہوتا ہے اور اب حمید کی بیوی دیکھ صبر کا پیکر لگتی ہے، حمید کی اسی سالہ بوڑھی پھپھی کو سہارا دے رکھا ہے، حمید کی بھتیجی کو سگی بیٹی کی طرح پالا ہے، ذرا نہیں لگتا کہ شوہر کی بھتیجی ہے، بیٹے کے کرتوتوں پر روتی ہوئی، جب مجھے اپنے دکھ سناتی ہے تو سوائے رونے کے اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا، اس جیسا انسان میں نے نہیں دیکھا، سوچا تھا کاش میری بھی کوئی بیٹی ہوتی یا بیٹا مگر اب سوچتا ہوں سو غموں سے جان چھوٹ گئی، نہ اولاد ہو گی نہ بندہ سو خواب پالے گا ان کے حوالے سے، نہ ہی توجہ نہ ملنے پر دکھ ہو گا۔''

''پروفیسر تو بڑی لوجیکل باتیں کرتا ہے یار۔'' فنکار کی پہلی بار اس کے بارے میں رائے بدلی تھی۔

''یار فنکار زندگی بڑی عجیب ہے، سوچ رہا ہوں اب آڑوؤں کی جگہ کچھ اور کھانے لگ جاؤں۔''

''(لو جی آ گئے اپنی اصلیت پر سویرے ہی)۔'' فنکار کی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یار عبد الہادی ایک کام کر چل کوئی دھندا کرتے ہیں کتابوں کے سوا ہونا چاہیے، عمر گئی خواب دیکھتے اور لکھتے پڑھتے اب آنکھیں بجھ رہی ہیں۔''

''سچ کہتے ہو یار لگتا ہے زندگی کی موت قریب ہے۔''

''ہاہاہا موت تو روز ہوتی ہے بھیا پر جینے کے لئے کچھ کرنا پڑتا ہے، میں کوئی نیا کام ڈھونڈنے لگا ہوں۔''

''نیا کام۔'' پروفیسر نے ہیٹ اٹھا کر پہن لیا تھا، اسٹک پکڑی، شاید جانے کی تیاری تھی۔

''تمہیں اپنی زندگی کا یقین ہے پروفیسر؟'' فنکار بیچارہ گیا تھا۔

''یقین، یہ بہت مشکل لفظ ہے یار، اس تک رسائی اور بھی دشوار ہے، فی الحال مجھے کام کرنا ہے، پھر اس کے بارے میں بیٹھ کر سوچیں گے۔'' پروفیسر نے بچا ہوا پانی پی کر اٹھا بوتل کا ڈھکن بند کر کے میز پر رکھی۔

لفافے کے کھلے منہ پر پلیٹ رکھی، ڈھانکنے کی نیت سے اور اسٹک گھماتا ہوا دروازے تک گیا۔

''وہ آوارہ گرد ہاتھ لگا تو تمہیں ملاؤں گا، بند کر دینا اسے کسی قید خانے میں، میرے دوست کا بیٹا ہے، نام ہے اس کا علی گوہر اور کام ہے اس کا لور لور پھرنا اور انوکھی باتیں بتانا، اس بار کوئی نیا راز لے کر آئے گا شاید، بہت دن جبھی لگائے ہیں، تمہیں پسند آئے گا۔'' پروفیسر بہ آواز بلند کہتا آنکھ دبا کر باہر نکل گیا تھا، فنکار جس جگہ بیٹھا تھا بیچارہ گیا تھا۔

☆☆☆

کل کی نسبت آج اسے کام کرنے میں زیادہ مزا آ رہا تھا، کیونکہ سارا کام تہہ شدہ تھا جسے اب ترتیب وار مکمل کرنا تھا، خوش قسمتی سے بہت سی چیزیں وہ کل سیٹ کر چکی تھی، اس لئے چیزیں ٹھیک کرنے میں اسے زیادہ مسئلہ نہیں ہو رہا تھا، یہی یکسوئی رہتی تو وہ ہفتے کا کام دو دن میں بہ آسانی کر سکتی تھی، مگر بد قسمتی سے آج روم کے کیبن بھر چکے تھے، وہ پیپر پن اپ کر رہی تھی جب طاہر صاحب اندر آئے تھے اور سب سے پہلے اسے آ کر سلام کیا تھا، وہ بغیر ان کی طرف دیکھے کام میں مشغول تھی مسلمان تھی لحاظ سلام کا جواب تو دینا ہی تھا سو دیا اور یہی جواب اسے مہنگا پڑ گیا تھا، وہ بندہ تو کمپنی دینے کے چکر میں تھا جبھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''یہ ساری تبدیلی آپ نے کی ہے؟'' وہ میز پر اپنا سیل فون رکھ چکا تھا۔

''آپ کی ٹیبل وہ سامنے ہے۔'' اس نے پیپر پر نظر ڈالتے ہوئے سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

''ویسے بہت اچھی تبدیلی ہے یہ مگر آپ کو اتنی زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی آپ مجھے کہتیں میں یہ سارے چینج کروا لیتا، بتا رہا تھا چوکیدار بہت دیر سے گئیں تھیں آپ گھر۔'' وہ تو مزید پھیل کر بیٹھ گیا تھا۔

اس نے اب کی بار کوئی جواب نہیں دیا تھا، اس کی پوری توجہ کام پر تو تھی مگر ڈسٹربنس پیدا کرنے میں وہ کامیاب ضرور ہو رہا تھا۔

”ویسے یہاں اس کام کے بورڈ کوئی چارج نہیں دیتا ہے، نیک نیتی کی بنیاد، آپ کی میز سامنے ہے، آپ جا سکتے ہیں۔“ اس بار وہ لہجے کی تلخی کو روک نہیں سکی تھی۔

”آپ میرے انڈر کام کر رہی ہیں مس امرت۔“ یہ دھمکی تھی۔

اس نے پیپر رکھ کر اسے گھور کر دیکھا تھا اس کے تاثرات سے وہ مطلب سمجھ چکی تھی۔

”میرا مطلب ہے ساتھ بیٹھ کر کام کرنا ہے تو کام کو ڈسکس بھی تو کرنا ہے نا۔“

”اتنی دیر سے یہ آپ میرے ساتھ کام ڈسکس کر رہے ہیں؟“

”کام کے درمیان بات چیت کرنے سے دوستی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔“

”معذرت کے ساتھ میں یہاں کام کرنے آئی ہوں دوستیاں نہیں، البتہ آپ کو اگر کمپنی چاہیے تو اس کے لئے شہر میں ایسی کئی جگہ ملیں گیں۔“ وہ بے ساختہ کہتی ہوئی بیگ لے کر اٹھی تھی اور کمرے سے باہر نکل گئی، سیدھی سیکرٹری کے روم میں آئی تھی، ہمیشہ کی طرح لینڈ لائن پر وہ خوش گپیوں میں معروف تھا۔ اسے دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کر کے فون دو منٹ بات کر کے رکھا اور پوری طرح سے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”جی مس امرت کہیے، کیسا رہا آپ کا دن اور کام؟“

”سر کام تو خیر بہت ہے مگر میں نے ترتیب بہر حال دے دیا ہے۔“

”گڈ زبردست اس طرح آپ کو آسانی ہوگی کام کرنے میں۔“

”سر ایک بات پوچھنی ہے کیا آپ کو آفس دیکھ کر کوئی اعتراض ہوا، تھوڑی سی چھوٹی چیزیں تبدیل کرنے پر؟“

”نہیں مس امرت مجھے تو بے حد خوشی ہے اس سب کی، آپ نے تو مجھے نشاندہی کروادی میری لاپرواہی کی، میں بہت خوش ہوں۔“

”شکریہ سر!، ہمارے درمیان کام کے علاوہ اور کسی چیز پر منٹ کی ڈیلنگ نہیں ہوئی تھی۔“

”جی بالکل مگر آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں بیٹا۔“

”سر! اور یہ کہ میرے کام میں لوگوں کو کمپنی دینا یا انٹرٹین کرنا بھی نہیں۔“ وہ اپنی ہی کہے گئی۔

”جی بالکل آپ کیوں بھلا ایسا کرنے لگیں مس امرت۔“

”سر! یہ ساری باتیں پلیز مسٹر طاہر کو سمجھا دیں۔“ وہ اتنا کہہ کر اٹھی تھی۔

”آپ کو کوئی شکایت ہے ان سے۔“ وہ کچھ کچھ سمجھ گئے تھے۔

”میرا خیال ہے آپ میری بات سمجھ گئے ہیں سر، میں چلتی ہوں کام بہت ہے مگر پلیز سر مجھے صرف اپنا کام کرنا ہے، جس کی وجہ سے مجھے یکسوئی چاہیے، باقی مجھے جو کچھ ڈسکس کرنا ہوگا میں آپ سے کرلوں گی۔“

”بہتر ہے مس امرت آپ بے فکر ہو جاؤ۔“

”بہت شکریہ سر میں چاہتی ہوں میں یہاں بہت عرصہ کام کرسکوں۔“

”ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ آپ ہمیشہ یہاں کام کریں، میں بات کرلوں گا۔“ اس کے باہر جاتے ہی مسٹر طاہر کا بلاوہ آ گیا وہ پاس سے گزرتے ہوئے اسے گھورتے ہوئے جا رہا تھا، اس نے بڑی مشکل

سے مسکراہٹ دبا رکھی تھی۔

☆☆☆

”میں اللہ کے راز کے سامنے چپ ہوں، میں اتنی دیر سے یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا وہ ایک نئی زندگی پا رہی ہیں، اگر ہاں تو کب تک۔“ وہ عجیب مخمصے میں پھنس گیا تھا۔

”نہیں ایسا نہیں ہوگا، مجھے یقین ہے وہ جلدی مر جائیں گی۔“

”تم یہی چاہتی ہو کیا؟“

”نہیں میں یہ چاہتی تو نہیں کیونکہ میں ان ہی کے سہارے پر اس ویران جنگل میں پڑی ہوں، ان کے بعد میں کس کے سہارے پر جیوں گی۔“

”اسی کے سہارے پر جس پر آپ کے اندر یقین کا پودا اگا ہوا ہے۔“

”یقین کا پودہ، اگا ہوا ہے یا نہیں، یہ تو پتا نہیں ہاں ایک لہر ہے جو آتی ہے اور جاتی ہے میں ابھی اپنے پاؤں پہ کھڑے ہونا سیکھ رہی ہوں، دعا کریں کھڑی ہوسکوں، پاؤں میں ورم ہے۔“ اس نے اس کے پاؤں کی طرف دیکھا بات مذاق میں کی تھی مگر اس بات سے یاد آیا رات وہ کچھ مشکل سے چل پا رہی تھی۔

”نہیں اصل میں میرے پاؤں سن بہت ہوتے ہیں بار بار۔“

”آپ کو ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے۔“

”کچھ اندر کی بیماریاں ہوتی ہیں جن کا علاج کوئی نہیں کر پاتا کیونکہ مرض سمجھ سے باہر ہوتا ہے۔“

”آپ کا مسیحا کہاں گیا؟“

”شاید ان کو حسرتوں کی مار پڑ گئی ہے، پچھلے دنوں آئے تھے، یہاں آتے ہوئے وہ تو زخمی نہیں ہوتے ہیں گوہر صاحب۔“

”وہ پرانے ہیں، میں نیا ہوں تیسری مرتبہ یہاں آیا ہوں ہوسکتا ہے اگلی بار آؤں تو کھروچوں سے بچ ہی جاؤں۔“

”ورنہ آپ کی ہر مرتبہ یہی شکایت ہوتی ہے نا کہ آپ ہر دفعہ یہاں سے زخمی ہو کر جاتے ہیں۔“ وہ مٹی کے ڈھیر پر بیٹھی بڑی سی چادر سے چھپی گھٹنے پر سر رکھے مسکرا رہی تھی، وہ اسے دیکھتا تھا تو دیکھتا رہ جاتا تھا اس لئے دیکھنے سے گھبراتا تھا۔

”گوہر صاحب! آج ہم آپ کے بارے میں بات کرلیں۔“ اس نے گھٹنے سے سر اٹھایا اسے اچانک کیا سوجھی تھی۔

”کیا ہم آپ کے بارے میں نا بات کرلیں؟“ گوہر ہر دفعہ اسے آزماتا تھا۔

”مجھے پتہ تھا آپ یہی کہیں گے، میرے بارے میں آپ میرے مسیحا سے بات کیجئے گا۔“

”وہ نہ جانے کہاں گم ہیں، خدا جانے کب ملیں گے۔“

”تو پھر ہم کسی کے بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔“ اس کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

”چلیں پھر میرے بارے میں بات کرتے ہیں۔“ وہ جی بھر کر مسکرایا تھا۔

”میں نے ایک مسلمان گھر میں آنکھ کھولی، جس کی چھت کچھ کمزور تھی اور اب ابھی تک ہے۔“ یہ

سب وہ مذاق میں کہہ گیا تھا۔
"مگر اس گھر کی بنیادیں یقیناً مضبوط ہوں گی۔" وہ بھی بے ساختہ بولی تھی، یقین کی لہر من بھگونے لگی تھی، وہ سن ہو گیا تھا، اس کی بات کیا تھی۔
"بنیاد مضبوط ہوگی۔"
"ہاں شاید بنیاد مضبوط ہے مگر..."
"مگر یہی تو سوال الجھا ہوا ہے، خیر آگے بتائیں۔"
"اس گھر میں میری پیاری اماں ہیں، میرے ابا ہیں اور عمارہ ہے، اس کی نانی ہے۔"
"عمارہ کون ہے؟"
"پتہ نہیں، کہتے ہیں میری چچازاد ہے، چچا کا انتقال ہو گیا تھا، اس کی ماں نے دوسری شادی کر لی، رہ گئی ابا کی پھپھی اور عمارہ وہ رہ گئیں ہمارے گھر میں جس کی چھت تو ٹپکتی ہے مگر بنیاد بہت مضبوط ہے۔"
وہ اس کی بات پر مسکرائی تھی، یقین کی لہر دوسرے کنارے جا لگی تھی۔
"وہ آپ کے نام پر بیٹھی ہوگی، محبت کرتی ہے کیا آپ سے؟"
"ہاں شاید۔" وہ اسی بات میں الجھا ہوا تھا۔
"شاید نہیں، یقیناً آپ اس کے ساتھ دھوکا نہ کیجئے گا۔"
"میں نے اس کے ساتھ کوئی وعدہ نہیں کیا، کوئی عہد نہیں جس کے ٹوٹ جانے پر میں اس سے شرمندہ ہوں گا۔"
"کچھ وعدے کیے نہیں جاتے بس ہو جاتے ہیں، دھاگے میں گرہ لگ جاتی ہے پھر جب وہ گرہ کھلتی ہے تو بہت کچھ بکھر جاتا ہے، زندگی تک بکھر جاتی ہے۔"
"تم کبھی کبھار بہت گہری گہری باتیں کر لیتی ہو۔"
"جو آپ کی سمجھ میں نہیں آتیں یہی نا۔" وہ ہنس پڑی تھی، اس کی ہنسی گونجنے لگی تھی، خاموشی میں جیسے کسی نے کنکر پھینکا تھا سمندروں کی لہروں میں ارتعاش ہوتا ہے جیسے، وہ اسی موج میں بہہ جانا چاہتا تھا، بہہ کر ڈوب جانا چاہتا تھا، ڈوب کر مر جانا چاہتا تھا۔
"ڈوبنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا گوہر۔" وہ مٹی کے ڈھیر سے اٹھی تھی کپڑے جھاڑے تھے۔
"میں ان کی خوراک کا کچھ انتظام کر لوں، ویسے بھی نہیں کھاتیں اب۔"
"تم ڈوب کر آئی ہو کیا؟" وہ بھی اٹھا تھا پر کپڑے جھاڑنے کا ہوش نہیں رہا تھا۔
"ہاں میں ڈوب کر آئی ہوں گوہر۔" وہ رک گئی اس کی آنکھوں میں جھانکا، جن میں کچھ دن پہلے وہ ڈوب گیا تھا۔
"تم واقعی ڈوب کر آئی ہو؟" وہ اب جان چھوڑنے والا نہیں تھا۔
"ہاں واقعی ڈوب کر آئی ہوں۔" وہ جھاڑی ہٹاتے ہوئے آگے بڑھی تھی۔
"ڈوبنے سے تو بندہ مر جاتا ہے۔"
"ڈوبنے سے بندہ واقعی مر جاتا ہے۔"
"پھر تم تو زندہ ہو؟"

"ہاں میں زندہ ہوں۔"
"کیا یہ معجزہ ہے؟" اس کے لہجے میں تجسس تھا۔
"ہاں شاید معجزہ کہہ سکتے ہیں۔"
"تم کیوں ڈوبی تھیں؟"
"مجھے ڈوبنے کا شوق تھا۔"
"تمہیں مرنے کا شوق تھا؟" وہ اب نتیجے کے کچھ کچھ قریب تھا۔
"ہاں مجھے مرنے کا شوق تھا۔"
"تو تمہیں بچ جانے پر مایوسی ہوئی؟"
"ہاں ہوئی تھی۔" وہ ڈیوڑھی پار کر کے گھر تک آ گئے تھے۔
"پھر تم اب کیا سوچتی ہو؟"
"زندگی جہاں لے گئی۔"
"تم یہ نہیں سمجھی کہ تمہیں ایک چانس دیا گیا تھا۔"
"مجھے پتہ ہے۔" وہ ایک لمحہ رکی پھر کوٹھڑی میں گھس آئی۔
ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، مگر جسم جیسے ساکت تھا۔
گوہر چارپائی کے سرہانے آ کر بیٹھ گیا، ان کا سر ہلکے سے دبانے لگا تھا، انہوں نے آنکھیں بند کر لی تھیں، فرحت کا احساس اندر تک اتر گیا تھا، جسم میں جیسے برقی دوڑ گئی، وہ ان کے سر میں مالش کرنے لگا، تھوڑی دیر بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں تھیں، بات کی، کھانا مانگا تھا۔
وہ دلیے کا پیالہ لے کر آئی تھی انہیں چمچ چمچ کھلانے لگی، بہت دن بعد انہوں نے آدھے سے زیادہ پیالہ کھایا تھا، پھر گوہر کے سہارے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔
اب وہ آہستہ آہستہ بات بھی کر رہی تھیں، کچھ عجیب اور پرانی باتیں، اپنے بیٹے کی باتیں، اپنی کچھ پرانے قصے، ہلکی ہلکی آواز میں۔
گوہر بہت سی پہیلیاں بجوا رہا تھا سرہانے بیٹھ کر اور وہ چارپائی کی پائنتی پر بیٹھی گھٹنے پہ سر ٹکائے بڑی گم سی بیٹھی تھی، اب کوئی بھی واقعہ، قصہ، بات اور حیرت انگیز چیز اسے حیرت میں مبتلا نہیں کرتی تھی لگتا تھا سمندر میں شور نہیں مکمل خاموشی ہے، ہاں البتہ کبھی کبھار ایک لہر اٹھی تھی، ٹکراتی اور جاتی تھی بس کنارہ چھو کر ہی چلی جاتی اس کا دل خاموشیوں میں ڈوبا تھا۔
جبکہ گوہر زندگی کی ایک نئی امید سے آشنا ہونے جا رہا تھا، وہ تکیے کے سہارے بیٹھی اب بڑی چستی سے بول رہی تھیں، انہوں نے کسی بات پر بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا اور وہ اسی لمحے چونکی تھی، گوہر نے اس کی طرف مسکرا کر جتلایا تھا کہ "دیکھو یہ ہے زندگی، ایک سو بیس سال کی عورت زندگی کی طرف پلٹ رہی تھی" اس کا گواہ سرہانے بیٹھا گوہر تھا اور پائنتی پر بیٹھی گھٹنے پر سر ٹکائے ہوئے کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی وہ تھی۔

☆☆☆

کل کی نسبت آج وہ بہت مطمئن تھی، اس نے اپنا کام جلدی مکمل کر لیا تھا، وہ ٹھیک وقت پر دفتر سے

نکلی اور مغرب کی نماز اس نے گھر آ کر پڑھی تھی، پھر ان کو تیار ہونے کا کہا اور خود ٹیکسی لینے کے لئے باہر نکل گئی کچھ دیر میں جب وہ ٹیکسی لے کر آئی تو وہ کپڑے تبدیل کر چکی تھیں اور تیار کھڑی تھیں، اسے جاتے جاتے کچھ یاد آیا ان کو گاڑی میں بیٹھنے کا کہہ کر وہ دومنٹ کے لئے اندر گئی، الماری کی تجوری سے کچھ روپے نکالے جو پچھلے دنوں سے اس کی ماں نے اس کے زیور کے لئے رکھے تھے، کہ باقی پیسے دے کر زیور جیولر سے لے لیں گے، اس نے تقریباً بیس پچیس ہزار نکال لئے اور کچھ سوچ کر بیگ میں رکھ لئے، گاڑی تک جب وہ آئی تو وہ خاصی مشکوک نظروں سے دیکھتی رہیں، مگر وہ بالکل اطمینان سے باہر کی جانب دیکھ رہی تھی، اسے پتہ تھا وہاں پہنچتے ہی وہ یہی سوال کریں گی اور اس کے پاس اس ایک سوال کے کئی جوابات تھے اسی لئے وہ مطمئن تھی۔

آدھے گھنٹے کے بعد گاڑی گھر کے باہر آ کر رکی تھی اس نے کرایہ دیا اور ان کے ساتھ اندر آ گئی دروازہ عمارہ نے کھولا تھا ہمیشہ کی طرح لیا دیا انداز اس کی ماں نے اسے خود سے لپٹا لیا تھا مگر اس نے عمارہ کے چہرے پر الجھن اور بیزاری کے تاثرات واضح طور پر نوٹ کیے تھے، اسی لئے اس نے سلام پر ہی اکتفا کیا اور اندر آ گئی، عمارہ کی تائی بہت گرم جوشی اور محبت سے ملی ہمیشہ کی طرح لپٹا کر پیار کیا حال احوال پوچھا، (اس عورت کے اندر اتنا پیار اتنی مٹھاس اور اتنا صبر آیا کہاں سے ہے) ہمیشہ کی طرح اس نے یہی سوچا تھا اور یہی سوچتے ہوئے اس کے اندر بھی مٹھاس سی بھر جاتی تھی۔

اس کی نانی کی طبیعت بہت خراب تھی، وہ اسے دور سے دیکھتے ہوئے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھیں، وہ مسکرا کر ان کے نزدیک گئی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئی، عمارہ عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، ایسے جیسے وہ بھی ناٹک کر رہی ہو، ہمدردی اور اپنائیت کا، اسے اپنا آپ بہت چھوٹا لگا ایک دم سے، لاشعوری طور پر اس نے ان کا ہاتھ چھوڑا اور ذرا فاصلے پر بیٹھ گئی۔

عمارہ نے اسی میکانکی انداز میں نانی کو دوائی کھلائی، باہر گئی اور تھوڑی دیر میں ان کے لئے چائے اور لوازمات سے بھری ٹرے لے آئی، اسے بہت آکورڈ سا لگا ایسی سچویشن میں یوں مہمان داری کراتے ہوئے۔

"عمارہ ہم مہمان تو نہیں ہیں، یہ سب کیا ہے؟"

"آپ لوگ مہمان ہی ہیں سال میں ایک مرتبہ آنے والے لوگ مہمان ہی ہوتے ہیں۔" اس کی بات پر تائی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سرزنش کی مگر وہ اسی لاپرواہی سے باہر نکل گئی تھی، اس نے صرف چائے کا کپ لیا تھا اور کپ لے کر باہر آ گئی، اس گھر کی چھت کی حالت بری ہو رہی تھی۔

"برسات میں چھت ٹپکتی تو نہیں؟" اس نے اسے ہی پوچھ لیا تھا، عمارہ کے ہونٹوں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ تھی، وہ اسے دیکھ کر کچن میں چلی گئی تھی۔

"سوری میرا کوئی غلط مطلب نہیں تھا۔" وہ کچن میں چلی آئی تھی، عمارہ خاموشی سے چاول صاف کرنے لگی تھی۔

"اگر میں واقعی آپ کی مہمان ہوں تو کیا مہمانوں کے ساتھ آپ کے گھر میں یہ سلوک ہوتا ہے؟"

"کیسا سلوک؟" اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔

"عمارہ صرف ٹرے بھر کر سجانے سے مہمان داری کا حق ادا نہیں ہوتا۔"

"اچھا تو دیگ پکانی چاہیے۔" لہجے میں کاٹ تھی۔

"میں نے ایسا کب کہا۔"

"تو پھر آپ نے کیا کہا۔"

"آئی مین کمپنی دینی چاہیے، بات چیت کرنی چاہیے، عزت دینی چاہیے، اگر آپ میری مہمان ہوتیں تو، اللہ نہ کرے میں کیوں آپ کی مہمان بنوں۔" اس نے اسے بات مکمل نہ کرنے دی تھی۔

"کیوں کیا میں مسلمان نہیں ہوں، کیا میری آپ سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے؟"

"کیسی رشتہ داری؟" وہی اجنبیت وہی بے مروتی تھی اس کے انداز میں۔

"میں آپ کی ماں کی بھانجی ہوں، میری ماں آپ کی خالہ ہیں۔"

"ماں کے حوالے سے کوئی رشتہ نہیں ہے میرے لئے، جب ماں نہیں تو ماں سے جڑا کوئی رشتہ بھی نہیں۔"

"تم اس حقیقت کو جھٹلا تو نہیں سکتی، بہر حال اس بارے میں بحث کرنا فضول ہے، تم یہ بتاؤ میں کوئی ہیلپ کروں کام وغیرہ میں۔" وہ خاصے دوستانہ انداز میں اس سے بات چیت کر رہی تھی۔

"آپ کا شکریہ ہم لوگ مہمانوں سے کام نہیں لیتے نہ ہی انہیں کچن میں کھڑا رکھتے ہیں آپ اندر جا کر بیٹھئے آرام سے۔"

"ہم ٹھیک ہے، مگر تم اگر یہ زحمت ہمارے لئے کر رہی ہو تو پلیز ایسا مت کرو ہم بس جا ہی رہے ہیں۔" وہ وہاں سے ہٹ کر اندر آ گئی۔

"امی اگر آپ نے رکنا ہے تو رک جائیں مجھے چلنا ہے بہت کام ہے۔"

"نہیں ذرا ٹھہر جاؤ بیٹا کھانا کھا کر جانا۔" ان سے پہلے وہ بولیں۔

"ارے نہیں آنٹی شکریہ، اپنا ہی گھر ہے، پھر بھی، مجھے ذرا کل جلدی جانا ہے دفتر سو عشاء پڑھ کر سونا ہے، امی آپ کا پھر کیا ارادہ ہے۔"

"بیٹا میں چلتی ہوں وقار ساری رات خدمت لیتے ہیں، بار بار چائے بنواتے ہیں، بار بار کسی کام کے لئے آواز دیں گے، انہیں اچھا بہانہ ملا ہوا تھا اسے اندازہ تھا اس کی ماں نہیں رکے گی۔"

"چلیں تو پھر۔" اس نے پرس سے لفافہ نکال کر نانی کے ہاتھ پر رکھا تھا، وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگیں جبکہ تائی نے فوراً اعتراض کیا تھا۔

"آنٹی امی اپنی ماں کے لئے لائی ہیں، ان سے زیادہ سے زیادہ ان کی دوائیں آ جائیں گی، کچھ تو بیٹیوں پر بھی حق ہے ان کا۔"

"وہ ٹھیک ہے بیٹا مگر ان کی دوائیں آ جاتی ہیں، تم یہ رہنے دو۔"

"نہیں آنٹی یہ امی کوئی احسان نہیں کر رہیں چند روپے اگر اپنی ماں کے لئے دے دیئے تو، آپ رکھیں نانی کے لئے پلیز۔" اس نے زبردستی لفافہ تھمایا تھا اور باہر آ گئی، وہ عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

انہوں نے جاتے ہوئے عمارہ کو آواز دی، عمارہ نے دور سے سلام کر لیا تھا اسے عمارہ کی بے مروتی اور بدلحاظی قطعی پسند نہ آئی تھی، اسے یاد تھا جیجی کہتی تھیں "دشمن بھی گھر پر آئے تو سو بسم اللہ کرو، جیجی کا کیا

سلجھا ہوا اچھا رویہ ہوتا تھا اور یہاں شہر میں۔" وہ افسوس سے عمارہ کی طرف دیکھتے رخ پھیر کر آگے بڑھی اور یہاں سے رکشہ لیا، بیٹھتے ہی وہ شروع ہو گئیں۔

"کیا ضرورت تھی، تمہارے زیور کے پیسے تھے، اب کیا ہو گا وغیرہ وغیرہ۔"

اور وہ اپنی ماں کی سنگدلی پر کڑھ کر ہی رہ گئی، جوابات تو بہت تھے مگر بیچ سڑک تماشہ بنانے سے ڈر لگتا تھا، سو خاموشی سے اگنور کر کے بیٹھی رہی، وہ بول بول کر خود ہی چپ ہو گئیں تھیں، مگر غصہ ان کا قائم تھا جو ناجائز ہی تھا۔

☆☆☆

آہستہ آہستہ وہ سہارا لے کر چلنے لگی تھیں، کھانے پینے لگی تھیں اور بات بھی آسانی سے کر لیتی تھیں، گوہر نے انہیں اسٹک لا کر دی تھی، وہ اسٹک پکڑے پکڑے پورے صحن میں پھر رہی تھیں، گوہر بہت حیران بھی تھا اور پر امید بھی۔

عمارہ کی نانی کی عمر اسی کے لگ بھگ تھی مگر ان کے دانت ٹوٹ چکے تھے، بال سفید تھے، وہ کمزور تھیں سہارے پر چلتی تھیں اور نرم غذا بمشکل لیتی تھیں جو اپنی عمر کے آخری لمحے بتا رہیں تھیں، سب کو ان کی قریبی موت کا یقین تھا اور ایک طرف یہ تھیں سو سال کے بعد سارا عرصہ بیماری کی نظر ہو گئے اور عمر کے ایک سو بیسویں سال میں ایک نئی کرن پیدا ہو رہی تھی زندگی کی، یہ زندگی تھی ایک دم پلٹنے والی، اس نے اسی صحن میں ایک حیرت انگیز تجوبہ دیکھ لیا چلتا پھرتا، کھانستا، باتیں کرتا، انہوں نے آج کانپتے ہاتھوں سے بالٹی سے جگ بھر پانی نکال کر پودوں پر چھڑکا تھا۔

وہ چولہا جلاتے ٹھٹکی تھی۔

"بڑی اماں رہنے دیں، میں کر لوں گی یہ سارا کچھ۔" وہ لکڑیاں چھوڑ کر ادھر آ گئی۔

"میں سب کرتی تھی، سب کچھ بڑے بڑے درخت بڑے کیے۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر پودوں کے پتے دیکھنے لگیں، جس طرح سے انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا اسے ان کے اندر کی بڑھتی طاقت کا اندازہ ہو گیا تھا۔

وہ عجیب سے انداز میں انہیں دیکھ رہی تھی، پلکوں کے بال بھی کالے تھے اور سر کے آدھے سے زیادہ بال کالے تھے، کچھ دانت آ گئے تھے، کچھ نئے آ رہے تھے، وہ ٹھنڈی سانس بھر کر چوکی پر جا بیٹھی۔

"کیا سوچ رہی ہیں آپ؟" وہ کمرے سے باہر آیا تھا ایک چھوٹا سا تھیلا لئے۔

"سوچ رہی ہوں کبیر بھائی کب آئیں گے۔"

"وہ بہت دغاباز ہیں شاید ہی آئیں، مگر میں ضرور آؤں گا۔"

"آپ کے جانے کا پروگرام بن گیا؟" اسے کچھ مایوسی سی ہوئی تھی۔

"جانا تو ہے نا، اماں رات بھی خواب میں آئی ہیں، بہت پریشان ہوں گی سوچ رہا ہوں اب اک آدھ چکر لگا ہی آؤں گھر کا۔"

"اچھی بات ہے، آپ کو جانا چاہیے، مگر روٹی تو کھا لیں پہلے۔"

"آج آپ نے میرے لئے میری پسند کی میٹھی روٹی بنائی ہے نا تو وہ کھائے بغیر کیسے جا سکتا ہوں بھلا۔" وہ چوکڑی مار کر بیٹھ گیا، تھیلا رکھ کر۔

اس نے گرم گرم روٹی نکال کر اور دودھ کا ایک گلاس بوائل کر کے اس نے سامنے رکھا تھا۔

"آپ بہت اچھی ہیں زینب۔"

"میرا نام زینب نہیں ہے۔"

"کبیر بھائی تو تمہیں اسی نام سے پکارتے ہیں۔"

"وہ بھی مجھے آمنہ کہتے ہیں، کبھی آئشہ، کبھی مریم، کبھی کلثوم اور کبھی جویریہ، آپ کے سامنے انہوں نے زینب کہہ دیا ہو گا۔" اس نے ہنستے ہوئے بتایا تھا۔

"وہ بھی عجیب ہیں، ویسے آپ کا اصل نام ہے کیا؟"

"بہت برا ہے مایوسی ہو گی رہنے دیں۔"

"کیا تم مجھے کبھی اپنے بارے میں بتا سکو گی لڑکی؟" اس کے لہجے میں کچھ ناراضگی تھی۔

"اس کے لئے کچھ وقت چاہیے ہو گا۔"

"میں اس کا انتظار کروں گا۔"

"انتظار بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔" وہ اسے سمجھا رہی تھی۔

"زیادہ مت کروایئے گا نا۔" وہ دو چپاتیاں پیٹ بھر کر کھا چکا تھا اور دودھ کا گلاس خالی کر دیا تھا۔

"آپ جلدی آ جایئے گا، اس سے پہلے کہ بڑی بی گزر جائیں، میں اکیلی ہوں۔"

"یہ ابھی جئیں گی زینب۔"

"پھر زینب، چلیں ٹھیک ہے۔"

"تو آپ ہی بتائیں آپ کو کیا کہوں میں۔"

"مریم کہہ دیں بس۔"

"او کے مریم اب بات یہ ہے کہ مجھے لگتا ہے یہ بہت جئیں گی۔"

"نہیں، گوہر یہ ان کا آخری وقت ہے۔"

"آخری وقت اتنا اچھا ہو سکتا ہے؟"

"بالکل ہو سکتا ہے۔" پھر وہی یقین کی لہر کنارے کو چھونے لگی۔

"آخری دور میں عمریں اتنی لمبی نہیں ہو سکتیں، مجھے لگتا ہے یہ معجزہ ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے مگر اب زیادہ نہیں کم بہت کم، آپ کا رابطہ کبیر بھائی سے ہو تو ان کو آگاہ کیجئے گا۔"

"ضرور، ایک پرانا فون اس صندوق کے اوپر چھوڑے جا رہا ہوں یہاں سگنل آتے تو نہیں مگر ذرا آگے جا کر آ سکتے ہیں، کوئی مسئلہ ہو تو بتایئے گا اور پریشان مت ہویئے گا۔"

"گوہر، آپ فرشتے نہیں انسان ہیں۔" اس نے جملہ اپنی مرضی سے استعمال کیا تھا، وہ کھل کر مسکرایا تھا۔

"یہی بننے کی کوشش کر رہا ہوں مریم، دعا کرنا میرے لئے۔"

"یہی کہنے والی تھی میں آپ سے۔"

"ہاں مجھے پتہ ہے، میں دعا کروں گا، کوئی بھی چیز چاہیے تو مجھے بتایئے گا۔"

"ضرور بتاؤں گی۔" وہ برتن رکھ کر اٹھی اس کے اٹھتے ہی۔

"اور کیا میں یہ کہوں کہ اپنا خیال رکھنا۔" وہ رکا تھا۔
"اتنا فارمل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ مسکراتی چادر درست کرتی اس کے ساتھ صحن میں آئی، وہ سر جھکا کر بڑی بی سے دعا لے رہا تھا۔
پھر اس نے دیکھا گوہر نے عجیب عقیدت سے اس عورت کا ہاتھ چوم کر آنکھوں سے لگا لیا۔
اس عورت کا دست شفقت اس کے سر پہ کتنی ہی دیر تک ٹھہرا رہا، پھر اللہ کے حوالے کر کے وہ آگے بڑھا۔
وہ لکڑی کے دروازے کے بیچ کھڑی ہو کر اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی، اسے ایک عادت پسند تھی وہ مڑ مڑ کر دیکھتا تھا حالانکہ مڑ مڑ کر دیکھنے والے بازاوقات پتھر کے بھی ہو جاتے ہیں۔
مگر اسے اچھا لگتا تھا، اب بھی اس نے چار بار مڑ کر دیکھا تھا، پھر وہ دروازے سے ہٹ گئی پتہ تھا اس کا مڑ مڑ کر دیکھنا اسے جانے نہیں دے گا اور اسے ہٹنے نہیں دے گا اس لئے وہ ہٹ گئی۔
منظر تنہا تھا وہ بہت آگے جا چکا تھا اور اس کی نظریں اسی رستے کی طرف بار بار اٹھتی تھیں۔
وہ عورت بڑی توجہ سے اس کا اشتیاق دیکھ رہی تھی اور اسے کچھ یاد بھی آ رہا تھا۔

☆☆☆

یہ رات کا پچھلا پہر تھا، جب دروازہ زور زور سے بجنا شروع ہو گیا تھا، وہ بوکھلا کر اٹھی تھی اور کمرے سے باہر آئی، اس طرح سے دروازہ صرف گوہر بجاتا تھا اس کا ہاتھ گیٹ پر لگی ہوئی بیل پر کبھی نہیں جاتا تھا، وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی دروازے تک آئی تھی اس کا شک ٹھیک تھا، رات کے پچھلے پہر وہی گھر میں چوروں کی طرح داخل ہوتا تھا، وہ دروازہ کھول کر سامنے سے ہٹ گئی۔
"السلام علیکم!" اس نے اندر آ کر رومال چہرے سے ہٹایا تھا۔
"وعلیکم السلام۔" اسے اس کا چوروں کی طرح منہ ڈھانپ کر آنا زہر لگتا تھا۔
"کیسی ہو؟" وہ چہرہ تھپتھپاتے ہوئے اندر آیا۔
"کہاں سے آ رہے ہو؟"
"میں نے پوچھا تم کیسی ہو؟" وہ اس کی بات پر سر جھٹک کر مسکرایا تھا۔
"یہ سوال اپنے بوڑھے ماں باپ سے جا کر پوچھو۔" وہ تلخی سے کہتی کمرے کی طرف آئی۔
"گھر میں کتنی خاموشی ہے، ابا تو دیر تک جاگتے ہیں، آج سو گئے؟"
"تم ٹھیک ہو؟ سب ٹھیک ہے نا عمارہ؟" اسے کچھ انہونی کا احساس ہو رہا تھا۔
"کھانا کھاؤ گے؟" وہ جاتے جاتے پلٹی تھی۔
"ہاں کھلا دو پہلے اماں سے مل لوں۔"
"رہنے دو صبح مل لینا وہ ابھی تو سوئی ہیں کئی دن کے بعد، آج کہہ رہیں تھیں میرا گوہر اب آ جائے گا۔" وہ کچن کی طرف جاتے ہوئے بتانے لگی۔
"میں ان سے بہت شرمندہ ہوں، مگر میری کچھ مجبوری تھی۔" وہ اس کے پیچھے پیچھے اندر آیا تھا کچن میں اور اسٹول سامنے رکھ کر کرسی پر بیٹھ گیا، عمارہ خاموشی سے کھانا گرم کرنے لگی تھی۔
"انہوں نے آج تمہارے لئے کھانا رکھوایا تھا۔"

آج گھر میں بریانی پکی تھی اور زردہ بھی، اتنا اہتمام۔
"آج میری نانی کا سوئم تھا۔"
"ہیں، وہ چلی گئیں، میرا مطلب ہے۔" وہ کھڑا ہو گیا حیرانی سے۔
"ہاں تمہارا مطلب ٹھیک ہے وہ چلی گئیں۔" اس کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی تھی، وہ کھانا گرم کر کے اب پلیٹ میں ڈال رہی تھی۔
"مجھے بتایا نہیں کسی نے۔" اسے اپنی غیر موجودگی اور لاپرواہی پر شرمندگی ہو رہی تھی۔
"یہ بات تمہیں نمبر بند کرنے سے پہلے سوچ لینی چاہیے تھی۔"
"نمبر بند نہیں تھا عمارہ، جس جگہ میں تھا وہاں سگنل نہیں آتے۔"
"ٹھیک ہے۔" اس نے کھانے کی ٹرے اسٹول پر رکھی۔
"رہنے دو اب دل نہیں کر رہا ہے۔" وہ پانی کی بوتل فریج سے نکال کر پینے لگا۔
"ہمیشہ شیطانوں کی طرح کھڑے کھڑے بوتل منہ سے لگا کر پیتے ہو۔" وہ اس کی بات پر مسکرا کر رہ گیا۔
"کھانا کھا لو، رزق کی بے حرمتی نہیں کرتے، اب گرم ہو گیا ہے۔"
"اچھا کھا لیتا ہوں، مگر عمارہ، سنو تمہیں بہت دکھ ہوا ہو گا نا۔" اس نے دو لمحے اسے گھور کر دیکھا تھا پھر سنک میں رکھے برتن دھونے لگی۔
"میں کتنا نالائق بیٹا ہوں اپنے ماں باپ کا۔"
"تم سے زیادہ نالائق اولادیں پڑی ہیں دنیا میں۔" اسے پتہ تھا اس کا اشارہ کس طرف تھا۔
"سنو، تمہاری ماں کو تو اطلاع ہوئی تھی نا؟"
"ہوں کہہ دیا تھا اماں نے فون کر کے۔"
"پھر وہ نہیں آئی۔"
"ان کا یہ دردِ سر نہیں تھا۔"
"تمہاری خالہ آئیں تھیں؟"
"آئی تھیں، مگر تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو۔" اسے الجھن سی ہو رہی تھی اس کے بے کار سوالوں سے عموماً وہ اس طرح کے سوال نہیں کیا کرتا تھا۔
"ایسے ہی پوچھ رہا تھا، ویسے تمہاری کزن بہت اچھی لڑکی ہے، مگر اس کے ساتھ تمہاری بنتی کیوں نہیں؟" وہ کھانا کھانے کے بعد وقفے وقفے سے بول رہا تھا۔
"تم کہاں سے ہو کر آ رہے ہو مجھے یہ بتاؤ، لگتا ہے عورتوں کی کمپنی میں رہے ہو۔"
"کیا مطلب کہاں سے ہو کر آ رہا ہوں، ویسے تمہارا شک کچھ غلط بھی نہیں۔"
"تو گویا رستہ پلٹ ہی گیا۔" وہ طنز کیے بغیر نہ رہ سکی۔
"ہمیشہ غلط سوچتی ہو، ایسا کچھ نہیں ہے، سنو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔"
"اس کے علاوہ تمہیں آتا ہی کیا ہے، ویسے یہ نشان خراشیں کس چیز کی ہیں تمہارے چہرے پر، کوئی لڑائی وغیرہ ہوئی ہے کسی سے؟"

"جنگل میں جھاڑیاں تو ہوتی ہیں اور جھاڑیوں سے خراشیں آجاتی ہیں۔"
"جنگل، کیا مطلب تم جنگل میں کیا کر رہے تھے۔"
"کام تھا اک ضروری۔" وہ کھانا ختم کر چکا تھا۔
"جنگلات میں تمہارے کیا کام نکل آتے ہیں؟"
"ہیں کچھ لوگ جو وہاں میری راہ دیکھتے ہیں۔"
"جنگل کے جانور ہی ہونگے، اپنے شکار کی راہ دیکھتے ہونگے۔"
"بہت خوب شکار کی راہ تو دیکھتے ہیں مگر، جانور نہیں ہیں۔" اس نے برتن سمیٹ کر سنک کے پاس رکھے ان میں بچا ہوا کھانا وہ کاغذ میں ڈال رہا تھا اور برتن صاف کر رہا تھا۔
"تم کوئی پہیلی دے رہے ہو، تو سوری میں نہیں بوجھ سکتی۔"
"نہیں یہ حقیقت ہے مگر پہیلی جیسی، ایک بوڑھی خاتون ہیں جن کی عمر ایک سو بیس سال ہے۔"
"تم کسی قبر کا کتبہ دیکھ کر آرہے ہو۔"
"نہیں میں ایک زندہ وجود سے مل کر آرہا ہوں، ان کی عمر ایک سو بیس سال ہے نام مائی حلیمہ ہے، ان کا پوتا ساٹھ کے لگ بھگ ہوگا، جنہوں نے یہ امانت میرے حوالے کی، مجھے جنگل کا رستہ دکھایا تھا۔"
"وہ عورت زندہ ہے؟"
"ہاں صرف زندہ کیا، ان کے دانت نئے آرہے ہیں، بال کالے ہو رہے ہیں جسم چست ہو رہا ہے، آنکھوں کی روشنی تیز ہو رہی ہے، کل انہوں نے مجھ سے بہت باتیں کیں، آج پودوں کو پانی دیا، مجھے دعا دی آتے وقت۔"
"تم اچھا جھوٹ بول لیتے ہو، کہانیاں بناتے بناتے بہک گئے ہو۔"
"نہیں عمارہ میرا یقین کرو، ان کے ساتھ وہ بھی ہے، بڑی آنکھوں والی زینب، وہ کہتی ہے وہ جلدی مرنے والی ہیں، جبکہ میں سمجھتا ہوں وہ ابھی زندہ رہیں گی۔"
"زینب کون ہے؟"
"لڑکی ہے یار۔"
"اس عورت کی بیٹی؟"
"نہیں پاگل ہو گیا، وہ بہت کم عمر ہے، تمہاری یا تم سے ایک دو سال بڑی ہو گی، پوچھو گی نہیں کیسی ہے؟ بہت خوبصورت ہے۔"
"ڈرامابازی بند کو۔" اسے اب غصہ آرہا تھا۔
"یہ ڈرامابازی نہیں ہے، اگر تمہیں یقین نہیں کرنا تو مت کرو، یہ باتیں کسی اور کو جا کر بتانا مجھے تمہارے من گھڑت قصوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، کمال ہے، ایک سو بیس سال کی خاتون ہیں، دانت نئے آرہے ہیں بال کالے ہو رہے ہیں، جسم چست ہو رہا ہے، کل باتیں کی، آج پودوں کو پانی دیا، چلنے پھرنے لگی ہے ایک سو بیس سالہ عورت۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے برتن سیٹ کرنے لگی۔
"مجھے پتہ تھا، پتہ تھا تم یہی کہو گی اسی لئے یقین نہ آئے تو نہیں بتانا چاہیے کسی کو۔" وہ مصنوعی خفگی سے کہتے ہوئے اسے گھورنے لگا۔

"سچ تو یہ ہے کہ تم کبھی بڑے نہیں ہو گے۔"
"عمارہ وہ لڑکی واقعی بہت خوبصورت ہے مگر مجھے اس کی خوبصورتی سے کوئی غرض نہیں ہے، مجھے اس کے کردار سے غرض ہے، مجھے اسکی تیموری بجھتی ہے، دل چاہتا ہے میں اس کی باتیں سنتا رہوں، مگر وہ بہت زیادہ بولتی ہی تو نہیں ہے۔"
"اب بس یا کچھ اور رہتا ہے؟ رات کے ڈھائی بج رہے ہیں مجھے سونا ہے۔"
"تمہیں یقین نہیں آئے گا، مگر مجھے اس سے کوئی غرض نہیں، میں تمہیں کبھی نہ کبھی اس سے ضرور ملواؤں گا یہ میرا وعدہ ہے تم مریم سے مل کر اتنی ہی حیران ہو جاؤ گی جتنا کہ میں ہو گیا ہوں۔"
"مریم کچھ دیر پہلے تو زینب کہہ رہے تھے۔"
"وہ کہتی ہے مجھے مریم کہو، میں چاہتا ہوں اسے زینب کہوں جبکہ بھائی اسے کبھی کلثوم کبھی فاطمہ کبھی عائشہ، کبھی جویریہ بھی کہتے تھے مگر اس کا اصل نام کیا ہے یہ شاید کبیر بھائی بھی نہیں جانتے۔"
"گوہر کافی نہیں آج کے لئے یہ سب۔" وہ جی بھر کر بیزار ہوئی۔
"ہاں بہت ہے، مگر سنو کوئی کریم ہے تو دے دو یہ خراشیں مٹانے کے لئے اماں دیکھ کر پریشان ہو جائیں گی۔"
"جنگل کی جھاڑیوں میں گھسنے کی ضرورت کیا تھی ڈرامابازانسان۔" اس کا بس نہیں چل جاتا تو اسے دو چار جڑ ہی دیتی۔
"کسی کی زندگی کا سوال تھا کہہ تو رہا ہوں۔"
"بس کر دو، پھر کوئی انوکھا قصہ لے کر بیٹھ جاؤ گے اور یہ خراشیں ایک رات میں ٹھیک نہیں ہونگی، یہ پک گئی ہیں اب خود ہی تہہ اتر جائے گی، ان پر خارش کی کریم مت لگانا زخم کی لگانا ہلکے والی، صبح دیکھوں گی۔" وہ خاصی فکرمندی سے اس کی اسکن دیکھ رہی تھی۔
"تم میرے لئے فکرمند ہوتی ہو عمارہ؟"
"یہ کس نے کہہ دیا تم سے، اس کے لئے اماں ابا ہی بہت ہیں۔"
"اچھا چلو یہ بتاؤ نوکری کیسی جا رہی ہے؟"
"نوکری چلی گئی میری۔" وہ کافی مایوسی سے بتا رہی تھی۔
"کیوں خیریت؟ پھر تمہارا کسی میل ٹیچر سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہو گیا تھا؟ گھور کر دیکھتا ہے کم بخت، بار بار بات کرتا ہے بہانے بہانے سے، سر توڑ دوں گی اب اگر کلاس میں آیا تو، لفٹ دینے کی آفر کر رہا تھا، منہ نہ توڑ دوں میں اس کا، سمجھتا کیا ہے خود کو، خود خبیث اور خبیث کا بچہ یہی نا۔" وہ اس کی پوری پوری نقل اتارنے لگا۔
"ہاں یہی، مگر فی الحال کچھ اور مسئلہ تھا، نانی کی وجہ سے چھٹیاں بہت ہو گئیں انہیں دوا کھلانا پلانا، واش روم لے جانا، کپڑے تبدیل کروانا، سارا دن یونہی گزر جاتا تھا، پھر ان کو کوئی اور ٹیچر مل گئی تو رکھ لیا اور میری کر دی چھٹی، تو اب گھر بیٹھو سکون کے ساتھ۔"
"یہ عمل تم کرو، مجھے کل سے جانا ہے نوکری کی تلاش میں۔"
"عمارہ تم نے بچپن سے محنت کی ہے، میں چاہتا ہوں تمہاری بہت امیر گھر میں شادی ہو تا کہ تمہیں

وہاں جا کر یہ سب نہ کرنا پڑے، بہت خوشیاں ملیں تمہیں، بہت دعا کرتا ہوں تمہارے لئے۔"

"بہت شکریہ اپنی دعائیں اپنے لئے بچا کر رکھو، میری خوشی صرف دولت کا حصول نہیں ہے، جاؤ اور سو جاؤ، مجھے بھی سونے دو۔" وہ کچن کا دروازہ بند کر کے باہر آئی، وہ بھی اس کے ساتھ باہر آیا تھا۔

"تمہیں ہمیشہ میری نیت پہ شبہ ہوتا ہے کتنا اچھا سوچتا ہوں تمہارے لئے۔"

"اتنا اچھا اپنے بوڑھے ماں باپ کے لئے سوچنا شروع کر دو تو بہتر ہے، ان سب کو ضرورت ہے تمہاری بہت زیادہ، نوکری ڈھونڈو اور ان کو سکون دو۔"

"کوشش کروں گا مگر فی الحال دعا کرو کچھ کاموں کو سرانجام دے دوں۔"

"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے دعا وغیرہ کرنے کی تمہاری پاس کئی نمونے ہیں اس کے لئے زینب، فاطمہ، عائشہ، جویریہ نجانے کتنی لڑکیاں جمع کر رکھی ہیں۔"

"یہ سارے نام ایک ہی لڑکی کے ہیں عمارہ میڈم۔"

"رہنے دو بیٹا مت پڑھاؤ، وہ اس کا بستر بچھانے کمرے میں گئی، ویسے تمہاری کزن بہت اچھی ہے، میری بہت تعریف کر رہی تھی، بھول کر بھی میلی آنکھ سے مت دیکھنا اسے، منگنی شدہ ہے وہ۔"

"یہی تو افسوس کی بات ہے دیکھا ہے میں نے اس کا منگیتر، پتہ ہے آج آتے ہوئے ایک دوست مل گیا جو بورڈ کے دفتر میں کام کرتا ہے، مجھے دفتر لے گیا، وہ جاب کرتی ہے وہاں، اختر اس کی بہت تعریف کر رہا تھا آتے ہی بہت کچھ تبدیل کر دیا ہے، بہت ذہین ہے لڑکی، بس یا کچھ اور؟" وہ جس دلچسپی سے ذکر کر رہا تھا اسے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا وہ خود اپنی کزن کے بارے میں اتنا کچھ نہیں جانتی تھی۔

"ویسے وہ تمہارے بارے میں پوچھ رہی تھی، اس نے یہ نہیں بتایا کہ نانی کی وفات ہو گئی ہے اسے لگا شاید مجھ پتہ ہوگا، خیر تو اس کی شادی کب ہو رہی ہے ویسے؟"

"میں کسی کی ذاتیات میں اس قدر دخل نہیں دیتی جتنا تم دیتے ہو میں کچھ نہیں جانتی اس بارے میں سوائے اس کے کہ وہ انگیجڈ ہے۔"

"تم اسے اگنور بہت کرتی ہو، مگر وہ بہت صاف دل ہے۔"

"کیوں تم اس کے دل سے گھوم پھر آئے ہو۔"

"تم جل کیوں رہی ہو میں اگر اس کی تعریف کر رہا ہوں تو۔"

"میں کیوں جلوں گی میری بلا سے سو لڑکیاں کی مالا جپو۔" وہ کاٹ دار انداز میں کہتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی، وہ اس کا غصہ دیکھ کر ہنسنے لگا۔

"کبھی نہیں بدلو گی تم۔"

☆☆☆

یہ رات گلیوں مکانوں میں نقب لگائے بیٹھی تھی، یہ وہ رات تھی جب پچھلے پہر کو نیکو کار اپنی عبادت کے لئے، تہجد گزار اپنے نیک مقصد کے حصول کے لئے جاگتے تھے، چور چوری کے لئے نکلتے تھے، اور بدکار اپنی بدفعلی کے لئے نکلتے تھے، فنکار بے مقصد راہ داری میں سے گزر رہا تھا، اس وقت اس کا تعلق ان سب میں سے کسی قبیلے سے نہ تھا، شدید گرمی سردی پر چھائی ہوئی تھی یہ گرمی اس کے اندر کی تھی، یہ بے چینی، جب باطن ظاہر پر غالب آتا ہے تو باطن کی رسائی بولتی ہے، اس کا باطن ایک متجسس بے چین روح

کی طرح پھر رہا تھا، راہ داری عبور کرتے ہوئے ایک ایسا خیال تھا۔

جس نے اسے پلٹ جانے پہ مجبور کیا، وہ تیز تیز چلتا ہوا نیچے سیڑھیوں کی طرف آیا یہ سیڑھیاں نیچے کی جانب جاتی تھیں، تہہ خانے کی جانب، وہ تیز تیز سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آیا جہاں گھپ اندھیرا تھا۔

اس کا پیر کسی سخت چیز سے ٹکرایا، یہ لکڑی کوئی ٹوٹی ہوئی میز تھی شاید، شاید صوفے کی مضبوط ہتھی، وہ اسی کا سہارا لے کر اٹھا جس کی چوٹ نے گرایا تھا، اس کا پاؤں کسی چیز میں بری طرح سے اٹکا تھا، وہ چھڑانے کی کوشش میں ایک دفعہ پھر الٹا گر گیا اور اس بار ایسے لگا جیسے جسم میں اٹھنے کی سکت نہ ہو، وہ ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارتا رہا اور گھسیٹنے لگا خود کو یہیں ایک شیشہ لڑھک کر گرا تھا سیدھے اس کے سر پہ گرا اور گرم خون کی دھار بہہ نکلی تھی، اس نے سر پہ ہاتھ رکھا، تو پورا ہاتھ خون آلود تھا، وہ بمشکل سیدھا ہوا تھا اس کا ذہن ماؤف ہونے لگا، وہی ہاتھ اس نے اپنے چہرے پہ پھیرا تازہ خون کی بو اور سر میں شدید درد کا احساس جاگا تھا، وہ اٹھنے کی کوشش میں ناکام ہو کر پھر سے دھم سے گر گیا اس کا پیر ابھی تک کہیں پھنسا ہوا تھا اور کاغذات کا ایک ڈھیر اس کے اوپر آ گرا، اس کا سینہ یہ بوجھ سہ نہیں پا رہا تھا، اس نے اس گھور اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہر چیز کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی تھی اور یہی کوشش اسے پوری طرح ناکام ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔

اسے لگا اٹھ ماہ دس دن گزر چکے ہیں اسے لگا وہ مر رہا ہے، اسے لگا موت سستی ہوتی ہے پر بہت ہی کرب ناک، اس کے سینے پر چیزوں کے ڈھیر تھے فنکار ایک اندھیری قبر میں دفن تھا، یہاں کون اس کو نہلاتا، دفناتا، گو کہ سارا انتظام خود بخود ہی ہو گیا تھا اس کی سانس اکھڑتی ہوئی محسوس ہوئی، یہ تو میرا آخری وقت ہے اس نے ایک دفعہ پھر آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا، آنکھیں پھاڑ کر سامنے اردگرد دیکھا، جہاں سے روشنی کی کوئی معمولی لکیر بھی نہیں دکھائی دے رہی تھی اس کے اندر باہر کا اندھیرا اسے ایک عبرت ناک موت کا منظر دکھانے لگا۔

تو پیشی ہوتی ہے، تو یہ دن آج کا دن ہے جو ہر کسی کی زندگی میں آنا ہوتا ہے، تو یہ دن ایسا دن ہوتا ہے اور یہ رات ایسی ہولناک رات ہوتی ہے، تو یہ ہے زندگی کی اصل حقیقت، یہ تو یہی ہے اختتامیہ شب و روز کا۔

ہر آنے والا خیال لمحوں پر یقین کی مہر ثبت کر رہا تھا، ہر آنے والا خیال اذیت ناک تھا، اس کے پیر کا انگوٹھا بری طرح سن ہو چکا تھا، فنکار کا دل دھک دھک کر رہا تھا، اسے اپنے کانوں میں عجیب بھنبھناہٹ کی سی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

اس کی سماعتیں فی الحال کام کرنے سے معذرت کر چکی تھیں، یہی حال ذہن کا تھا، بس ایک دل تھا جس نے بہت تیز تیز کام کرنا شروع کر دیا تھا، جبھی اسے لگا کوئی اسے نیچے کی طرف دھکیل رہا ہے، فنکار کا جسم مٹی کی گہرائیوں کے اندر دھنستا چلا جا رہا ہے، فنکار کے اوپر چیزیں دھڑا دھڑ گر رہی تھیں اور فنکار کے جسم کے سارے عضو آہستہ آہستہ کارکردگی کھو رہے تھے، جس میں سے سب سے پہلے پاؤں کے انگوٹھوں نے ہار مانی تھی، کہتے ہیں سانس نکلتے وقت سب سے پہلے بے جان ہونے والا یہی عضو ہوتا ہے، ایک یہی جملہ سچ بن کر اپنی بازگشت سنا رہا تھا، باقی سب جگہ اندھیرے نے لے رکھی تھی

(باقی اگلے ماہ)

الیکشن اور ایکشن

ثمینہ بٹ

"بھابھی ساڈی آوے ای آوے، بھابھی ساڈی شیر اے، باقی ہیر پھیر اے، تے باؤ مٹی دا ڈھیر اے، بھابھی دے نعرے وجن گے دشمن سارے بھجن گے، آ گئی بھابھی، چھا گئی..."

"غریب کی جورو، سب کی بھابھی۔" تو سنا ہی ہوگا آپ نے، مگر یہ "بھابھی" کسی غریب غربا کی زوجہ محترمہ نہیں ہیں، یہ محترمہ اپنے علاقے کی بہت مشہور و معروف ہستی ہیں۔

"جگت بھابھی" کہہ سکتے ہیں انہیں آپ، علاقے کے سابق ناظم اعلیٰ باؤ رفیق کی بڑی بھابھی ہونے کا اعزاز تو شروع سے ہی حاصل رہا تھا انہیں اب رہی کسر ان بلدیاتی الیکشنوں کے شوروغوغا نے پوری کردی۔

جوں ہی بلدیاتی الیکشنز کروائے جانے کی خبریں مختلف نیوز، چینلز اور اخباروں کی شہ سرخیاں اور بریکنگ نیوز بنی، بھابھی کی ساری سوئی ہوئی حسیات نعرہ، مستانہ لگا کر بیدار ہوگئیں، اُدھر ان کے دیور راجہ باؤ رفیق صاحب ایک بار پھر پرجوش اور پرعزم ہوکر میدان عمل میں کودنے کے لئے پر پرزے تول رہے تھے اور اِدھر بھابھی صاحبہ، خوابوں خیالوں میں خود کو علاقے کی مشہور و معروف ناظم اعلیٰ محترمہ رضوانہ رحیم، ایم پی اے، ایم این اے یا کم از کم لیڈی کونسلر کے روپ میں دیکھ دیکھ کر پھولے نہیں سمارہی تھیں اور اگر وہ ایسا کر بھی رہی تھیں تو اس میں ان کا کیا قصور بھلا، ارے بھئی! وہ خود تو نہیں چاہتی تھیں ناں، سیاست کے اکھاڑے میں اترنا، اور وہ بھی باؤ فیقے کی جگہ۔

یہ ساری شدنی تو ان کے مداحین، ان کی سہیلیوں اور ان کے شوہروں نے پھیلائی تھی، ارے آپ کو یقین نہیں آرہا؟ اوہو، ہاں بھئی، سچ کہتے ہیں آپ بھی، آپ بھلا کہاں جانتے ہیں بھابھی اور ان کے اہل علاقہ کو اور نہ ہی آپ باؤ رفیق اور ان کے رفقاء کار کو جانتے ہیں، چلیں کوئی بات نہیں، ابھی ہم ہیں ناں، ہم کس مرض کی دوا ہیں بھلا۔

☆☆☆

یہ سمن آباد کا خاصا گنجان آباد اور مصروف علاقہ تھا، جب بھابھی بیاہ کر یہاں آئی تو پہلے پہل وہ گھبرا ہی گئیں، انہیں یہ گھر، جس میں وہ نئی نئی وارد ہوئی تھیں، گھر کم اور سرائے زیادہ لگتا تھا، جسے دیکھو جب دیکھو منہ اٹھائے چلا آرہا ہے۔

خالہ سلام، چاچی سلام، مامی سلام، پھوپھی سلام اور اب ان سارے سلاموں کے ساتھ بھابھی سلام کا نعرہ بھی ضرور گونجتا، وہ اتنے زور دار اور با آواز بلند بھیجی گئی، سلامتی کا جواب ابھی منہ ہی منہ میں بدبدا ہی رہی ہوتیں کہ ان کی ساس صاحبہ کی کوئی نئی بھانجی، بھتیجی یا اسی نوع کی کوئی اور ہستی آن وارد ہوتی۔

اب ان کی ساس بے چاری بھی کیا کرتی، کیسے بھلا کسی کو منع کرسکتی تھیں کہ۔

"بی بی---- بیٹا! وقت اور ویلا دیکھ کر انٹری دیا کرو، اب میں اکیلی نہیں ہوتی، خیر سے بہورانی (بہورانی) بھی پائی جاتی ہے یہاں۔" مگر اب کیا ہوسکتا تھا، وہ پنجابی کی مشہور کہاوت ہے ناں۔

"عادت پئی کڑی نوں، نہ چاندی بڈھی اڑی نوں۔" (بچپن میں پڑی عادتیں، بڑھاپے تک ساتھ نبھاتی ہیں) تو بس یہ والا ہی معاملہ تھا، گلی محلے کی عادات تو وہ پہلے ہی خراب کرچکی تھیں، اب ٹوٹتی کیسے بھلا، بھابھی کی ساسو ماں بھی جگت اماں تھیں اور پھر آہستہ آہستہ یہ منصب بھابھی کی طرف منتقل ہوگیا۔

ان کے سسر مرحوم بھی اپنی زندگی میں علاقے بھر کے ایسے معتبر اور معزز ہستی رہے تھے، جن کے پاس ہر کوئی اپنا مسئلہ لے کر آتا اور وہ دامے، ورمے، سخنے اس کی مدد کرتے تھے، واقعی ان کے در سے کبھی کوئی خالی ہاتھ نہ لوٹا تھا اور یہی حال ان کی بیگم اور پھر دونوں بیٹوں کا بھی تھا، ان کے بعد یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا تھا، کہ ان میں مزے دار ساٹوئسٹ تو اس وقت آیا، جب ان کے چھوٹے بیٹے باؤ رفیق نے اہل علاقہ کے پر زور اصرار پر الیکشن میں حصہ لیا اور مزے کی بات کہ کامیاب بھی ہو گیا، اب تو ان کی شان ہی اور ہو گئی، جدھر سے گزرتے ٹھکا ٹھک سلام، دھن علیحدہ چھپر پھاڑ کر برس رہا تھا اور پھر رہی کسر ان کے آنے والے تابڑ توڑ رشتوں نے پوری کر دی، اماں تو بوکھلائی ہی، بھابھی کی آنکھیں بھی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، جب مخالف پارٹی کے سربراہ صاحب، اپنی دختر نیک اختر کا رشتہ لے کر بنفس نفیس خود تشریف لے آئے۔

ہاں، لو بھلا، ایسا بھی کبھی ہوا ہے، سیاسی میدان میں دو انتہائی درجے کے مخالفین اور رشتہ؟ مگر یہ رشتہ تو ہونا ہی تھا، کیونکہ اوپر والے کی مہر اس پر لگ ہی چکی تھی، باؤ رفیق اور باؤ رحیم بھی بڑے پرجوش ہو رہے تھے۔

''ارے ماں جی! آپ کو نہیں پتا، سیاست میں سب چلتا ہے عوام کو دکھانے کے لئے اوپر اوپر سے منہ ماری اور الزام تراشیاں کی جاتی ہیں، مگر اندر سے سب ایک ہی ہوتے ہیں، فکر نہ کریں، ہمارے ووٹ کہیں نہیں جاتے بلکہ رفیق کی شادی کے بعد دیکھنا آپ مخالفین کے ووٹ بھی ہماری ہی جھولی میں آن گریں گے، آخر کو داماد ہو گا ان کا اپنا باؤ رفیق، تو کیا سسر صاحب داماد کو جتوانا پسند نہیں کریں گے بھلا اور پھر ترپ کا پتہ، ان کی بیٹی تو ہو گی ہی ہمارے ہاتھ میں، خود ہی کر لے گی سب ہینڈل۔'' جی یہ بھاؤ رحیم تھے، کم سخن اور سنجیدہ مزاج، ہائے ری بی بی سیاست تیرے تو کھیل واقعی ہی بڑے نرالے ہیں۔

اماں تو حیران ہی ہوئی تھیں، بھابھی تو پریشان بھی ہو گئیں اور پھر جلد ہی ان کی پریشانیوں کو دو چند کرنے کے لئے ان کی اکلوتی دیورانی صاحبہ، ان کے باؤ رفیق کی رفیقہ حیات، عزیزی عذرا پروین خوب دھوم دھڑکے کے ساتھ تشریف لے آئیں، ایک تو اکلوتا دیور اور پھر اتنی اہم پوسٹ پر فائز، عزت، شہرت، دولت جس کی وجہ سے ان کے گھر کی باندیاں بنیں، ہاتھ جوڑے، سر نہواڑے ان کی دہلیز پر ہی براجمان رہتی تھیں، وہ بھلا کیسے لاتعلق رہ سکتی تھیں اس کی شادی سے، سو خوب جم کر لڈیاں ڈالیں، بھر بھر تھال لڈو پیڑے بانٹے اور پورے شگنوں کے ساتھ کشادہ دل اور کھلی بانہوں کے ساتھ عذرا پروین کو بیاہ لائیں۔

☆☆☆

دیور جی کی شادی کے شروع کے دن، دیورانی جی کے نخرے، ادائیں اور نزاکتیں اور بات بات میں، میرے ابا جی یہ میرے ابا جی وہ، پہلے پہل تو وہ خود پر جبر کر کے برداشت کرتی رہیں مگر کب تک، جیسے ہی دیورانی صاحبہ نے گھر کے ساتھ ساتھ باہر بھی ان کی جگہ لینے کی جسارت کی، وہ کھول کر رہ گئیں، بھئی آخر کو پچھلے سات سالوں سے تو وہ ہی محلے بھر کی بھابھی تھیں. اگر کسی ہمسائی کو گھریلو مسئلہ ہوتی، مشورہ بھابھی کے پاس تیار، اگر کسی کے شوہر، بھائی یا باپ کو کوئی کاروباری یا آفیشل مسئلہ درپیش ہو تو، بھابھی کے تھرو کی گئی، سفارش کامیاب اور ان کا مسئلہ ہفتوں نہیں، دنوں میں حل، اگر کسی بہو،

ساس سے یا نند کی بھابھی سے جنگ ہو گئی تو صلح صفائی کے لئے بھابھی کی طرف کارندے دوڑائے جاتے، کسی کے بچے کے داخلے کا مسئلہ ہو، بھابھی کو ساتھ لے جاؤ، مسئلہ حل، بچہ داخل اور تو اور اگر کسی کی بیٹی کے رشتے کی بات چل نکلے، تو اس کی ہونے والی سسرال کا بھابھی سے ٹاکرا کروا دو بس، لڑکی کے سسرال والے مٹھی میں، یعنی کہ ہر جگہ، ہر وقت بس بھابھی ہی بھابھی کا رولا پڑا رہتا، مگر اب۔

''روتے ہیں چھم چھم نین، اجڑ گیا چین اے۔'' کے مصداق بھابھی اپنی نشست غیر محسوس انداز میں ''عذرا پروین'' کے قبضے میں جاتی دیکھ رہی تھیں، مگر کچھ کر نہ پا رہی تھیں کہ عذرا کے پاس پوری کی پوری ''ویٹو پاور'' تھی، کیونکہ وہ ہر جگہ برملا کہتی پھرتی تھی کہ۔

''میرا ابا ماضی کا سیاستدان، میرا بندہ حال کا سیاستدان اور میں مستقبل کی سیاستدان، سیاست تو میرے گھر کا کھیل ہے۔'' اب بھلا دیورانی جی کے اس کھلے ڈلے چیلنج کے بعد بھی اگر بھابھی کوئی عملی قدم نہ اٹھاتی تو پھر کیا کرتیں بھلا اور پھر اس پر ان کے سابقہ مداحین، ان کی ہمسائیاں، پکی سہیلیاں اور وہ سارے گلی محلے کے دیور حضرات، جو اکثر و بیشتر اپنے کاموں کے لئے انہیں وقتاً فوقتاً تکلیف دیتے رہتے تھے، وہ سب ان کے دل سے حامی تھے اور ان کے ایماء پر ہی تو وہ اس نہج پر سوچ پائی تھیں اور پھر جیسے ہی بلدیاتی الیکشنز کے انعقاد کا اعلان ہوا، بھابھی بیگم بھی ''میدان سیاست'' میں کود پڑیں۔

''وے باؤ! اس بار میرے کاغذات نامزدگی جمع کرواؤ، میں نے کہہ دیا ہے، پہلا حق میرا ہے ''لیڈی جج'' کی کرسی پر، تیری زنانی اگلی واری کوشش کر لے، مگر اس بار تو میں ہی کھڑی ہوں گی الیکشنوں میں اور جیتوں گی بھی میں ہی، بس کہہ دیا ہے میں نے۔''

عین اس وقت جب باؤ رفیق صاحب اپنی پارٹی کے سرکردہ اور اہم افراد کے ساتھ بیٹھے اہم اور ضروری مسائل پر غور فرما رہے تھے۔

''ٹھاہ۔'' کی زوردار آواز کے ساتھ بیٹھک کا دروازہ کھولتی بھابھی صاحبہ آن وارد ہوئیں۔

''او بسمہ اللہ، بسمہ اللہ جی آیاں نوں بھابھی صاحبہ، یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ آپ بھی ہماری ہی پارٹی کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑنا چاہتی ہیں، آئیں جی آئیں، بیٹھ کر بات کرتے ہیں جی۔'' اس سے پہلے کہ باؤ رفیق یا باؤ رحیم ساری سچویشن کو سمجھتے اور اسے اپنے طریقے سے ہینڈل کرنے کی کوشش کرتے، ان کی پارٹی کے ٹکٹ پر جیتے ہوئے وزیر اطلاعات و نشریات خواجہ صاحب فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور کانوں تک باچھیں چیرتے ہوئے، خوش اخلاقی کے سابقہ تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے انہیں ویلکم کہہ چکے تھے۔

''اب آیا تھا صحیح اونٹ پہاڑ کے نیچے'' کہ اب اگر وہ دونوں بھابھی کو منع کرتے یا انہیں کوئی لارا لپا لگانے کی کوشش کرتے تو عین ممکن تھا کہ پارٹی کی ہمدردیوں سے محروم ہو جاتے اور اگر ان کی جگہ عذرا پروین کا نام لیتے (پیش کرتے) جیسا کہ عذرا کے ابا جی کے ساتھ ڈیل ہو چکی تھی، تو محلے برادری کے سارے ووٹ ان کے ہاتھ سے نکلتے نظر آ رہے تھے کہ یہ تو وہ بھی دل سے مانتے تھے کہ عذرا ابھی تک اہل علاقہ کے دل میں وہ مقام نہیں بنا پائی تھی جو بھابھی اپنے شبانہ روز خدمت سے بنا چکی تھیں۔

اور بھابھی کو یوں عین عروج محفل کے وقت ڈرامائی انداز میں انٹری دیتے دیکھ ایک

طرف بیٹھی ''مستقبل کی سیاستدان'' عذرا پروین، زوجہ باؤ رفیق کے تن بدن میں آگ بھڑک اٹھی، گمان غالب تھا کہ وہ جلتی بھنتی اور بولتی بکتی (بیٹھک) چھوڑ کر ہی بھاگ جاتی، مگر اس کے دونوں طرف بیٹھے باؤ رفیق اور باؤ رحیم نے مضبوطی سے اس کی کہنیاں تھام کر اس کی ہر کوشش ناکام بنا دی، پھر باقی کا سارا وقت وہ کینہ توز نگاہوں سے بھابھی کو ہی گھورتی رہی تھی، جو بڑے حربے سے اپنی تعلیمی اسناد اور تمام ضروری ڈاکومنٹس وزیر اطلاعات و نشریات کی خدمت میں پیش کر رہی تھی۔

''لو جی! یہ بات تو ہو گئی فائنل، باؤ رفیق اور باؤ رحیم صاحب کہ ہماری پارٹی کی طرف سے اس علاقے کی اگلی خاتون امیدوار کا ٹکٹ بھابھی رضوانہ رحیم صاحبہ کو ہی دیا جائے گا، اب رہ گئیں، محترمہ عذرا پروین صاحبہ تے یہ اپنے والد کی طرف سے کھڑی ہو جائیں، یا پھر چاہیں تو آزاد امیدوار کے طور پر بھی ٹرائی کر سکتی ہیں، بھئی ہمارا تو پکا پکا ووٹ رضوانہ بھابھی کے لئے ہی ہے۔'' خواجہ صاحب نے دانت نکوستے ہوئے ایک بار پھر بھابھی میں پھونک بھر دی تھی۔

''بھابھی جی! اب آپ پکی رہیئے گا اور تندی باد مخالف سے بالکل نہ گھبرایئے گا، ارے یہ تو آپ کو اور زیادہ اور زیادہ اونچا اڑانے کے لئے چلے گی ہی چلے گی، آپ بالکل بھی نہ ڈریئے گا، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔''

لو جی! یہ خواجہ صاحب کیا کم تھے، بھابھی کو پھلانے کے لئے کہ ان کے حواری بھی کود پڑے خوشامدی بیانات کے ساتھ انہیں چنے کے جھاڑ پر چڑھانے کے لئے۔

☆☆☆

پھر واقعی بھابھی نے ''زنانہ وار'' ہر مخالفت، ہر تنقید کا مقابلہ کیا۔

اوہو بھئی، پھر نہیں سمجھے، بھئی ''زنانہ وار'' کا مطلب زنانہ وار ہی ہوتا ہے، گالیوں، کوسنوں اور آنسوؤں سے بڑا بھی کوئی ''زنانہ ہتھیار'' ہوا ہے بھلا اور بھابھی بیگم نے ان سب ہتھیاروں کا بلا خوف خطر مقابلہ کیا اور اپنے ''مخالفین'' کے چھکے چھڑوانے میں آخر کار کامیاب ہو ہی گئیں، وہ تو پہلے ہی بہت مصروف رہتی تھیں، اب تو نہ ان کے دن اپنے رہے نہ راتیں، کاغذات نامزدگی جمع کروانا، پھر الیکشن کمیشن کے اوکھے اوکھے سوالات کے تابڑ توڑ حملوں سے خود کو بحفاظت نکال لانا اور پھر حسب وعدہ پارٹی کا ٹکٹ بھی حاصل کر لینا، کوئی آسان کام نہ تھے، مگر بھابھی نے اپنے بل بوتے پر یہ سب کر ہی دکھایا۔

ہاں جی اپنے ہی بل بوتے پر، کیونکہ کاغذات نامزدگی تک تو بے شک وہ دیور جی اور شوہر جی کے ساتھ ہی ہر جگہ آتی جاتی رہی تھیں، مگر منہ زوروں کے شالا جتو یا پھرے ہوتے تھے، یہ علیحدہ بات کہ رات کو بیٹھک میں بیٹھ کر سیاست کے داؤ پیچ اور رموز اوقاف، ان کے دیور جی نے ہی سکھائے تھے انہیں، جی ہاں جی، باؤ رحیم نے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ۔

''سیاست میں سب چلتا ہے۔''

☆☆☆

اور پھر جیسے جیسے الیکشن کے دن قریب آتے جا رہے تھے، ان کی کمپین زور پکڑتی جا رہی تھی، عذرا پروین نے بظاہر تو خوب ہنگامہ کھڑا کیا تھا، سب سے ناراض ہو کر میکے بھی جا بیٹھی تھی، مگر یہ سب بھی سیاسی ڈرامہ بازی ہی تھی۔

ارے بھئی، گھر کے ووٹ کون توڑتا ہے بھلا اور پھر لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے، ان کے جذبے اور جوش کو ابھارنے کے لئے، ایسے چھوٹے موٹے ڈرامے تو کرنے ہی پڑتے ہیں ناں، یہ سب گر بلکہ سیاسی گر انہیں عذرا پروین، زوجہ باؤ رفیق کے ابا جی سابقہ صدر حزب اختلاف جناب عزت ماب الحاج رسول بخش صاحب نے ہی تو سکھائے تھے اور ان کے بتائے گئے سارے گر بے مثال اور لاجواب ہی تو تھے، جن کی وجہ سے انہیں فائدہ ہی فائدہ حاصل ہو رہا تھا اور پھر ان کے ایما پر ہی عذرا پروین نے بھی بھابھی کے مدمقابل آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑی ہونے کا اعلان کر کے چھکا لگا ہی دیا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ ایک ہی گھر سے تین تین امیدوار ایک ہی چھت پر لگے تین انتخابی نشانوں والے لہراتے جھنڈے اور ایک ہی بیٹھک میں مختلف اوقات میں منعقد ہونے والی کارنر میٹنگز اور پھر ایک ہی محلے میں گونجتے تین مختلف لیڈران کے حق اور مخالفت کے نعرے اور مزے دار صورت حال تو اس وقت بن جاتی جب ایک گلی سے بھابھی کے جانثار کارکن بھابھی کے انتخابی نشان والے جھنڈے اٹھائے ان کے حق میں نعرے لگاتے برآمد ہوتے اور پورا علاقہ گونج اٹھتا۔

''بھابھی ساڈی آوے ای آوے، بھابھی دے نعرے وجن گے، دشمن سارے بھجن (بھاگیں) گے، باؤ جی جان دیئو، بن بھابھی دی واری آن دیئو، بھابھی ساڈی شیر اے، باقی سب ہیر پھیر اے۔'' اور اسی لمحے دوسری گلی سے عذرا پروین عرف باجی کے حمایتی اس کے انتخابی نشان والے جھنڈے لہراتے آن برآمد ہوتے۔

''آ گئی باجی، چھا گئی باجی، دھوم ہر سو مچا گئی باجی، باجی ساڈی آوے ای آوے...'' اور عین اسی جوش جذبے کا اظہار ببانگ دہل کرتی تیسری ٹولی کسی اور کونے سے اچانک برآمد ہوتی اور پھر دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ جاتے، ڈھولوں کی تھاپوں اور تالیوں کی گونج میں وہ سارے نعرے آپس میں یوں گڈمڈ ہو جاتے کہ سمجھ میں ہی نہ آتا کہ کون کیا کہہ رہا ہے۔

وہ تینوں لاکھ جلسے جلوسوں میں ایک دوسرے کے خلاف تقریریں کرتے پھرتے، لاکھ ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر ناک منہ چڑھاتے، مگر جیسے ہی گھر کے اندر داخل ہوتے، ہاتھ پر ہاتھ مار کر قہقہہ ضرور لگاتے اور باہر میدان عمل میں ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوتے، ایک دوسرے کے بلاتکلف گریبان اور سر پھاڑتے ان کے جیالے، متوالے، پرجوش کارکنان اگر غلطی سے بھی ان کو اس طرح شیر و شکر دیکھ پاتے تو شاید ان کا سارے سیاسی عمل سے بھروسہ ہی اٹھ جاتا۔

☆☆☆

بھابھی، باؤ رفیق اور عذرا پروین کی الیکشن کمپین خوب زور و شور سے جاری و ساری تھی، اہل علاقہ حیران پریشان کہ آخر ووٹ دیں تو کس کو دیں، صرف ان کے ہی نہیں لگتا تھا ہر گھر میں ہی دو دو تین تین پارٹیاں بن چکی تھیں، کہیں ساس صاحبہ، بھابھی کی پارٹی سے وابستہ، تو ان کی بہو رانی وہیں ان کے سامنے ہی بیٹھ کر باجی عذرا پروین کی تعریفوں میں مگن ہوتیں اور پھر دونوں اپنی لیڈروں کی شان میں قصیدہ گوئی کرتے کرتے، اتنا آگے بڑھ جاتیں کہ ان دونوں کو بھول، اپنے اگلے پچھلے سارے حساب کتاب بے باک کرنے چل دوڑتیں، کہیں باپ بیٹے اور بھائی بھائی کے درمیان معرکے ہو رہے ہوتے، مگر ایک فریق ہار ماننے کو تیار ہوتا اور نہ ہی دوسرا۔

پورے علاقے میں خوب چہل پہل تھی،

خوب رونق لگی رہتی دن رات جلسوں میں کھلے کھابے ملتے اور جلوسوں میں کھلے ڈلے نعرے چلتے، جیسے جیسے انتخابات نزدیک آتے جا رہے تھے، ویسے ویسے کارکنوں کے اندر کی وفاداریاں بھی چھلانگیں مار مار، اپنا آپ دکھانے کو امڈتی چلی آ رہی تھیں اور پھر جب اہل محلّہ اور اہل علاقہ بلکہ ساس بہوؤں اور دیورانیاں جیٹھانیاں، پوری طرح دو دھڑوں میں بٹ گئے سارے کے سارے، تو عذرا پروین صاحبہ نے ایکدم پلٹا کھایا اور اپنے ابا جی کے حکم پر بھابھی رضوانہ رحیم کے حق میں بیٹھنے کا اعلان داغ دیا۔

تمام نیوز چینلز پر ڈھن ڈھن اور ڈش ڈش کی آوازوں کے ساتھ بریکنگ نیوز چل گئیں، بے چارے اینکرز اور نیوز رپورٹر دوڑیں لگا لگا اور قیاسے لگا لگا کر کھپ گئے مگر اندر کی اسٹوری کوئی باہر نہ لا سکا اور وہ تمام کارکنان وہ تمام بہوئیں، دیورانیاں، منہ میں انگلیاں دابے اپنے اپنے ٹی وی اسکرینز کو گھورتی رہ گئیں جو کل تک عذرا پروین کے جھنڈے تلے اکٹھی ہو کر اپنی اپنی ساسوں اور جیٹھانیوں کے ساتھ دنگل لگائے رکھتی تھی، اب ان سے نگاہیں چراتی عذرا بی بی کا بیان سن رہی تھیں جو کسی رپورٹر کے سوال کا بڑی متانت سے جواب دے رہی تھیں۔

''لے دس بھلا، جے آخر میں آ کر انہوں نے اسی طرح اکومک ہو جانا تھا تو پھر ہمارے گھروں میں فساد کیوں ڈلوایا بھلا، دیکھیں نہ ذرا کل تک کیسے بھابھی کے خلاف نعرے لگواتی تھیں اور کیسی کیسی تقریریں فرماتی پھرتی تھیں اس کے خلاف اور اب سب کچھ، بھول بھال اسی بھابھی کی تعریفوں پر تعریفیں کیے جا رہی ہیں میڈم جی، لو ہمیں کیا پتا تھا بھلا کہ آخیر یہ ہونی ہے، تو ہم بھی اپنے گھروں میں پواڑے نہ ڈالتے کبھی۔'' خالدہ نے ایک عرصے کے بعد اپنی جیٹھانی کو پہلے والے لب ولہجہ سے مخاطب کرتے ہوئے کہا تو جو خود ابھی تک حیران ہو رہی تھیں۔

''چھوڑو خالدہ! میں تو تمہیں ہی کہتی تھی، یہ سیاست کا کھیل ایسا ہی ہوتا ہے، یہاں کچھ بھی حرف آخر نہیں ہوتا، کب کل کے دشمن آج کے دوست بن جائیں اور کب کل کے دوست آج کے دشمن، یہ کوئی نہیں سمجھ سکتا، مگر تم میری بات مانتی ہی نہیں تھیں، اب دیکھو لو خود ہی، رنگ بدل رہا ہے آسمان کیسے کیسے۔'' اور وہ اکیلی کیا، یہاں تو سب ہی حق دق دیکھ رہے تھے آسمان کو لمحہ بہ لمحہ رنگ بدلتے ہوئے۔

☆☆☆

''ووٹ ہر انسان کا بنیادی اور پیدائشی حق ہے، خواہ وہ کسی بھی رنگ ونسل، کسی بھی فرقے یا مسلک سے تعلق رکھتا ہو، اگر آپ کو اپنا کل بدلنا ہے تو آپ کو اپنے آج میں سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے لئے صحیح نمائندہ چننا ہوگا، یہ آپ کا فرض ہے اور آپ کے وطن کا آپ پر حق، ووٹ پاکستان، فار بیٹر پاکستان۔''

یہ اور اسی قسم کے سلوگنز بھی آج کل ہر چینل پر دکھائے جا رہے تھے اور جو ووٹرز کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہے تھے، پھر پرنٹ میڈیا کے ساتھ ساتھ الیکٹرانک میڈیا جس طرح اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے تھے، لگتا تھا اس بار کئی تاج اچھلیں گے، کئی برج گریں گے، بہت سوں کو تخت ملے گا تو بہت سوں کا دھڑن تختہ بھی ہو جائے گا، ایسے میں اگر پھر خاندانی اور موروثی سیاست کے کھیل کھیلنے والے پھر سے جیت جائیں تو۔

واقعی ٹھیک ہی کہتے ہیں کہنے والے کہ سیاست میں کچھ بھی حرف آخر نہیں ہوتا، مگر یہ شعور تو عوام کو ہونا ہی چاہئے کہ کون ہمارا ہمدرد ہے اور کون صرف ہمیں لوٹنے کے لئے میدان میں اترا ہے۔

☆☆☆

پولنگ بوتھ کے باہر بھابھی اپنے حامیوں کے ساتھ نتائج کی منتظر تھیں، جبکہ ان کے کچھ ہی فاصلے پر ان کی مخالفت امیدوار بھی اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ موجود تھی اور اسے اپنی جیت کا پورا پورا یقین تھا، کیونکہ وہ شروع دن سے بھابھی اور عذرا پروین کے درمیانی سیاسی معرکوں کا اپنے طور پر فائدہ اٹھاتی آئی تھی، پھر تمام ووٹرز کو پولنگ بوتھس تک لانے لے جانے کے لئے اس نے کئی گاڑیاں اور رکشے کرائے پر حاصل کر رکھے تھے، جبکہ بھابھی کی طرف سے ایسا کوئی انتظام نہیں تھا، انہوں نے پہلے دن ہی سب کو صاف اور کھلے لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ۔

''ووٹ آپ سب کے پاس وطن کی امانت ہے، اسے رکشے ٹیکسی کے کرایوں، سڑکوں اور نالیوں کی مرمت کے وعدوں کھابوں اور مرغوں، چرغوں کے لالچ میں ضائع کرنے کی حماقت نہ کریں، یہ آپ کے پاس اپنے حقوق منوانے کے لئے زبردست طاقت ہے، اسے کسی جھوٹے، فریبی اور نوسرباز کی باتوں میں آ کر گنوا نہ بیٹھے گا، اگر آپ کو لگے کہ میں اور میرا خاندان آپ کے کسی کام آ رہا ہے اور آئندہ بھی آپ کے کام آ سکتا ہے تو ضرور ہمیں خدمت کا موقع دیجئے، ورنہ جو آپ کے خیال میں بہتر ہے اسے ضرور آزمائیں۔'' اور یہ تو سب ہی مانتے تھے کہ وہ ان کا خاندان، ان کے سسر سے لے کر ان تک سب ہی پورے خلوص اور سچائی کے ساتھ اپنے علاقے کے لوگوں کی خدمت پر ہمیشہ ہی کمربستہ رہتے تھے، لہٰذا ان کی مخالف امیدوار کے بانٹے گئے چکن قیمے کے نان، گرما گرم بریانی، ٹھنڈی ٹھار بوتلیں اڑاتے، پھر چائے، سموسے، پکوڑے اور مٹھائیاں پھڑکاتے اور ان کی ہائر کی گئی سواریوں پر مزے سے سفر کرنے کے باوجود، لوگوں نے ووٹ تو انہیں کو ڈالے تھے۔

اور پھر جیسے ہی نتیجے کا اعلان ہوا، بھابھی رضوانہ رحیم اور باؤ رفیق کے حامیوں نے ڈھولوں کی تھاپ اور بھنگڑے ڈالتے ہوئے پورا علاقہ سر پر اٹھا لیا۔

اس بار عوام نے واقعی اپنے ووٹ پاور کا درست استعمال کیا تھا، بغیر لالچ میں آئے بغیر ڈرے اور بغیر جھکے آخرکار عوام الناس نے اپنے لئے، اپنی آئندہ نسل کے لئے، ان کی فلاح کے لئے درست امیدوار چن ہی لیے تھے، جو واقعی خود کو ان کا خادم ہی سمجھتے تھے، پاور اور پیسے کے چکر میں پڑ کر ان کے مالک بننے کی کوشش نہیں کرتے تھے اور ان کی اس حب الوطنی کا انہیں انعام تو بہرحال ملنا ہی تھا، سو رب کی طرف سے دیے گئے اس انعام پر شکرانہ بھی واجب تھا اور وہ شکرانہ ادا بھی کر رہے تھے خلوص نیت اور دردمندی کے ساتھ اپنی اپنی پوزیشنز اور پاور کو عوام الناس کی فلاح وبہتری کے لئے استعمال کر کے۔

دوستو دعا کرو کہ عوام الناس کے اب کی بار چنے گئے نمائندے ایوان اقتدار میں آ کر، اقتدار کے نشے میں مست ہو کر پیچھے رہ جانے والے اپنے محسنوں کو بھول نہ جائیں، اقتدار کی مایا انہیں اکڑا نہ دے کہ پھر وہ کبھی جھک ہی نہ سکیں، نہ عوام کے سامنے اور نہ ہی اپنے رب کے حضور، کہ اب تک تو ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔

دعا کرو دوستو کہ اب کہ واقعی تبدیلی آ ہی جائے، دلوں میں نہیں، ذہنوں میں، دعا کرو، دعا کرو، دعا کرو، کہ یہ وقت دعا ہے۔

☆☆☆

عابی ناز

''فضہ یار! فرینڈ تو تمہاری کمال کی ہے، Wath a beauty?'' کسی لڑکے کے منہ سے اپنے لئے ایسے کمنٹس سن کر اس کے تو پسینے چھوٹ گئے، بے بسی سے ہتھیلیوں کو مسلتے ہوئے اس نے پہلو بدلا۔

''تم نے پہلے کیوں نہیں ملوایا کبھی اس سے؟ اس کا نام بھی اسی کی طرح cool اینڈ پریٹی ہے، نوشی۔'' نہایت بے باکی سے نظریں اس پر گاڑھے ہوئے اس لڑکے نے اس کا نام دہرایا تو اسے انتہائی زہر لگا، پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ یوں ہی بولڈ اور آر پار ہوتی نظروں سے اسے گھور رہا تھا اور ساتھ ہی وقتاً فوقتاً کوئی پھلجڑی بھی چھوڑ دیتا خود تو بالکل نارمل انداز میں فضہ سے مخاطب تھا مگر نوشی کی جان ہوا ہو رہی تھی اور اب وہ بیٹھی خود کو کوس رہی تھی کہ کیسے اور کیوں اس نے فضہ کی بات کا اعتبار کر لیا، فضہ نے اس سے جھوٹ کہا تھا کہ مارکیٹ تک چلنا ہے پلیز میرے ساتھ چلو اور نوشی اتنی ہی سادہ تھی کہ حامی بھر بیٹھی اور اب ہوٹل کی اس میز پر بیٹھے فضہ اور اس کے بوائے فرینڈ کی باتیں سنتی وہ بے تحاشا پچھتا رہی تھی۔

''کاش مجھے ہاسٹل کا راستہ معلوم ہوتا تو اس وقت کب کی ان دونوں پر چار حرف بھیج کر اکیلی چلی گئی ہوتی۔'' اس نے بھیگی پلکوں کو مزید جھکا لیا۔

''چل ایڈیٹ، بوائے فرینڈ میرا ہے اور لائن تو اس پر مار رہا ہے؟'' فضہ نے بھی دانت نکوستے ہوئے مصنوعی آنکھیں دکھائیں۔

''فضہ پلیز واپس چلو میری طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔'' بے چارگی کی آخری حدوں پر پہنچتے ہوئے نوشی نے کوئی چھٹی بار فضہ کی منت سماجت کی۔

''ارے یار! ریلیکس۔'' فضہ نے نوشی کو تسلی دی۔

''او جانم کیا ہو گیا آپ کی طبیعت کو؟ چلو آؤ میرے ساتھ میں تمہیں ہاسٹل چھوڑ آتا ہوں، فضہ ویٹ کرے گی تب تک میرا یہاں، کیوں فضہ؟''

''نو تھنکس میں فضہ کے بغیر کہیں نہیں جاؤں گی، چلو ناں فضہ۔'' نوشی نے تیزی سے اس کی بات کاٹ کر کہتے ہوئے پھر سے اسے کھینچا۔

''اوکے بابا اوکے، میں نومی کو منع کر دیتی ہوں وہ اب تمہارے متعلق بات نہیں کرے گا تم کھانا تو ختم کرو، تم نے تو کچھ لیا بھی نہیں، بیٹھو پلیز مجھے تو دو منٹ بات کر لینے دو۔'' فضہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے واپس بٹھایا، نومی اس کے پیلے ہوتے رنگ اور کپکپاتے ہاتھوں کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوا تھا جبھی بلند و بانگ قہقہہ لگایا۔

''یار! آج کے دور میں بھی کوئی لڑکی اتنی معصوم ہو سکتی ہے یا یہ صرف پوز کر رہی ہے؟'' نومی اس کی کنفیوژن مزید بڑھا رہا تھا۔

''شٹ اپ اٹ نومی، اب ہم اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔'' فضہ نے کہا۔

''کیوں نہیں کریں گے؟ یہ میری زبان ہے اور میری مرضی میں جس کے بارے میں جو چاہے بات کر سکتا ہوں بھئی، میں ایک آزاد کنٹری کا آزاد باشندہ ہوں۔'' وہ فضہ کی بات کو کسی خاطر میں نہ لایا تھا۔

''کم آن یار یہ ایسی لڑکی نہیں ہے؟'' فضہ بولی۔

''اے اے You listen to me یہ ایسی لڑکی یا ویسی لڑکی کچھ نہیں ہوتا ہو لڑکی ''ایک جیسی'' لڑکی ہی ہوتی ہے، got it?''۔

''اوفو باتوں میں تم سے کون جیتے گا، Anyways اب اگر تم اسی کے لئے بات کرو

گے تو میں اٹھ کر چلی جاؤں گی۔" فضہ نے وارن کیا۔

"نہیں نہیں جاناں، یہ ظلم مت کرنا، ہماری اس رومانٹک ڈیٹ کا ایسا بدمزہ انجام مجھ سے برداشت نہ ہو گا اور تمہاری ناراضگی تو میں کسی صورت نہیں سہہ سکتا۔" اس نے فی الفور فضہ کا دودھیا ملائم ہاتھ تھام لیا اور اس کی کھلی بے حیائی پر نوشی کٹ کر رہ گئی۔

"کاش میں یہاں آنے سے پہلے ہی کسی حادثے کا شکار ہو گئی ہوتی۔" اس نے دل سے دعا کی۔

"اگر اس وقت میرے خاندان کا کوئی فرد مجھے یہاں دیکھ لے تو؟" اس نے ایک جھرجھری لی اس سے آگے وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی، مگر اس وقت مزید پانچ منٹ خاموشی سے بیٹھنے، کڑھنے اور پچھتانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، اس نے اپنی لمبی چوڑی چادر کو ٹھیک سے اپنے گرد لپیٹ رکھا تھا لیکن نومی کی ندیدی اور چھچھوری نگاہیں پھر بھی کسی ایکسرے مشین کی طرح اندر تک معائنہ کرنا چاہ رہی تھیں اور شاید کر بھی رہی تھیں، جبکہ وہ صرف فضہ کی وجہ سے یہ سب جھیل رہی تھی، پانچ منٹ بعد وہ پھر واپسی کی رٹ لگا چکی تھی، اب کی بار فضہ کو ماننے ہی بنی، اگلے چند لمحوں میں وہ تقریباً اڑتی ہوئی فضہ اور نومی سے بہت پہلے ہوٹل کے بیرونی دروازے کے عبور کر گئی، یہ اس کی زندگی کی پہلی اور آخری بھول تھی، کہ اس نے بنا سوچے سمجھے کسی لڑکی پر اعتبار کر لیا تھا، اس کی روم میٹ فضہ یاسر نے آج جو ڈرامہ اس کے ساتھ کیا اس نے اسے کبھی نہ بھولنے والا سبق سکھا دیا تھا، اس نے سچے دل سے توبہ کی کہ آئندہ وہ یوں کسی کے ساتھ ہوسٹل سے باہر نہیں جائے گی۔

☆☆☆

ذونیرہ نوشی کا تعلق وڈیرا خاندان سے تھا جو اپنی رسم و رواج اور اصول پرستانہ زندگی میں کسی قسم کی نرمی کے قائل نہ تھے، نجانے کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد اسے اسلام آباد ہوسٹل میں شفٹ ہونے کی اجازت ملی تھی تاکہ وہ اپنا ماسٹرز ان انگلش کمپلیٹ کر سکے، اس نے بھی حتی المقدور اپنی ریت و رسوم کا پاس رکھا تھا اور کبھی بلا ضرورت کسی سے فرینک نہیں ہوئی تھی، فیملی کی عزت اور ساکھ کا لحاظ ہر وقت اس کے پیش نظر رہتا، خود نوشی بہت ریزرو اور مذہبی ذہنیت رکھنے والی لڑکی تھی چنانچہ کسی لڑکے سے دوستی یا بات چیت تو درکنار وہ لڑکیوں سے دوستی کے معاملے میں بھی بے حد محتاط تھی، اس کی روم میٹ فضہ ایسی حرکت کر سکتی ہے یہ تو اس کے گمان میں بھی نہ تھا اسی لئے جب فضہ نے کہا کہ اسے چند ضروری کتابیں لینے قریبی مارکیٹ جانا ہے تو نوشی بھی اس کے ہمراہ ہو لی کہ اسے بھی انگلش لٹریچر کے ساتھ ضروری نوٹس لینے تھے، مگر جب اس پر فضہ کی حقیقت آشکار ہوئی کہ وہ اسے اپنے ساتھ ڈیٹ پر لے کر آئی ہے تو اس کے ہاتھوں کے طوطے ہی اڑ گئے، اس پر مزاد نومی کی بے باک بولتی نگاہیں اور کھلے ڈھلے فحش جملے، اس نے وہیں بیٹھے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اس دن کے بعد وہ کبھی فضہ سے دوستی تو کیا کلام تک نہیں کرے گی اور اس نے ایسا ہی کیا، فضہ چند دن تک تو اسے مناتی مگر اس کی صاف جواب اور ناگواری کو دیکھ کر بالآخر خود ہی کنارہ کش ہو گئی۔

☆☆☆

فائنل ائیر کے ایگزامز سے فارغ ہو کر نوشی اپنے گھر واپس چلی آئی، اس واقعے کو تو اس نے کب کا بھلا دیا تھا، مگر اس سے حاصل ہونے والے سبق کو ہرگز فراموش نہ کیا اس نے اپنا

سوشل سرکل کچھ اور بھی محدود بلکہ بہت ہی محدود کر لیا تھا، رزلٹ اناؤنس ہوا تو نوشی فرسٹ ڈویژن سے کامیاب رہی، گھر اور گھرداری میں الجھ کر ایک سال کیسے گزر گیا پتہ نہیں چلا، احساس تو اس وقت ہوا جب نوشی کے بابا ملک اسحاق کے ایک دوست نے اپنے بیٹے کے لئے نوشی کو پسند کیا اور بہت جلد ہی منظوری کی مہر کے بعد نکاح کی تاریخ بھی مقرر کر دی گئی، چونکہ لڑکا آج کل میں امریکہ جانے والا تھا اس لئے بہت عجلت میں سب کچھ طے پایا، تمام امور بڑوں کے فیصلے اور مشورے سے انجام پانا ہی حویلی کا رواج تھا اس میں لڑکیوں اور بچوں کو مرضی کچھ حق نہیں رکھتی تھی، نوشی یوں بھی بہت شرمیلی اور فرمانبردار و اطاعت شعار تھی ایسے معاملات میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتی تھی سو خوشی خوشی سر تسلیم خم کر دیا، اسے صرف لڑکے کا نام بتایا گیا تھا وہ بھی مناہل (چھوٹی بہن) کی زبانی پتہ چلا تھا جو شرارت سے اسے "نعمان ریاض" کے نام سے چھیڑتی تھی، لمبے انتظار کے بعد آخر کار نکاح کا دن بھی آن پہنچا، شادی بڑی دھوم دھام سے کی گئی، ہر رسم ادا کی گئی، مہمانوں کا ایک جم غفیر تھا، پوری حویلی دلہن کی طرح سجی دھجی اور خوب مہمانوں سے بھری ہوئی تھی، نعمان حسن میں اگر یوسف ثانی تھا تو نوشی بھی کسی اپسرا سے کم ہرگز نہیں لگ رہی تھی، اس کے چہرے کی معصومیت اور آنکھوں کی چمک نمایاں ہو کر اسے پریوں جیسا پاکیزہ اور شفاف و اجلا روپ بخش رہی تھی، ہر کوئی اس چاند سورج کی جوڑی کو دیکھ کر دنگ تھا اور دل سے دعا گو بھی۔

کہ ایسی لاجواب جوڑی نظر بد سے بچی رہے، حویلی کا اصول تھا کہ دولہا دلہن نکاح کے بعد ہی ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں، یوں اکثر مشرقی لڑکیوں کی طرح نوشی بھی دولہا کو دیکھے بنا ہی دعاؤں کے سائے میں پیا گھر سدھار گئی۔

سسرال میں چند دیگر رسموں کے بعد جب منہ دکھائی کی رسم شروع ہوئی تو نوشی کی دھڑکن معمول سے کہیں تیز ہو گئی، ہونٹوں پر دھیمی سی شرمیلی مسکان اپنے آپ آٹھہری تھی، جھکی نظریں ہولے ہولے لرز رہی تھیں، جیسے پلکیں حیا کا بار اٹھانے سے قاصر ہوں چند لڑکیاں بالیاں دولہا کو آوازے کستے ہوئے شرارت آمیز لہجے میں تنگ کر رہی تھیں، مگر نعمان جواب تک خوب چہک چہک کر سب کی باتوں کا حاضر دماغی اور چستی سے بڑی بشاشت کے ساتھ جواب دے رہا تھا ایک دم سناٹے کی زد میں آ چکا تھا۔

"ہیلو؟ کھو گئے ناں بھابھی کے حسن دلفریب میں؟" کسی کزن نے اس کی محویت کو توڑا۔

"ہماری بھابھی ہے بھی تو چاند کا ٹکڑا۔" اس کی نند نے فخریہ کالر کھڑے کیے، کچھ اور لڑکیاں بھی کمنٹ پاس کر رہی تھیں جب اچانک نعمان کی دھاڑ نے سب کچھ ہلا کے رکھ دیا، سامنے رکھا وہ فل سائز مرر جو منہ دکھائی کے لئے دونوں کے درمیان مخمل پر رکھا گیا تھا نعمان کے ایک جھٹکے سے زمین پر گر کر چکنا چور ہوا تو وہاں پر موجود ہر شخص کو جیسے سانپ سونگھ گیا، نوشی نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں، وہ اپنا دولہناپا بھول کر کسی سہمی ہوئی ہرنی کی طرح نعمان کو دیکھنے لگی، جو اس وقت اس کے عین مقابل کھڑا تھا، نظریں اٹھیں تو نوشی آنکھ جھپکنا ہی بھول گئی، نکاح نامے پر دستخط کرتے وقت ایک پل کے لئے بھی اس کے ذہن کے کسی کونے کھدرے میں بھی یہ شائبہ تک نہ ابھرا تھا کہ اس کا ہونے والا شوہر "نعمان ریاض" فضہ کا وہی بوائے فرینڈ نومی ہو گا جسے وہ ہوٹل میں مل چکی ہے۔

”تم......تم میری بیوی نہیں ہو سکتی۔“ نومی چلایا۔

”ماما...... ماما کیا ہے یہ سب؟“ وہ حلق کے بل چیخا تو ردا بیگم ہولتی ہوئی آگے بڑھی۔

”کیا ہوا بیٹا؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ تم اسے جانتے ہو؟“

”جانتا؟ میں اسے بہت اچھی طرح جانتا بھی ہوں اور پہچانتا بھی، ایک نمبر کی آوارہ اور دھوکے باز لڑکی ہے یہ۔“ وہ بلا لحاظ و مروت اس کی ذات کی دھجیاں بھرے مجمعے میں اڑا رہا تھا، نوشی کے پاؤں تلے زمین رہی تھی نہ سر پر آسمان، سب کچھ جیسے آنکھوں کے سامنے گھوم کر رہ گیا ہو۔

”ماما میں اسے ایک منٹ کے لئے بھی اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتا وہ بھی As my wife never میں نے آپ کی بات پر ٹرسٹ کیا تھا ماما آپ کہ آپ مجھے ایسی لڑکی سے بیاہیں گی جسے کبھی کسی مرد نے دیکھا تک نہ ہوا ایک یہی تو خواہش رکھی تھی میں نے آپ کے سامنے کہ میری بیوی نیک، پاکدامن اور ان چھوئی ہو مگر آپ نے اس سڑک چھاپ، گلی گلی پھرنے والی اور ہوٹلنگ کرنے والی لڑکی سے میرا نکاح کروا دیا؟“ وہ بھڑک رہا تھا۔

”یہ کیسی باتیں کر رہے ہو تم نعمان تمہیں کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے یہ، نہایت شریف اور خاندانی لوگ ہیں۔“ ماما نے اسے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا سب مہمانوں کے سامنے یہ تماشا دیکھ کر انہیں سبکی اور شرمندگی ہو رہی تھی، مگر نعمان تو اس وقت آپے سے باہر ہو رہا تھا، وہ کسی بپھرے ہوئے شیر کی طرح دھاڑا۔

”مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہو رہی ہے، میں جس شکل کو ایک بار دیکھ لوں وہ زندگی بھر یاد رہتی ہے اور یہ تو پورا گھنٹہ میرے ساتھ ہوٹل میں ڈیٹ پر تھی، پھر اسے کیسے بھول سکتا ہوں میں؟ اگر میں نے کسی ایسی لڑکی کے ساتھ ہی شادی کرنی ہوتی تو اب تک اپنی زندگی میں آنے والی ہزاروں لڑکیوں یا سینکڑوں گرل فرینڈز میں سے ہی کسی کے ساتھ بہت پہلے کا کر چکا ہوتا، ایسی لڑکیاں گھروں میں بیوی بنا کر لانے کے لئے نہیں صرف دل بہلانے کے لئے ہوتی ہیں۔“

”بھائی آپ آرام سے بیٹھ کر بات کیجئے پلیز، ہمیں بتائیں اصل معاملہ کیا ہے کہاں دیکھا تھا آپ نے بھابھی کو؟“ نوشی کی نند آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔

نومی نے وہیں کھڑے کھڑے آدھے ادھورے سچ اور من گھڑت اضافی جھوٹ سمیت تمام بات بتائی تو سبھی حیرت کا مجسمہ بنے نوشی کو دیکھنے لگے کیا کیا نہ تھا ان سب کی نظروں میں، اس کے لئے؟

”بس کر دیں پلیز آپ مجھے تو کچھ کہنے کا موقع دیں میں نہیں جانتی تھی کہ فضہ مجھے اپنے ساتھ ہوٹل لے جائے گی میں نے جیسے ہی اس کی اصلیت کو جانا تو اسی دن اسی وقت اس لڑکی سے ہر تعلق واسطہ ختم کر دیا۔“ اس نے اپنی پوزیشن کلیئر کرنی چاہی۔

”سٹاپ دس ربش، میں تمہاری کسی بات پہ یقین نہیں کر سکتا، اگر تم اپنی فرینڈ کے بوائے فرینڈ کے ساتھ لنچ اور ہوٹلنگ کر سکتی ہو تو اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ کس حد تک جا سکتی ہو؟ نجانے کتنے لڑکوں کو پھسایا ہو گا تم نے۔“

”خدا کے لئے چپ ہو جائیں، اتنے گندے الزام تو مت لگائیں مجھ پر کہ میں خود سے ہی نظریں نہ ملا سکوں، میں جانتی ہوں مجھ سے وہ ایک غلطی سرزد ہوئی مگر وہ پہلی اور آخری

غلطی تھی اس کی اتنی بڑی سزا تو نہ دیں سب کے سامنے یوں رسوا نہ کریں مجھے۔“ منت بھرا لہجہ، کپکپاتی آواز اور آنسوؤں سے لبریز آنکھیں، اپنے خاندان کی عزت کا خیال اسے تل تل مار رہا تھا۔

ردا بیگم نے سب مہمانوں سے معذرت کرتے ہوئے انہیں ہال میں چل کر بیٹھنے کو کہا، اب کمرے میں صرف نومی، ذونیرہ نوشی اور نومی کے پیرنٹس تھے۔

”نومی بیٹا ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچو اور بیٹھ کر اس مسئلے پر بات کرو۔“ پاپا نے نومی کا کندھا تھپک کر ریلیکس کرنا چاہا۔

”نو پاپا نو موورڈسکشن میں ابھی اور اسی وقت اس لڑکی کو طلاق دیتا ہوں، میں نعمان ریاض بقائمی ہوش و حواس اپنی منکوحہ ذونیرہ نوشی کو طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔“ الفاظ تھے یا کوئی بم جو نوشی کے آگے پیچھے دائیں بائیں یکے بعد دیگرے پھوڑے جا رہے تھے۔

بند ہوتی آنکھوں اور سماعتوں کے ساتھ اس نے آخری منظر دیکھا نومی اپنے وکیل کو فون کر رہا تھا طلاق کے نوٹس بھجوانے کے لئے۔

اگلے چند گھنٹوں بعد وہ نو بیاہتا لڑکی جو من کی نگری میں کروڑوں سپنوں کی کلیاں کھلائے پیا دیس سدھاری تھی اب اجڑی ویران حالت میں واپس لوٹا دی گئی تھی، اس کے ماتھے پر صرف شادی کی پہلی رات کی طلاق کا ٹیکا ہی نہ تھا بلکہ ان گنت الزامات کا پرویا ہوا جھومر بھی سجا تھا، جسے دیکھ کر زمانے والے تو کیا خود نوشی کے گھر والے بھی اسے اپنانے کے لئے دل سے آمادہ نہ تھے، قصور کس کا تھا؟ یہ جاننے کی زحمت کسے گوارا تھی، سب لوگ صرف اتنا جانتے تھے کہ جسے سزا ملی ہے یقیناً اس کے جرم کے ثبوت پر ملی ہے۔

نعمان نے ڈنکے کی چوٹ پر اپنی آوارگی کا اعتراف کیا تھا مگر وہ پھر بھی معتبر رہا جبکہ نوشی کو انجانے میں لی گئی چند دن کی غلط صحبت کی سزا ساری عمر بھگتنا تھی، کیا یہی انصاف ہے؟

☆☆☆

قرۃ العین ہاشمی

چھوٹے سے صحن کو اچھی طرح دھو کر طوبیٰ وائپر لگا رہی تھی، جب پانی اچھی طرح سے خشک ہو گیا تو طوبیٰ نے وائپر سائیڈ پر رکھ کر ہاتھ دھوئے اور صحن کے بیچ میں کھڑے ہو کر سارے گھر پر ایک نظر ڈالی۔

دو مرلے میں بنا یہ ایک چھوٹا سا گھر تھا، جس میں دو چھوٹے کمرے اور سائیڈ پر بنا کچن اور سامنے کی طرف چھوٹا سا صحن، ریحان اور طوبیٰ کو یہاں آئے ابھی دو مہینے ہی ہوئے تھے، ریحان اور طوبیٰ کی شادی کو آٹھ سال گزر چکے تھے، ان کی بہت خوبصورت اور نٹ کھٹ سی بچیاں تھیں اور ان کے آنگن کی معصوم تتلیاں جو ہر طرف اڑتی پھرتی تھیں جن کے دم سے ہی ان کی زندگی میں رنگ تھے۔

طوبیٰ نے گھڑی میں ٹائم دیکھا، زیمل اور سیمل کی چھٹی کا ٹائم ہو رہا تھا، طوبیٰ نے جلدی سے اپنی چادر اوڑھی اور گھر کا لاک لگاتے، پاس ہی موجود سکول چلی گئی جو ایک گلی چھوڑ کر تھا، صبح آفس جاتے ہوئے ریحان بچیوں کو چھوڑ جاتا تھا اور واپسی پہ طوبیٰ لے آتی تھی، ریحان آج کل ویسے بھی دیر سے گھر آتا تھا، ایک تو نئی نئی جاب، جو بہت مشکل سے ملی تھی، تنخواہ بھی کافی کم تھی، سو ریحان کی کوشش تھی کہ گھر کا خرچہ چل سکے۔

مگر اکثر مہینہ بہت مشکل سے کھینچ تان کر ہی گزرتا تھا، ایسا نہیں تھا کہ ان کے حالات شروع سے خراب تھے، ریحان نے ایم بی اے کیا ہوا تھا اور ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر تھا، جہاں اسے شہر کے اچھے علاقے میں فلیٹ ملا ہوا تھا، چھوٹی سہی مگر اپنی کار بھی تھی، سیلری پیکج بہت اچھا تھا، ساتھ میں دوسری مراعات، زندگی بہت پرسکون اور خوبصورت تھی، دونوں بچیاں ایک مشہور سکول کی برانچ میں جاتی تھیں، مہنگا سکول، ائرکنڈیشنڈ ماحول اور اب چھوٹے سے محلے کے، عام سکول میں ایڈمٹ کرنا مشکل تھا، مگر طوبیٰ کی اچھی تربیت نے کافی حد تک مسئلے کو سنبھال لیا تھا، مگر بچیاں تھیں اکثر سکول سے واپس آ کر کسی نہ کسی بات پر پہلے سکول سے کمپیئر کرنے لگتی تھیں جسے طوبیٰ بہت سمجھ داری سے ہینڈل کر لیتی تھی۔

طوبیٰ شادی کر کے جوائنٹ فیملی میں گئی تھی، ریحان کے والدین حیات نہیں تھے، ریحان کے بڑے دو بھائی ابرار اور فیصل تھے جو شادی شدہ تھے اور ان کے بچوں سے ریحان کی بہت بنتی تھی، ریحان کی تین بہنیں بھی تھیں، جو شادی شدہ اور اپنے اپنے گھروں میں خوش و آباد تھیں، طوبیٰ سب کی مشترکہ پسند تھی، یہ شادی ٹوٹل ارینج میرج تھی، شادی کے بعد بھرے پُرے سسرال میں آ کر طوبیٰ بہت خوش ہو تیں، اکثر اس کی نندیں بھی آ جاتی، اس دن بہت رونق ہوتی، سارا گھر قہقہوں اور آوازوں سے گونجتا رہتا، نت نئے کھانے بنتے، بلکہ اکثر کوئی خاص ڈش بنائی جاتی تو سب کو بلا کر اکٹھا کیا جاتا، خوب رونق لگتی، چاند رات اور عید والے دنوں کی تو رونق ہی الگ ہوتی، عید کے دوسرے دن گرینڈ دعوت ہوتی تھی، خوب عیدیاں دی جاتیں اور لی بھی جاتیں، طوبیٰ کی بڑی جٹھانیاں مرینہ بھابھی اور بسمل

بھابھی، طوبیٰ سے کافی بڑی اور سمجھدار تھیں، بظاہر وہ بہت محبت سے ملتی جلتی تھیں، مگر دل میں مخصوص جلن اور حسد موجود تھی، جسے طوبیٰ اپنی سادگی میں محسوس ہی نہیں کر پاتی تھی۔

تینوں نندوں کو بھی انہوں نے اپنے ہاتھوں میں لیا ہوا تھا، ہاں مگر ان سب کے بچے طوبیٰ اور ریحان کے بہت قریب تھے، یہ گھر کافی بڑا تھا، دو پورشنز پر مشتمل تھا، ریحان کے لئے تیسرا پورشن ابھی زیر تعمیر تھا، مگر ابرار بھائی اور فیصل کو اپنے مشترکہ کاروبار کے لئے پیسے کی ضرورت تھی، سو جو پیسہ ریحان کے تیسرے پورشن کے لئے محفوظ تھا، ریحان نے وہ اپنے بھائیوں کو دے دیا، اسے ویسے بھی کمپنی کی طرف سے بہت اچھا اور لگژری فلیٹ مل گیا تھا، وہ طوبیٰ کو لے کر وہاں شفٹ ہو گیا، پہلے پہل طوبیٰ کافی اداس رہی، مگر آہستہ آہستہ ایڈجسٹ کر گئی، مگر ابھی بھی اکثر ایک دوسرے کو فون کر کے انوائیٹ کرتے رہتے تھے، طوبیٰ کو بڑی مرینہ بھابھی کے ہاتھ کی کڑھی بہت پسند تھی، طوبیٰ اکثر ان سے فرمائش کر کے پکواتی تھیں، جسے وہ بخوبی ہنس کر پورا کرتی تھیں، زیمل اور سیمل کی پیدائش نے ان کی زندگی کو مکمل کر دیا تھا، زندگی پرسکون جھیل کی طرح رواں دواں تھی۔

☆☆☆

زیمل اور سیمل تین سال کی ہوئی تو انہیں بہت اچھے سکول میں کروایا گیا، ریحان کی سیلری بہت اچھی تھی، مگر خرچے بھی اسی حساب سے تھے، کچھ دونوں میاں بیوی کو جمع کرنے کا بھی شوق نہیں تھا، اسی لئے دونوں کھلے ہاتھوں سے لٹاتے تھے، کبھی کسی کی سالگرہ آ رہی ہے، کبھی کچھ کبھی کچھ۔

مگر حالات نے ایک دم سے کروٹ لی،

کمپنی کو کافی نقصان اٹھانا پڑا جس کی وجہ سے کمپنی نے کافی لوگوں کو فارغ کر دیا، ان میں ریحان بھی شامل تھا، یہ بہت بڑا دھچکا تھا، جاب کے ساتھ ساتھ انہیں فلیٹ اور دوسری مراعات سے بھی ہاتھ دھونا پڑا، ان کا پورشن تو بنا ہی نہیں تھا جو ایک کمرہ بھی تھا، اسے گھر کے بچوں کے حوالے کر دیا گیا تھا، ریحان نے دبے لفظوں میں اپنے دونوں بڑے بھائیوں کے آگے یہ مسئلہ رکھا، دونوں بھائیوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا، ان کی بیویاں بھی ان کے ساتھ تھیں۔

ریحان کو امید تھی کہ وہ بخوشی اسے یہاں آنے کو کہیں گے، مگر ان کی کہی گئی بات نے ریحان کو ہلا کر رکھ دیا۔

بقول ان کے کہ یہ گھر ان دونوں بھائیوں نے اپنی محنت سے بنایا ہے، ریحان اپنا حصے کا بخوشی انہیں دے چکا ہے، جب ان کے پاس پیسے ہوں گے تو وہ اسے واپس کر دیں گے، فی الحال وہ کسی بھی طرح ریحان کی مدد نہیں کر سکتے تھے اور اس گھر میں پہلے ہی اتنے افراد ہیں کہ مزید ان کی جگہ نہیں نکلتی ہے۔

ریحان اور طوبیٰ ساکت رہ گئے، اس کڑے وقت میں، جہاں اپنوں کی ضرورت تھی، وہاں یہ خود غرضی اور بے گانگی بہت تکلیف دہ تھی، دونوں خاموشی سے اٹھ کر آ گئے، کسی نے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

☆☆☆

ریحان اور طوبیٰ نے بیٹھ کر حساب لگایا، ریحان کو کمپنی کی طرف سے جو رقم ملی تھی، کچھ طوبیٰ کا زیور تھا اور گاڑی کو بیچ کر بھی اتنی رقم نہیں بنتی تھی کہ وہ کسی اچھے علاقے میں گھر لے لیں۔

فی الحال ریحان نے نسبتاً سستے علاقے میں کرائے پر دو مرلے کا گھر لے لیا، گاڑی بیچ کر بائیک لے لی، بچوں کو محلے کے ہی سستے سکول میں کروا دیا۔

اور ایک اچھی سکیم میں پانچ مرلے کا پلاٹ لے لیا، اب ان کا ارادہ تھا کہ کمیٹیاں ڈال کر گھر کی تعمیر شروع کروا دیں گے۔

مگر فی الوقت ریحان کو جہاں جاب ملی تھی وہاں تنخواہ بہت کم اور محنت اور خواری زیادہ تھی مگر یہ بھی غنیمت تھا کہ نوکری مل گئی تھی، زندگی کبھی بھی رکتی نہیں ہے اور نہ زندگی جینے والوں کو رکنے دیتی ہے۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے ناں کہ ہم جن رشتوں کے ساتھ ایک عمر گزارتے ہیں، ایک دھند میں لپٹے ہمیں ملتے ہیں اور جب تک حقیقت کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ نہیں چمکتا، رشتوں کے گرد یہ دھند کبھی نہیں چھٹتی اور جب یہ دھند چھٹ جاتی ہے تب ہمیں پتا چلتا ہے کہ کون کتنا ہمارا ہے۔

ریحان اور طوبیٰ کے لئے بھی یہ وقت ایسا ہی ثابت ہوا تھا، اپنے بہن بھائیوں اور ان کی اولادوں کے بدلے رویئے، ریحان کو بہت کچھ باور کروا چکے تھے۔

☆☆☆

اس دن بھی ریحان اور طوبیٰ بہت اچانک اور بغیر بتائے، گھر چلے گئے، جہاں سب لوگ جمع تھے، حسب معمول کوئی خاص ڈش بنائی گئی تھی اور سب کو جمع کیا گیا تھا، مگر ریحان اور طوبیٰ کو بلانا بھول گئے تھے، پچھلے کچھ عرصے کی طرح وہ ریحان اور طوبیٰ کو اچانک سامنے دیکھ کر سب حیران رہ گئے اور کچھ شرمندہ بھی ہو گئے، مگر ریحان اور طوبیٰ انہیں وہاں شرمندہ کرنے نہیں آئے تھے، اسی لئے سب سے مل کر ریحان نے مٹھائی کا ڈبہ میز پر رکھا۔

''چلو اچھا ہوا کہ آپ سب یہاں ہی مل گئے، میں آپ سب سے اپنی خوشی شیئر کرنے آیا تھا۔'' ریحان نے مسکراتے ہوئے سب کے چہروں کی طرف دیکھا جس پر تجسس تھا۔

''مجھے دوبئی میں ایک بہت اچھی کمپنی میں جاب مل گئی ہے اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ وہ مجھے فیملی ویزا بھی دے رہے ہیں، انشاء اللہ دو ہفتے تک ہم دوبئی شفٹ کر جائیں گے اور اسی وجہ سے ہم آپ سے ملنے آئے تھے۔'' ریحان کی بات مکمل ہوتے ہی سب سناٹے سے نکل کر اپنی اپنی بولیاں بولنے لگے، ہر کوئی بڑھ چڑھ کر یہ ثابت کرنا چاہ رہا تھا کہ وہ ریحان کی خوشی میں سب سے زیادہ خوش ہے۔

ریحان اور طوبیٰ نے ایک نظر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور گہری سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''بچوں کو ٹیوشن سے واپس بھی لینا ہے، اسی لئے ہم چلتے ہیں دیر ہو رہی ہے۔'' ریحان نے کہا، طوبیٰ نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

مرینہ بھابھی اور بسمہ بھابھی جلدی سے آگے بڑھیں اور بولیں۔

''تم لوگ آج رات یہاں ہی رک جاؤ، ویسے بھی ویک اینڈ ہے، بچوں کو جا کر لے آتے ہیں، اچھا ہے وہ بھی خوش ہو جائیں گی۔'' بسمہ بھابھی نے طوبیٰ کا ہاتھ تھام کر روکنے کی کوشش کی۔

''نہیں بھابھی! وہ اپنے گھر میں زیادہ اچھا اور ایزی فیل کرتی ہیں، ویسے بھی دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں پیکنگ بھی کرنی ہے۔'' طوبیٰ نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

''ٹھہرو طوبیٰ!'' مرینہ بھابھی جلدی سے آگے بڑھیں۔

''آج میں نے تمہاری پسندیدہ کڑھی چاول بنائے ہیں، تمہیں ضرور پسند آئیں گے۔''

''نہیں بھابھی! بہت بہت شکریہ، میں نے وقت کے ساتھ جانا ہے کہ اصل ذائقہ کھانے میں نہیں ہوتا بلکہ جس خلوص اور محبت سے کسی کے لئے پکایا جاتا ہے ''ذائقہ'' اس ''اپنے پن'' میں ہوتا ہے اور شاید اسی لئے ہم ساری دنیا کے کھانے کھا کر بھی اپنی ماں کے ہاتھ کے ذائقے کو نہیں بھولتے ہیں اور ساری عمر اسی ذائقے کی تلاش میں رہتے ہیں، مگر خیر آپ نہیں سمجھے گی۔'' طوبیٰ نے نرمی سے مرینہ بھابھی کا ہاتھ تھپایا اور ریحان کے ساتھ باہر کی طرف چل پڑی۔

وہ جانتی تھی کہ جو بات پچھلے دو سالوں سے اپنوں کے سرد و گرم رویئے اور بدلتے رویئے دیکھ کر طوبیٰ نے سیکھی تھی، وہ کسی اور کو کیسے اتنی آسانی سے سمجھا سکتی تھی۔

مگر طوبیٰ مان چکی تھی کہ زندگی کا اصل ذائقہ اپنوں کے پیار اور اپنے پن میں ہی ہے، طوبیٰ کو مرینہ بھابھی کے ہاتھ کی کڑھی سے زیادہ ان کا اپنا پن اچھا لگتا تھا، سب کا مل بیٹھ کر ہنسنا بولنا اچھا لگتا تھا۔

یہی تو ہم انسانوں کا المیہ ہے کہ ہم صرف ظاہر کو ہی دیکھتے اور مانتے ہیں۔

اس ظاہر کا اصل کیا ہے اسے جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔

اسی لئے تو اصل ذائقوں سے محروم ہوتے جا رہے ہیں، ہم لوگ بیچارے دولت کے پجاری لوگ۔

☆☆☆

پانی میں گم

مصنف: نصیر احمد ناصر

تبصرہ: سیمیں کرن

خواب اگر پانی میں گم ہو جائیں تو کیا ہو؟ پانی میں گم خواب وہاں اک جزیرہ بنالیں گے، یہ خواب جزیروں سے بھیگی، ٹھنڈی، محبت کی داستانیں سمیٹے عجب سوز و نغمگی لئے یہ نظمیں نصیر احمد ناصر کی ہیں۔

نصیر احمد ناصر جدید اردو نظم کا اک انتہائی قابل احترام نام ہے ان کا اک اپنا جداگانہ اسلوب ہے جو اپنی شناخت بھیڑ میں بنانا جانتا ہے، نصیر احمد ناصر کی نظموں کا ترجمہ انگریزی، روسی، ہسپانوی، ازبک، فارسی ہندی اور دیگر کئی زبانوں میں ہو چکا ہے، "تسطیر" جیسے موقر و معتبر ادبی جریدے کے ایڈیٹر ہیں، اس کتاب کے علاوہ پانچ مزید کتب ہیں، اسی کی دہائی میں لکھی نصیر احمد ناصر کی یہ نظمیں جنہوں نے کئی ایسے تراکیب کو جنم دیا جن کو بعد میں آنے والے شعراء نے خواب استعمال کیا اور وہ کلیشے بن گئے، اس کتاب کا انتساب اپنی والدہ کے نام کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے۔

When i was born,
My mother wiped all
her tears whose wer
salinity has soaked all
mornings and evenings of
my future.

کتاب کا آغاز اک عجب انوکھی سی دعا کے ساتھ ہے اس مالک کائنات سے اک جذب میں یہ گفتگو دیکھیے۔

خدا اک آنسو میرا بارشوں میں بہا دے
خدا میرے لفظوں کو جگنو بنا دے
خدا مجھ کو پھولوں کی خوشبو بنا کر ہوا میں اڑا دے
خدا میری باتوں کو تتلی بنا دے
خدا موتیے کی طرح مسکرا دے
خدا میرے قدموں کو رستہ بنا دے
خدا میری آنکھوں کو نظمیں بنا دے

کچھ مختصر اور کچھ طویل نظمیں، نغمگی لئے ہوئے اک عجب اداسی کی فضا جیسے اداس خواب، آنکھیں خواب روشنی بارشوں جزیروں کی باتیں کرتی کہانیاں سناتی ہوئی ہیں یہ نظمیں، اک پرندہ نظم کی چند لائنیں۔

پرندے آ
پرندے آ
میرے ہونٹوں کی شاخوں پر
میری آنکھوں کے پنجروں میں
میرے الفاظ پیلے ہو چکے ہیں
میرے سب خواب نیلے ہو چکے ہیں
آ، انہیں شاداب ہونے کی بشارت دے
آ، انہیں اب دفن کرنے کی اجازت دے

ان لفظوں میں آپ کو بہت سے رنگوں کے خواب ملیں گے، خوابوں کی وسعت و ندرت کے ساتھ خوابوں کی بے بسی کا یہ احساس دیکھیے۔

خواب میں ہمیشہ بے بسی ہی کیوں ہوتی ہے
بھاگنا چاہیں تو
چیخنا چاہیں تو
بھاگ نہیں سکتے
چیخ نہیں سکتے

اور خوابوں کی اس بے بسی کا ادراک ہونے کے باوجود نصیر احمد ناصر اس بات پر قادر ہیں کہ "میں خوابوں کے اشجار بناؤں گا" جیسی نظم کہہ دیں، اس نظم کو دیکھیے پوری لائف کا احاطہ کرتی محسوس ہوتی ہے۔

دیکھ مسافر
تیرے بدن کی مٹی سے
مرنے سے پہلے
پھول اگانے آؤں گا
اپنے خواب
ہوا اور پانی کے پاس
امانت رکھ دینا
میں خوابوں کے اشجار بناؤں گا

اور جب نیند میں ڈوبی آنکھیں خوابوں میں گم اجل کی آواز سن لیں تو "خواب اور نیند کے درمیان صدائے مرگ" سی نظم تخلیق ہوتی ہے، اس کتاب میں جہاں "اک طویل کہانی کا کلائمکس" "شاعر" "ہم دونوں کے بیچ" اور سیاچ جیسی چھوٹی نظمیں ہیں تو "دھند کے پار" "پانی میں گم خواب" "ابھی اک خواب باقی ہے" اور "نظم کے لئے نظم" جیسی طویل اور اک انتہائی خوبصورت اچھوتی نظم بھی ہے۔

"نظم کے لئے نظم"

پوچھتی ہے
نظم کیا ہے؟
نظم اس کی خوبصورت ناک ہے
تربوز کی قاشوں سے دو ہونٹ اس کے نظم ہیں
آنکھوں میں پھیلا صاف ستھرا آسماں بھی نظم ہے
گہرے سلیٹی بادلوں جیسے گھنیرے بال اس کے
اور پیشانی افق سی نظم ہے
نظم بچوں کی شرارت
نظم بوڑھی عورتوں کی گفتگو ہے۔

اس نظم کو آخر تک پڑھتے جایئے نظم کی حکومت آپ کو کائنات میں ہر جانب پھیلی نظر آئے گی۔

اور نصیر احمد ناصر کی اک دریافت دیکھیے ان کی سوچ کی گہرائی و شدت کو محسوس کیجیے "ہوا موت سے ماورا ہے" کیا یہ واقعی اک دریافت نہیں کہ اس کائنات میں کوئی شے ایسی بھی ہے جس کو موت نہیں؟ اک ایسا شاعر جو "شاعر" کو کیسے مصور کرتا ہے۔

اک اپاہج، آوارہ
لفظوں کی بیساکھیاں تھامے
کاغذ کی سڑکوں پر
دوڑ رہا ہے

اور "گمشدہ نسلوں کی لوری" "آگ سے مکالمہ" اور "دھند کے پار" سی نظمیں ہیں جہاں آپ کو اپنے ارد گرد پھیلے دکھ نظر آئیں گے اور اتنی بہت سی خوبصورت نظموں کو لکھ لینے کے بعد نصیر احمد ناصر سوچتے ہیں۔

"سوچتا ہوں اک نظم لکھوں"

سوچتا ہوں اک نظم لکھوں
اور تقسیم کروں ان لفظوں کی
ان کی خاطر
جو بن لکھے اور پڑھے معتوب ہوتے تھے
جو بولتے رہنے کی خواہش میں خاموش ہوئے تھے

یہ اس کتاب کی آخری نظم ہے، منفرد اسلوب ولب ولہجہ و آہنگ کی یہ نظمیں جنہیں بے اختیار گنگنانے کو دل چاہے، قاری کو اپنی گرفت میں لینے کے ہنر سے آگاہ۔

☆☆☆

◇◇◇ توبیہ محمد ◇◇◇

القرآن

O اور ہم نے ایک آڑان کے سامنے کر دی اور ایک آڑان کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے (ہر طرف سے) ان کو (پردوں سے) گھیر دیا، سو وہ نہیں دیکھ سکتے اور ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، یہ ایمان نہ لائیں گے۔ (سورہ یٰسین ۹،۱۰)

O اور ان دونوں کے باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے سوائے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ (سورہ رحمٰن ۴۸،۴۹)

O یہ مقرب لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں ہو گا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں ہوں گے وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ (سورہ الواقعہ ۱۲ تا ۱۶)

سعدیہ جبار، ملتان

حضور اکرم ﷺ کی پسند

من پسند چیز دیکھ کر الحمدللہ رب العالمین فرماتے، تکیہ، تیل، خوشبو، دودھ اگر کوئی پیش کرتا تو قبول فرماتے۔

سفید رنگ کا لباس آپ کو بہت محبوب تھا اور سبز رنگ کا لباس بھی پسند فرماتے۔

مشک اور عود کی خوشبو کی زیادہ پسند فرماتے۔

سفر کے لئے جمعرات کا دن پسند فرماتے۔

عشاء سے پہلے نہیں سوتے تھے۔

زندگی کے اوقات تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے، ایک حصہ اللہ کی عبادت کے لئے، دوسرا گھر والوں کے لئے، معاشرتی حقوق کے لئے جن میں ہنسنا بولنا بھی تھا اور تیسرا اپنے نفس کی راحت کے لئے۔

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

فاتح عالم

ارسطو کے ہاں مختلف شہزادے زیر تعلیم تھے ایک روز ایک شہزادے سے ارسطو نے سوال کیا۔

"اگر تمہیں بادشاہت ملی تو میری تعلیمی خدمات کا کیا صلہ دو گے؟"

"میں تمام تر مہمات سلطنت میں آپ کے مشورے کو مقدم رکھوں گا۔" یہی سوال ارسطو نے دوسرے شہزادے سے کیا، اس نے جواب دیا۔

"میں آپ کو برابر کا شریک رکھوں گا۔"

جب سکندر کی باری آئی تو اس نے عرض کیا۔

"مجھ سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھا جائے کیونکہ اس کا فاعل حقیقی میں نہیں بلکہ خدائے برتر ہو گا۔" ارسطو اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا۔

"تیری اس دانائی کا جواب سب پر سبقت لے گیا اور مجھے تیرے اس جواب سے تیرے فاتح عالم ہونے کی خوشبو آتی ہے۔"

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

اٹل سچائی

☆ آخرت میں جنت اس کے حصے میں آئے گی جو دعوا پارسائی کرنے کے بجائے عمل کرتا ہے اور عمل میں جان پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

☆ تواضع سے سربلندی بڑھ جاتی ہے اور تکبر انسان کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

☆ سرکش گھوڑا سر کے بل گر جاتا ہے اس لئے بلندی کی ضرورت ہو تو بلندی کا دعوا کرنا چاہیے۔

☆ جو شخص دنیا کی موج و مستی میں مشغول ہو اس سے دین کا راستہ پوچھ کر خود کو گناہ گار نہیں کرنا چاہیے۔

☆ اگر آپ کو مقام حاصل کرنا ہے تو اپنے سوا کسی کو حقیر نہ سمجھیں۔

☆ اگر آپ کو مخلوق خوش خلق اور نیک طبع کہتی ہے تو اس سے زیادہ اونچے مقام کی توقع نہیں کرنا چاہیے۔

☆ جو لوگ آپ جیسے لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں آپ بھی اسے عزت دینے کو تیار نہیں ہوتے، اسی طرح اگر آپ کسی کو حقیر سمجھیں اور اس بات کے متمنی ہوں کہ دوسرا آپ کی عزت کرے عبث ہے

نازیہ کمال، حیدر آباد

کرن

اپنے لفظوں کی حفاظت کیجئے، کیونکہ لفظ آپ کی عادت بن جاتے ہیں، اپنی عادتوں کی حفاظت کریں، کیونکہ عادتیں آپ کا عمل بن جاتی ہیں، اپنے عملوں کی حفاظت کریں کیونکہ آپ کے عمل ہی آپ کی شخصیت بناتے ہیں۔

مریم رباب، خانیوال

حکایات سعدی

ایک دیہاتی کو میں نے بصرہ کے جوہری بازار میں دیکھا، اس نے بتایا کہ وہ ایک دن جنگل میں راستہ بھول گیا تھا اور میرے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی اپنی موت کا یقین ہو گیا کہ اچانک میں نے ایک تھیلی پائی جو موتیوں سے بھری ہوئی تھی میں ہرگز اس خوشی کو نہیں بھول سکتا کہ میں سمجھا اس میں بھنے ہوئے گندم ہیں پھر میں اس ناامیدی کو نہیں بھول سکتا جب مجھے معلوم ہوا کہ اس تھیلی میں موتی ہیں۔

ام خدیجہ، شاہدرہ لاہور

تمہارے لئے

وہی موسم ہے
بارش کی ہلکی
پیڑوں میں چھن چھن گونجتی ہے
ہری شاخیں ہرے پھول کے زیور پہن کر
تصور میں کسی کے مسکراتی ہیں
ہوا کی اوڑھنی کا رنگ پھر ہلکا گلابی ہے
شناسا باغ کو جاتا ہوا خوشبو بھرا رستہ
تمہاری راہ دیکھتا ہے
طلوع ماہ کی ساعت تمہاری منتظر ہے
نیک تمناؤں کے ہمراہ
نیا سال مبارک ہو

ثناء حیدر، سرگودھا

کچھ لوگ

☆ کچھ لوگ گھروں کی طرح ہوتے ہیں وہ چاہے ہم سے کتنی بھی دور کیوں نہ ہوں دل ان کی روح میں سمٹ جانے کے لئے بے چین رہتا ہے۔

☆ کچھ لوگ گلابوں کی طرح ہوتے ہیں ان کا نام لیتے ہی ہمارے اردگرد خوشبو پھیل جاتی ہے۔

☆ کچھ لوگ ستاروں کی طرح ہوتے ہیں جو دور سے چمکتے ہیں مگر ہمارے ہاتھ نہیں آتے۔

☆ کچھ لوگ گھٹاؤں کی طرح ہوتے ہیں جو

دوسروں پر اس طرح برستے ہیں کہ زندگی کی سخت دھوپ نرم چھاؤں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

☆ کچھ لوگ نگاہ کی طرح ہوتے ہیں وہ ساتھ ہوں تو اندھیروں میں بھی راستے مل جاتے ہیں۔

درثمن، میاں چنوں

سوچ ریزے

O شہر، دکھ اور محبتیں ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں کبھی پرانے نہیں ہوتے ہمیشہ نئے ہی لگتے ہیں۔

O پھول زخموں، یادوں، موسموں، رنگوں اور منظروں کو پرانا نہیں ہونے دیتے۔

O کبھی غور کریں تو کتنی عجیب بات کا پتہ چلے کہ بڑے سارے عذابوں، سارے اجاڑ اور ویرانوں کا تعلق پانیوں سے ہوتا ہے پانی جو بظاہر زندگی ہے اس میں کتنی موت چھپی ہوئی ہے ایسے ہی تو دکھوں اور خوشیوں کی انتہا پر آنکھیں پانیوں سے نہیں بھر آتیں۔

O ہر کوئی الفاظ کو اپنی سمجھ کے مطابق ڈھال لیتا ہے اس لئے ہر انسان کا نظریہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

O منفرد لوگوں کو ہمیشہ مار سہنی پڑتی ہے طعنوں کی یا تنہائی کی۔

O پتھروں سے واسطہ پڑے تا پتھر دلوں سے زندگی کا سفر کٹتا نہیں۔

O دیواریں صرف کمروں کی نہیں ہوتیں، دل کے گرد بھی ہوتی ہیں کبھی خواب کئی خیال انہیں میں قید رہ جاتے ہیں۔

O اعتبار کی مالا کو کبھی ٹوٹنے نہ دو، اس انمول مالا کے موتی بکھر جائیں تو تلاش کے باوجود ملتے نہیں۔

O انسان کی شخصیت کا سب سے مضبوط حوالہ اس کا کردار اور عمل ہے۔

آسیہ وحید، لاہور

دعا

میں نے دعا مانگی
زمین کی سلامتی کی
اس پر رزق کی فراوانی کی
درختوں کی پناہ گاہیں آباد ہونے کی
ہجرت کر جانے والے پرندوں کی واپسی کی
لیکن ان سب دعاؤں سے پہلے
میں نے دعا مانگی
زمین کی رہائی کی

جویریہ ناصر، گلبرگ لاہور

وہم

علاقے کے بازار میں ایک خاتون نے اپنے سابق پڑوسی کی دس بارہ سالہ بچی کو سودا خریدتے دیکھا تو شفقت سے اس کا حال چال پوچھنے کے بعد دریافت کیا۔

''اور تمہارے امی ابو کیسے ہیں؟''

''امی تو ٹھیک ہیں لیکن ابو بیمار ہیں۔'' بچی نے بتایا۔

''ارے بیٹا، وہ بیمار ویمار کچھ نہیں ہیں، تمہارے ابو کو وہم ہو گیا ہے کہ وہ بیمار ہیں۔'' خاتون نے بڑے یقین سے کہا۔

کچھ عرصے بعد اسی بازار میں خاتون کی ملاقات بچی سے ہوئی تو انہوں نے ایک بار پھر بچوں کے والدین کی خیریت دریافت کی۔

''امی تو ٹھیک ہیں۔'' بچی نے دھیمی آواز میں سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لیکن ابو کو وہم ہو گیا تھا کہ وہ مر چکے ہیں، کل ان کا چالیسواں تھا۔''

اُم ایمن، گوجرانوالہ

☆☆☆

نازیہ کمال: کی ڈائری سے ایک نظم
''بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے''

وہی گلیاں وہی کوچے وہی سردی کا موسم ہے
اسی انداز سے اپنا نظام زیست برہم ہے
یہ حسن اتفاق ایسا کہ نکھری چاندنی بھی ہے
وہی ہے بھیڑ سوچوں کی، وہی تنہائیاں پھر سے
مسافر اجنبی اور دشت کی تنہائیاں پھر سے
مجھے یاد ہے کچھ سال پہلے کا یہ قصہ ہے
وہی لمحہ تو ویرانے کا اک آباد حصہ ہے
وہ زندہ رات کی تنہائی میں سرگوشیاں کی تھیں
کسی کی نرم گفتاری نے دل کو لوریاں دی تھیں
کسی نے میری تنہائی کا سارا کرب بانٹا تھا
کسی نے رات کی چنری میں روشن چاند ٹانکا تھا
چمکتے جگنوؤں کا سیل اک بخشا تھا راتوں کو
دھڑکتا سا نیا عنوان دیا تھا میرے خوابوں کو
میرے شعروں میں وہ الہام کی صورت میں اترا تھا
معانی بن کے جو لفظوں میں پہلی بار دھڑکا تھا
وہ جس کے ہونے سے زندگی نغمہ سرائی ہے
اسے کہنا کہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے۔

مریم رباب: کی ڈائری سے ایک غزل

آگے حریم غم سے کوئی راستہ نہ تھا
اچھا ہوا کہ ساتھ کسی کو لیا نہ تھا
دامان چاک چاک گلوں کو بہا نہ تھا
دل کا جو رنگ تھا وہ نظر سے چھپا نہ تھا
رنگ شفق کی دھوپ کھلی تھی قدم قدم
مقتل میں صبح و شام کا منظر جدا نہ تھا
کیا بوجھ تھا کہ جس کو اٹھائے ہوئے تھے لوگ
مڑ کر کسی سمت کوئی دیکھتا نہ تھا
کچھ اتنی روشنی میں تھے چہروں کے آئینے
دل اس کو ڈھونڈتا تھا جسے جانتا نہ تھا
کچھ لوگ شرمسار خدا جانے کیوں ہوئے
اپنے سوا ہمیں تو کسی سے گلہ نہ تھا
ہر اک قدم تھا نئے موسموں کے ساتھ
وہ جو صنم تراش تھا بت پوجتا نہ تھا
جس در سے دل کو ذوق عبادت عطا ہوا
اس آستان شوق پہ سجدہ روا نہ تھا
آندھی میں برگد کی زباں سے ادا ہوا
وہ راز جو کسی سے ابھی تک کہا نہ تھا

اُم خدیجہ: کی ڈائری سے ایک نظم

اب کے برس کچھ ایسا کرنا
اپنے گزرے بارہ ماہ کے
دکھ سکھ کا اندازہ کرنا
بسری یادیں تازہ کرنا
سادہ سا اک کاغذ لے کر
بھولے بسرے پل لکھ لینا
پھر اس بیتے اک اک پل کو
اک اک موڑ کا احاطہ کرنا
سارے دوست اکٹھے کرنا
ساری محفلیں حاضر کرنا
ساری شامیں پاس بلانا
اور علاوہ ان کے دیکھو
سارے موسم دھیان میں رکھنا
اک اک یاد گمان میں رکھنا

پھر جتاط قیاس لگانا
گر تو خوشیاں بڑھ جاتی ہیں
تو پھر تم کو میری طرف سے
آنے والا سال مبارک
اور اگر غم بڑھ جائیں تو
مت بے کار تکلف کرنا
دیکھو پھر تم ایسا کرنا
میری خوشیاں تم لے لینا
مجھ کو اپنے غم دے دینا
اب کے برس کچھ ایسا کرنا
فرح عامر: کی ڈائری سے ایک نظم
"اب کے برس"
اے عمر رواں
آ پاس میرے
اک راز کی بات بتانی ہے
اک درد کی ٹیس سی دل میں ہے
اے عمر رواں
آ پاس میرے
یہ نیم شبی کی خاموشی
یہ نیند کی پلکیں بوجھل سی
یہ پردہ دل
یہ زہر نظر
اک خوف ساذہن و دل پر ہے
تنہائی میری چپکے سے کہے
اے عمر رواں آ پاس میرے
تجھ سے فقط کہنا ہے مجھے
اک شخص سے ملنا ہے مجھ کو
ملنے کی گھڑی جو ٹھہری ہے
دو چار صدی یا اب کے برس
اے عمر رواں
آ پاس میرے، آ پاس میرے
رابعہ قاسم: کی ڈائری سے ایک غزل
اک رہ گزر پہ خود کو تماشا کیے ہوئے
بیٹھا ہے دل غبار کو رستہ کیے ہوئے
جیسے ہجوم خلق خدا اس کے ساتھ ہے
پھرتا ہے سارے شہر کو تنہا کیے ہوئے
چلا اس سے مانگتے ہیں دل ناتواں کی خبر
اک عمر ہو گئی ہے تقاضا کیے ہوئے
تو ہے، نہیں ہے، کون یہ سوچے، مگر میں ہوں
محفل کو تیری یاد میں برپا کیے ہوئے
بیٹھا ہے عشق مسند انکار پر سلیم
ترک رسوم و ترک تمنا کیے ہوئے
نعیم امین: کی ڈائری سے ایک نظم
مگر اک ستارہ مہرباں
کئی چاند دھند میں کھو گئے
کئی جاگ جاگ کے سو گئے
مگر اک ستارہ مہرباں
جو گواہ تھا
سر شام سے دم صبح تک
کسی وصل رنگ سی رات کا
کسی بے کنار سے لطف کا
کسی مشکبار سی بات کا
مرے ساتھ تھا
مرے ساتھ تھا
ہما رائے: کی ڈائری سے ایک غزل
یہ معجزہ بھی کسی کی دعا کا لگتا ہے
یہ شہر اب بھی اسی بے وفا کا لگتا ہے
یہ تیرے میرے چراغوں کی ضد جہاں سے چلی
وہیں کہیں سے علاقہ ہوا کا لگتا ہے
دل ان کے ساتھ مگر تیغ اور شخص کے ساتھ
یہ سلسلہ بھی کچھ اہل ریا کا لگتا ہے
نئی گرہ، نئے ناخن، نئے مزاج کے قرض
مگر یہ پیچ بہت ابتدا کا لگتا ہے
کہاں میں اور کہاں فیضان نغمہ و آہنگ
کرشمہ سب درد سمت نوا کا لگتا ہے

نمیرا آصف: کی ڈائری سے ایک نظم
"بشارت"
سنو!
یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں
کسی کے لوٹ آنے کا
تو پھر لفظوں میں کیسے لکھ سکیں گے
اس کی آمد کی کہانی کو
وفا کی حکمرانی کو
محبت کی دعائیں مانگتی شب نے
نئے اک سرخرو دن کے سہانے خواب دیکھے ہیں
یہ کیسا خوشنما احساس ہے
کہ آئندہ برسوں میں
ہر اک موسم، ہر اک دن کی دھنک کرنوں کو
ہم اک ساتھ برتیں گے
سنو! یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں
ثمینہ رفیق: کی ڈائری سے ایک نظم
"آس"
میں نے اب کے سال بھی سبز رتوں کا پہلا پھول
اک تیری خاطر شاخ شجر سے توڑ کے
اپنی زرد کتاب میں لا رکھا ہے
کوئی نہ جانے
کبھی کوئی آوارہ بھولا بھٹکا بادل
عمر کے ترسے پیاسے دشت کی
پل میں پیاس بجھا جاتا ہے
کوئی نہ جانے
بعض اوقات ایک بھولی بسری ہوئی یاد بھی
ایسے پوری ہو جاتی ہے
جیسے غیر آباد جزیرے
رستہ بھول کے آنے والے لوگوں سے بس جاتے ہیں
ثناء حیدر: کی ڈائری سے ایک غزل
کئی بار اس کا دامن بھر دیا حسن دو عالم سے
مگر دل ہے کہ اس کی خانہ ویرانی نہیں جاتی
کئی بار اس کی خاطر ذرے ذرے کا جگر چیرا
مگر یہ چشم حیراں جس کی حیرانی نہیں جاتی
نہیں جاتی متاع لعل و گہر کی گراں یابی
متاع غیرت و ایماں کی ارزانی نہیں جاتی
مری چشم تن آساں کو بصیرت مل گئی جب سے
بہت جانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی
سرخ رو سے ناز کجکلاہی چھن بھی جاتی ہے
کلاہ خسروی سے بوئے سلطانی نہیں جاتی
بجز دیوانگی واں اور چارہ ہی کہو کیا ہے
جہاں عقل و خرد کی ایک بھی مانی نہیں جاتی
در ثمن: کی ڈائری سے ایک نظم
اے دوستو! یہ نیا سال مبارک ہو تمہیں
عین ممکن ہے کہ کھوئی ہوئی منزل مل جائے
اور کمزور سفینوں کو بھی ساحل مل جائے
شاید اس سال ہی کچھ چین دلوں کو ہو نصیب
شاید اس سال تمہیں زیست کا حاصل مل جائے
صبح کے بھولے ہوئے شام کو شاید گھر آئیں
اپنے غم خانوں میں چپ چاپ ہی خوشیاں در آئیں
شاید اس سال جو سوچا تھا وہ پورا ہو جائے
شاید اس سال تمہاری بھی مرادیں بر آئیں
شاید اس سال شکستہ ہوں مصائب کی سلیں
شاید اس سال ہی صحراؤں میں کچھ پھول کھلیں
راہ ہستی کے دوراہے پہ اچانک اک دن
شاید اس سال ہی کچھ بچھڑے ہوئے آن ملیں
دل میں ہم سب کے محبت ہو کدورت نہ رہے
اور انسان کو انسان سے نفرت نہ رہے
شاید اس سال کوئی ایسی ہوا چل جائے
رنج و غم، آفت و آلام کی کثرت نہ رہے
☆☆☆

مدیحہ جبار ---- ملتان

س: خواب میں ٹاٹ کا پیوند کب لگتا ہے؟
ج: جب خواب پھٹ جائے۔
س: دور کے ڈھول سہانے کیوں ہوتے ہیں؟
ج: اس لئے کہ قریب کے ڈھول کان پھاڑتے ہیں۔
س: سر کڑاہی میں کب ہوتا ہے؟
ج: جب پانچوں انگلیاں گھی میں ہوں۔

آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان

س: میں جس کو پانا چاہوں اسے پا نہ سکوں؟
ج: تو جس کو پا سکتے ہو اسے پالو۔
س: اس کے سوا سوچیں تو کیا سوچیں؟
ج: کوئی اچھی بات سوچ لو۔
س: شعر کا جواب دیں۔
کہتے ہیں ہر چیز مل جاتی ہے دعا سے
ہم نے روز مانگا تجھے اپنے خدا سے
ج: شعر کا جواب شعر میں حاضر ہے۔
میری تنہا سفری میرا مقدر تھی فراز
ورنہ اس شہر تمنا سے تو دنیا گزری

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: اپنے دکھوں کا کس سے شکوہ کروں بتاؤ؟
ج: کسی ہمراز سے۔
س: عین غین جی خوشحال سے تم بھی لگتے ہو آخر کیوں؟
ج: کیا تم کنگال کرنا چاہتی ہو۔
س: اس نے کہا "یہ دل آپ کا ہوا" کیا یہ سچ ہے؟
ج: وہ تو قلم کا نام پڑھ رہا تھا اور تم......؟
س: میں نے کہا کیا ارادے ہیں تمہارے عین غین جی؟
ج: ارادے......؟ ابھی میں نے اپنا ارادہ ظاہر کب کیا ہے۔
س: عین غین جی کیا کھانا پسند کریں گے؟
ج: جو تم پکا سکو گی۔

نازیہ کمال ---- حیدر آباد

س: عین غین جی نیا سال مبارک ہو؟
ج: شکریہ دعا کریں کہ نیا سال ہمارے لئے خوشیوں کی سوغات لے کر آئے۔
س: ہمیں آنے والے سال سے کیا کیا توقعات وابستہ کرنی ہوں گی؟
ج: توقعات ہمیشہ اچھی ہونی چاہئیں۔
س: زندگی کی کوئی ایسی تمنا ہے جو پوری نہ ہوئی ہو؟
ج: میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں اسی پر شاکر اور قانع ہوں۔
س: اگر سب انسان الگ ہوتے تو......؟
ج: تو کوئی کسی کی دل شکنی نہ کرتا۔

مریم رباب ---- خانیوال

س: وہ کون تھا جو چپکے سے آ کر چلا گیا؟
ج: خیال۔
س: بچے بہت تنگ کرتے ہیں، کیا کروں؟
ج: ٹافیاں اور چاکلیٹ اپنے پاس رکھا کرو۔
س: آپ کی زندگی کا بور لمحہ؟
ج: جب کوئی بے تکا سوال سامنے آتا ہے۔

س: دل کہتا ہے میری بات مانو، میں کہتی ہوں تو، تو پاگل ہے؟
ج: کبھی کبھی بچوں کی بات بھی مان لینی چاہیے۔

ام حدیجہ ---- شاہدرہ لاہور

س: عین غین جی نئے سال کے استقبال کے لئے کیا کر رہے ہیں آپ؟
ج: ہم اپنے ملک کی بہتری کے لئے کام کر رہے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے۔
س: سوچ کر بتایئے کہ شیشہ نازک ہوتا ہے یا دل؟
ج: نازک تو دونوں ہی ہوتے ہیں کیونکہ شاعری میں عام طور پر دل کو شیشے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔
س: میں نے سوچا کہ آپ کو نئے سال کی مبارک باد دے ہی دوں؟
ج: دو لفظوں کے لئے اتنی کنجوسی اچھی نہیں ہوتی۔
س: نئے سال کا کارڈ نہیں بھیجا مجھے؟
ج: خود تو دو لفظوں پر ٹرخا رہی ہو اور مجھ سے کارڈ چاہتی ہو۔
س: سچی دوستی کی پہچان بتایئے؟
ج: تمہارے سوالوں سے ہی پتہ چلا کہ جھوٹی دوستی کیا ہوتی ہے۔

فرح عامر ---- جہلم

س: عین غین جی کیا نئے سال کی مبارکباد دے دوں؟
ج: نہیں اپنے پاس ہی رکھو لو تاکہ کہیں اور کام آ جائے۔
س: آپ بڑے وہ ہیں؟
ج: وہ کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے خیال رہے۔
س: میرا خیال ہے آپ جو بنتے ہیں وہ نہیں ہیں؟
ج: آپ بھی وہ نہیں ہیں جو بنتی ہیں۔

فائزہ قاسم ---- سکھر

س: سچ سچ بتایئے آپ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟
ج: حنا کی محفل میں براجمان ہوں۔
س: محبت کا کون سا روپ خوبصورت ہوتا ہے؟
ج: محبت ہر روپ میں بھلی لگتی ہے۔
س: اگر کاغذ کے پھولوں سے خوشبو آنے لگے تو؟
ج: شہد کی مکھی کیا کرے گی بیچاری۔
س: آپ نے کبھی عشق کیا ہے؟
ج: کب نہیں کیا؟

نعیم امین ---- کراچی

س: اللہ آپ کو نئے سال میں ترقی نصیب کرے اور آپ محفل سے نکل کر ایڈیٹر بن جائیں؟
ج: کیوں میری چھٹی کرانے کا ارادہ ہے۔
س: سوال کرنے کو جی چاہتا ہے، مگر کچھ سوجھتا ہی نہیں؟
ج: آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔
س: ہم سوال کچھ کرتے ہیں آپ جواب کچھ دیتے ہیں؟
ج: اگر پڑھنا نہ آتا ہو تو کسی سے پڑھوا لیا کریں۔
س: میں کون ہوں ذرا بوجھو تو؟
ج: تم وہی ہو جو تم ہو۔

ہما رائے ---- کراچی

س: دنیا میں دو ہی تو خوبصورت ہیں ایک میں اور بس۔
ج: نہیں ابھی دنیا میں آپ جیسے خوش فہم بہت ہیں۔
س: مایوسی اگر گناہ ہے تو لوگ یہ گناہ کیوں کرتے ہیں؟
ج: گناہ کرنا بندے کی فطرت میں شامل ہے۔

☆☆☆

قابل غور

لوگوں کا سرمایہ ہضم کر کے غائب ہو جانے والی ایک انویسٹمنٹ کمپنی کا مالک جب پکڑا گیا تو اسے عدالت میں پیش کیا گیا، جج صاحب نے غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تمہیں شرم نہیں آتی جن لوگوں نے تم پر اعتماد کیا، تم نے ان ہی کا پیسہ کھا کر بھاگ گئے؟“

”سر! آپ خود سوچیں جو لوگ آپ پر اعتماد نہ کرتے ہوں، ان کا پیسہ آپ کیسے کھا سکتے ہیں؟“

کمپنی کے مالک نے معصومیت سے سوال کیا۔

عابدہ سعید، گجرات

عجلت

ایک ہوٹل کے قریب ایک صاحب نے ہاتھ دے کر ٹیکسی روکی اور پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہو گئے، نشے سے لڑکھڑاتی آواز میں انہوں نے ڈرائیور کو حکم دیا۔

”اس ہوٹل کے چاروں طرف سو چکر لگاؤ۔“

ڈرائیور کچھ پریشان ہوا لیکن جب ان صاحب نے اسے ہزار کا نوٹ تھمایا تو اس نے ہوٹل کے گرد چکر لگانے شروع کر دیے۔

ساٹھویں چکر پر پچھلی سیٹ پر نیم دراز ان صاحب نے گردن اونچی کی اور خمار زدہ لہجے میں ڈرائیور سے مخاطب ہوئے۔

”میاں! ذرا اسپیڈ بڑھاؤ میں جلدی میں ہوں۔“

فرح عامر، جہلم

ماسٹر صاحب

ہمارے ماسٹر صاحب بڑے خونخوار قسم کے آدمی تھے، یوں تو بیچلر آف آرٹس تھے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ شادی شدہ اور کئی بچوں کے باپ ہیں، وہ ان حضرات میں سے تھے جو آپ سے سوال پوچھیں گے، آپ کی طرف سے خود ہی جواب دیں گے اور پھر آپ کو ڈانٹیں گے بھی کہ جواب غلط تھا، ان کے نوکر کی زبانی معلوم ہوا کہ انہیں نیند میں بولنے اور چلنے پھرنے کی بیماری تھی اور وہ سوتے ہوئے پیدل چلا کرتے تھے، حالانکہ ان کے پاس ایک تانگہ تھا اور ایک سائیکل۔

انہیں کھیل کود کا شوق بھی تھا لیکن فقط اتنا کہ ریفری بن کر خوش ہو لیا کرتے، ایک مرتبہ وہ فٹ بال کے میچ میں ریفری تھے کہ یک لخت جوش میں آ گئے اور گیند لے کر خود گول کر دیا، روفی کے ابا ہمیشہ ان سے کہا کرتے تھے کہ۔

”ماسٹر صاحب! آپ اس علاقے میں فٹ بال کے نمبر دو کھلاڑی ہیں۔“

ایک روز ماسٹر صاحب نے ان سے پوچھا کہ۔

”نمبر ایک کھلاڑی کون ہے۔“ وہ بولے۔

”پتہ نہیں۔“

رابعہ قاسم، سکھر

موقع غنیمت

مجید لاہوری اور رشید اختر ندوی دونوں بھاری بھرکم تھے، ایک مرتبہ دونوں ایک سائیکل رکشا پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، رکشا والا کمزور سا آدمی تھا، پسینے میں شرابور بڑی دشواری سے سواری کھینچ رہا تھا، راستے میں مجید لاہوری کو پان کھانے کی خواہش ہوئی تو وہ رکشا رکوا کر اترے اور پان کی دکان کی طرف بڑھے، اتفاق سے رشید اختر ندوی کو ایک شناسا مل گئے اور وہ بھی رکشا سے اتر کر سڑک پر ان سے باتیں کرنے لگے۔

رکشے والا جو غیر معمولی مشقت سے نیم جان ہو رہا تھا، اس موقع غنیمت جان کر خالی رکشا لے کر بھاگ کھڑا ہوا، مجید صاحب نے اسے بھاگتے دیکھا تو چیخ کر بولے۔

”او میاں رکشے والے، کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ اپنے پیسے تو لیتے جاؤ۔“

”شکریہ صاحب جی! زندگی باقی رہی تو کسی اور سے کما لوں گا۔“ رکشے والے نے ہانپتے ہوئے کہا اور بھاگتا چلا گیا۔

نعیم امین، کراچی

علم

عدالت میں ایک بڑے اور مشہور وکیل نے اپنے مخالف وکیل کی طرف حقارت سے دیکھا کیونکہ وہ نو آموز اور گمنام تھا، پھر بڑے وکیل نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

”تم ہو کون؟“

”سر میں وکیل ہوں۔“ نو آموز اور ناتجربہ کار وکیل نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔

”تم جیسے وکیل میں جیب میں لئے پھرتا ہوں۔“ بڑے وکیل نے بدستور حقارت سے کہا۔

”اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دماغ میں قانونی علم نہیں ہو گا، تبھی آپ جیب میں لئے پھرتے ہیں۔“ نو آموز وکیل نے نرمی اور شائستگی سے کہا۔

ہما رائے، کراچی

گفٹ پیک

ایک دن سردار جی ایک دکان میں خریداری کر رہے تھے کہ تیل کا ڈبہ اٹھا کر دکان دار سے بولے۔

”اس تیل کے ساتھ میرا مفت گفٹ کدھر ہے؟“

دکان دار نے کہا۔

”اس کے ساتھ کوئی گفٹ نہیں ہے بھائی صاحب!“

سردار جی منہ بسور کر بولے۔

”اوئے اس پر لکھا ہے کولیسٹرول فری۔“

نبیہ آصف، قصور

عشق کہیں جسے

ایک شخص نے بس میں اپنے قریب بیٹھے ہوئے مایوس اور افسردہ شخص کو دیکھ کر باتوں باتوں میں کہا۔

”مجھے لگتا ہے کہ جیسے آپ نے زندگی میں عشق کیا اور ناکام ہو گئے۔“

وہ صاحب جھلا کر بولے۔

”میں نے زندگی میں ایک ہی بار عشق کیا تھا اور بدقسمتی سے کامیاب بھی ہو گیا۔“

ثمینہ رفیق، کورنگی کراچی

زور گفتار

گل صاحب نے ایک دن موڈ میں آ کر کہا۔

”میری بیوی اتنی پڑھی لکھی ہے کہ وہ کسی بھی موضوع پر گھنٹہ بھر بات چیت کر سکتی ہے۔“

جواب میں اقبال میمن نے کہا۔

”اس میں حیرت کی کیا بات ہے، یہی کام ان پڑھ عورت بھی کر لیتی ہے اور اس کے لئے

موضوع کی بھی شرط نہیں ہوتی۔"

فرح ظفر، بہاول پور

تیز رفتاری

ایک خاتون نے ٹریفک سارجنٹ کو اپنی تیز رفتاری کی وجہ بتاتے ہوئے کہا۔

"میری گاڑی کے بریک خراب ہو گئے ہیں، اس لئے میں چاہتی ہوں کہ کسی حادثے کے بغیر گھر پہنچ جاؤں۔"

عاصمہ سرور، وہاڑی

جواب

ایک رنگروٹ کو آفیسر کی بے عزتی کرنے کے جرم میں کورٹ مارشل کے لئے پیش ہونا پڑا۔

"جواب دو۔" کمانڈنگ آفیسر نے سخت لہجے میں باز پرس کی۔

"تم نے اپنے آفیسر کو الو کا پٹھا کیوں کہا؟"

رنگروٹ نے جواب دیا۔

"آفیسر نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں اسے کیا سمجھتا ہوں۔"

رابعہ ارشد، فیصل آباد

معصومیت

ننھے جمی کا اسکول کا پہلا دن تھا، چھٹی کے وقت سب بچے گھر جانے کے لئے گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے لیکن جمی وین میں بیٹھنے کے لئے تیار نہ تھا۔

"کیا تم گھر نہیں جاؤ گے؟" ٹیچر نے حیرت سے پوچھا۔

"ممی کہہ رہی تھیں، اب مجھے کم از کم دس بارہ سال اسکول میں گزارنے پڑیں گے۔" جمی نے نہایت معصومیت سے جواب دیا۔

مسرت مصباح، لاڑکانہ

انتظار

ایک خوبصورت سیلز گرل نے ایک گھر کے دروازے پہ دستک دی، صاحب خانہ باہر آئے تو سیلز گرل نے پوچھا۔

"کیا آپ کی بیگم گھر پر ہیں؟"

صاحب نے جواب دیا۔

"نہیں! لیکن آپ اندر آ کر ان کا انتظار کر سکتی ہیں، وہ ایک ہفتے کے لئے میکے گئی ہوئی ہیں۔"

نعیمہ راؤ، ملتان

کھانا

میاں بیوی نے شادی کی پہلی سالگرہ پر ضیافت کا اہتمام کیا، بیوی نے بڑے چاؤ سے اپنے ہاتھ سے کھانے تیار کیے۔

مہمان جمع تھے، خوش گپیوں اور مشروبات وغیرہ کا دور چل رہا تھا، ایک دوسرے کو لطیفے سنائے جا رہے تھے، قہقہے گونج رہے تھے۔

شوہر نے بیوی سے دریافت کیا۔

"کیا خیال ہے بیگم! مہمانوں کو کچھ دیر اور لطف اندوز ہونے دیا جائے یا کھانا لگوایا جائے۔"

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

شرابی

شرابی شوہر گھر آیا اور اپنی بیوی سے بولا۔

"چڑیل!"

بیوی حیرت سے بولی۔

"یہ کیا، جب آپ انگریزی شراب پی کر آتے ہیں تو مجھے پری کہتے ہیں اور جب دیسی شراب پی کر آتے ہو تو رانی کہتے ہیں، آج کیا ہوا؟"

شوہر بولا۔

"آج میں پی کر نہیں آیا۔"

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

☆☆☆

تسنیم طاہر

سعدیہ عمر ---- سرگودھا

ہر شام نئے خواب اس پہ کاڑھیں گے
ہمارے ہاتھ اگر تیری شال آ جائے
ان ہی دنوں وہ میرے ساتھ چائے پیتا تھا
کہیں سے کاش میرا پچھلا سال آ جائے

......

موسم تھا بے قرار تمہیں سوچتے رہے
کل رات بار بار تمہیں سوچتے رہے
بارش ہوئی تو گھر کے دریچے سے لگ کر ہم
چپ چاپ سوگوار تمہیں سوچتے رہے

......

خود اپنی ذات اسیر عذاب رکھتے ہیں
ہمارے عہد کے انسان خواب رکھتے ہیں
یہ تاجران محبت بھی خوش گماں ہیں بہت
گناہ کر کے امید ثواب رکھتے ہیں

آسیہ وحید ---- لاہور

بہت منتظر ہیں اگلے برس کے
وہ لوٹ آئے گا اگلے برس کیا

......

ناصر مجھے چھیڑیں گے بہت چاندنی اور پھول
آیا نہ میرا دوست اگر اب کے برس بھی

......

اب کے برس کچھ ایسی تدبیر کرتے ہیں
دل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اجاڑ شامیں نہ آئیں اگلے برس
اس بہار رت کو زنجیر کرتے ہیں

جویریہ ناصر ---- گلبرگ لاہور

خوشی تم کو ملے ہر دم تمہارا حال اچھا ہو
تمہارے واسطے اللہ کرے یہ سال اچھا ہو

......

نہ جانے کیا ہوا ہے سال بھر میں
دیا روشن کہ مدھم ہو گیا ہے
ہمیں معلوم ہے اتنا کہ اک سال
ہماری عمر سے کم ہو گیا ہے

......

وہ وقت بھی دیکھا تقدیر کی گھڑیوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

ام ایمن ---- گوجرانوالہ

نیا ہے سال خوشی یوں منائیں اب کے برس
کہ گیت امن کا سب مل کے گائیں اب کے برس
کرو کچھ اب کے بہاروں کا ایسا استقبال
بہاریں آئیں تو آ کر نہ جائیں اب کے برس

......

جس کو معلوم نہیں منزل مقصود اپنی
کتنا بے کار ہے اس شخص کا چلتے رہنا
ہم نئے خواب بنیں گے نئے منظر لے کر
نئے سورج سے کہو روز نکلتے رہنا

......

یہ خنک رت، یہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دل یہ کہتا ہے کہ موسم اب کوئی یاد آئے
ہم نے ماضی کی سخاوت پہ جو پل بھر سوچا
دکھ بھی کیا کیا ہمیں، یادوں کے سبب یاد آئے

عابدہ سعید ---- گجرات

نجانے کیسے نئی رتوں میں پرانی یادوں کی ناؤ ڈوبی

نظر کے دریا میں آنے والا ابال کتنا عجیب سا ہے
ہتھیلیوں پہ رکھے چراغوں کو بجھایا ہوا نے پہلے
اداس موسم میں بے بسی کا یہ سال کتنا عجیب سا ہے

....

وہ جس سے رہا آج تک آواز کا رشتہ
بھیجے میری سوچوں کو اب الفاظ کا رشتہ
ملنے سے گریزاں ہے نہ ملنے پہ خفا بھی
دم توڑتی چاہت ہے یہ کسی انداز کا رشتہ

....

میرے مولا نے مجھ کو چاہتوں کی سلطنت دی ہے
مگر پہلی محبت کا خسارہ ساتھ رہتا ہے
سفر میں عین ممکن ہے میں خود کو چھوڑ دوں لیکن
دعائیں کرنے والوں کا سہارا ساتھ رہتا ہے
رمشہ ظفر ——— بہاول پور
اس کی آنکھوں میں کوئی دکھ بسا ہے شاید
یا مجھے خود ہی وہم سا ہوا ہے شاید
میں نے پوچھا کہ بھول گئے ہو تم بھی
پونچھ کر آنسو مجھے اس نے کہا ہے شاید

....

خدا کے خوف سے ڈرتا ہوں لیکن یاد رکھ
بات جب حد سے بڑھی رسمیں اٹھا دی جائیں گی

....

آہ بن کے سانسوں سے نکل آؤں گا
اور روکے گا تو آنکھوں سے نکل آؤں گا
بھول جانا مجھے اتنا آسان نہیں جاناں
باتوں باتوں میں ہی باتوں سے نکل آؤں گا
عاصمہ سرور ——— وہاڑی
تجھ سے منسوب ہوئے تو یہ حسرت ہی رہی
ہم بھی اپنے حوالے سے پکارے جاتے

....

جہاں بھی جانا تو آنکھوں میں خواب بھر لانا
یہ کیا کہ دل کو ہمیشہ اداس کر لانا
میں برف رتوں میں جلا تو اس نے کہا
پلٹ کے آنا تو کشتی میں دھوپ بھر لانا

....

رابطہ پیڑ سے کٹ جاتا ہے جس وقت شفی
خشک پتے کو تو جھونکے کا بھی ڈر رہتا ہے
رابعہ ارشد ——— فیصل آباد
یاد بھی اس کی یہ کہتے ہوئے دل سے نکلی
ایسی اجڑی ہوئی بستی میں بھلا کیا رہنا

....

کبھی کبھی یہ سب اپنا خیال لگتا ہے
وہ میرا ہے یا نہیں الجھا سوال لگتا ہے
میں وفا کر کے بھی گمنامیوں میں ہوں
وہ بے وفا ہے مگر بے مثال لگتا ہے

....

ہم یہی پوچھتے پھرتے ہیں زمانے بھر سے
جن کی تقدیر بگڑتی ہے وہ کیا کرتے ہیں
مسرت مصباح ——— لاڑکانہ
کبھی ہم بھیگتے ہیں چاہتوں کی تیز بارش میں
کبھی برسوں نہیں ملتے کسی ہلکی سی رنجش میں
تم ہی میں دیوتاؤں کی خو بو نہ تھی ورنہ
کمی نہ تھی کوئی میرے انداز پرستش میں

....

یونہی ختم ہجر کا باب ہو نئے سال میں
کوئی خواب ہی تیرا خواب ہو نئے سال میں
کبھی یوں بھی ہو کسی شب کو تو مجھے آ ملے
گئے رنجوں کا حساب ہو نئے سال میں
سعدیہ جبار ——— ملتان
ممکنہ فیصلوں میں ایک ہجر کا فیصلہ بھی تھا
میں نے تو ایک بات کی اور اس نے کمال کر دیا
میرے لبوں پہ مہر تھی پر میرے شیشہ رو نے تو
شہر کے شہر کو میرا واقف حال کر دیا

....

یہ سنگریزے عداوتوں کے، وہ آبگینے سخاوتوں کے
دل مسافر قبول کر لے، ملا جو کچھ جہاں سے
تو ہم نفس ہے، نہ ہم سفر ہے، کسے خبر کہ تو کدھر ہے
میں دستکیں دے کر پوچھتا ہے کہیں کہیں سے مکاں مکاں سے
آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان
اس نسل کا ذہن کٹ رہا ہے
اگلوں نے کٹائے تھے فقط سر

....

کیا برا ہے کہ میں اقرار محبت کر لوں
لوگ ویسے بھی تو کہتے ہیں گناہ گار مجھے

....

درخت جاں پہ عذاب رت تھی نہ برگ جاگے نہ پھول آئے
بہار وادی سے جتنے پنچھی ادھر کو آئے ملول آئے
وہ ساری خوشیاں جو اس نے چاہیں اٹھا کے اپنی جھولی میں رکھ لیں
ہمارے حصے میں عذر آئے جواز آئے اصول آئے
فریال امین ——— ٹوبہ ٹیک سنگھ
کون رہتا تھا نہ جانے اس جا
خواہشیں نقش ہیں دیواروں پہ

....

یہ نہ ہو شہر میں کہ تنہائی کے مجرم ٹھہرو
دل ملیں یا نہ ملیں ہاتھ ملاتے رہنا
میں ہمیشہ کی طرح سچی ہی کہوں گا عارف
تم ہمیشہ کی طرح زہر پلاتے رہنا

....

ہمارے عجز کو سمجھا نہیں گیا محسن
ہم آزما کے اب اپنی انا دیکھتے ہیں
نازیہ کمال ——— حیدر آباد
حسن کی خوشبو سے مہکی تھی پگھلتی ہوئی آگ
پھول ایسے بھی تو موسم سفاک میں تھے

....

سال کی پہلی کرن کے ساتھ بھر جاتا ہے دل
پھر میری وہی طلب اس کے برس مل جائے تو

....

اب سیل بلا چاہے گزر جائے جدھر سے
میں گھر ہی بناتا نہیں طوفان کے ڈر سے
مریم رباب ——— خانیوال
ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے تو ہیں چرچا نہیں ہوتا

....

اس زندگی میں اتنی فراغت کسے نصیب
اتنا نہ یاد آ کہ تجھے بھول جائیں ہم

....

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا
اُم خدیجہ ——— شاہدرہ لاہور
میں کھلی ہوئی اک سچائی مجھے جاننے والے جانتے ہیں
میں نے کن لوگوں سے نفرت کی اور کن لوگوں کو پیار دیا

....

ہمیں بجھانے کو اندر کا حبس کافی ہے
ہم ہواؤں کا احسان کم اٹھاتے ہیں

....

علم نے کرب اضطراب دیا
کس قدر پرسکون تھی نادانی
فرح عامر ——— جہلم
اندھیروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے والو
اجالوں کا پس نظر بڑا تاریک ہوتا ہے

....

یوں ہی تو شاخ سے پتے گرا نہیں کرتے
بچھڑ کے لوگ زیادہ جیا نہیں کرتے

....

میرے لہو میں کھلے ہیں تیرے ہجر کے پھول
کب آئے ان پہ تیرا موسم وفا دیکھیں

☆☆☆

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

چکن اینڈ کارن سوپ

اشیاء

چکن لیگ پیس	دو عدد (صاف کر کے دھو لیں)
مکھن	چوتھائی کپ
تیل	دو چائے کے چمچے
میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد (چھوٹے سائز کی)
مرغی کی یخنی	ڈھائی کپ
شملہ مرچ	ایک عدد (چھوٹے سائز کی)
(بیج نکال کر باریک چوپ کرلیں)	
ٹماٹر	دو عدد (بڑے سائز کے)
(چھلکا اتار کر باریک چوپ کرلیں)	
ٹماٹر پیسٹ	دو چائے کے چمچے
مکئی کے دانے	ایک کپ (ابلے ہوئے)
اوریگانو پاؤڈر	ایک چٹکی
دھنیا پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	حسب پسند (چوپ کیا ہوا)

ترکیب

سوس پین میں تیل اور مکھن ڈال کر گرم کریں اور اس میں پیاز ڈال کر فرائی کرلیں، اس کے بعد اس میں چکن پیس ڈال کر چمچہ چلائیں اور گوشت کی رنگت گولڈن براؤن ہو جانے تک فرائی کریں، میدہ ڈال کر چمچہ چلائیں اور دو منٹ تک فرائی کریں، فرائی کرنے کے بعد مرغی کی یخنی ڈال کر ایک مرتبہ ابالیں، اس کے بعد ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر پانچ منٹ تک پکائیں، شملہ مرچ، ٹماٹر، ٹماٹو پیسٹ، مکئی کے دانے اور یگانو پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر شامل کر کے چمچہ چلائیں اور ڈھکن ڈھک کر مزید بیس منٹ تک پکائیں، گوشت جب اچھی طرح گل جائے تو اسے سوس پین سے نکال کر ہڈی الگ کر کے باریک ریشے کرلیں اور اسے سوس پین میں ڈال کر آمیزے کے ساتھ مکس کریں، ڈھکن ڈھک کر دھیمی آنچ پر تین منٹ تک پکائیں، مزے دار چکن کارن سوپ تیار ہے، سرونگ باؤل میں نکال کر ہرا دھنیا سے گارنش کر کے سرو کریں۔

چکن پی نٹس اینڈ چلی سوپ

اشیاء

مرغی	آدھا کلو
(بون لیس کیوبز میں کاٹ لیں)	
ادرک (باریک کی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
سرکہ	ایک چائے کا چمچہ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
ثابت لال مرچ	دس بارہ عدد
مونگ پھلی	آدھا کپ
تیل	آدھا کپ
پیاز	ایک عدد
شملہ مرچ	ایک عدد
مرغی کی یخنی	ڈیڑھ کپ
چلی سوس	ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
(دو کھانے کے چمچے پانی ملا کر آمیز بنالیں)	
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

مرغی کے گوشت میں سرکہ، سویا ساس اور نمک لگا کر تیس منٹ تک کے لئے رکھ دیں، ایک سوس پین میں تیل گرم کر کے مونگ پھلی فرائی کر لیں اور پلیٹ میں نکال لیں۔

اس کے بعد اسی تیل میں پیاز ڈال کر فرائی کریں اور اس میں ادرک، مرغی کا گوشت ڈال کر فرائی کریں، گولڈن ہو جائے تو یخنی، چلی ساس، لال مرچ ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں، جب مرغی کا گوشت گل جائے تو کارن فلور کا آمیزہ ڈال دیں، ساتھ ہی شملہ مرچ اور فرائی کی ہوئی مونگ پھلی ڈال کر مسلسل چمچہ چلاتی رہیں، گاڑھا ہو جائے تو سرونگ ڈش میں نکال لیں۔

مونگ پھلی سے گارنش کر کے نوڈلز یا فرائیڈ رائس کے ساتھ سرو کریں۔

ہاٹ اینڈ ساور سوپ

اشیاء

مرغی کی ہڈیاں	دو کلو
مرغی	ایک کلو
(ابال کر ریشے کرلیں)	
جھینگے	ڈیڑھ کلو
(ابال کر چوپ کرلیں)	
چینی	ایک سو پچاس گرام
نمک	حسب ذائقہ
چائنیز نمک	چار چائے کے چمچے
سفید مرچ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
نارنجی یا سرخ رنگ	ایک چٹکی
مشروم (سلائس کیے ہوئے)	ایک سو پچاس گرام
بند گوبھی	آدھا کلو
(باریک کاٹ لیں)	
گاجر	آدھا کلو
(قاشیں کاٹ لیں)	
چلی ساس	ایک کپ
لیموں کا رس	ایک کپ
سرکہ	آدھا کپ
کارن فلور	ڈیڑھ کپ
ہری پیاز	ایک عدد
(سلائس کاٹ لیں)	
گوبھی	تین کھانے کے چمچے
انڈے (پھینٹ لیں)	دس عدد

ترکیب

سوپ بنانے کی تیاری میں اہم مرحلہ مرغی کی یخنی بنانے کا ہے، یخنی پانچ گھنٹوں میں تیار ہو گی، اس کے لئے ایک برتن میں سات کپ پانی ڈالیں اور ہڈیاں ڈال کر یخنی تیار کرنے کے لئے رکھ دیں، پانچ گھنٹے تک پکنے دیں، اس کے بعد ہڈیاں الگ کر کے یخنی چھان لیں، اس میں نمک، چائنیز نمک، چینی، چلی ساس، سفید مرچ پاؤڈر اور سرکہ ڈال کر دیں، پندرہ منٹ تک پکائیں، ایک پیالے میں کارن فلور میں پانی شامل کر کے اچھی طرح مکس کرلیں، کچھ دیر بعد مشروم، گاجر، بند گوبھی، مرغی، جھینگے اور پھینٹے ہوئے انڈے آہستہ آہستہ سوپ میں شامل کر کے چمچہ چلائیں اور چولہا بجھا دیں، مزے دار ہاٹ اینڈ ساور سوپ تیار ہے، سرونگ باؤل میں نکال کر بند گوبھی اور ہری پیاز کے سلائسز سے گارنش کر کے چلی گارلک سوس کے ساتھ سرو کریں۔

اسپائسی ویجی ٹیبل سوپ

اشیاء

پیاز	ایک عدد
شلجم	ایک عدد
(چھوٹے سائز کا)	

کدو	پچاس گرام
آلو	ایک عدد
مکھن	دو کھانے کے چمچے
ادرک پیسٹ	آدھا چائے کا چمچہ
دار چینی پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
ہری پیاز چوپ کی ہوئی	ایک کھانے کا چمچہ
سبزی کی یخنی	چار کپ
بادام (ہوائیاں کٹی ہوئی)	دو کھانے کے چمچے
تازی لال مرچ	ایک عدد
شکر	ایک چائے کا چمچہ
کوکونٹ کریم	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
ہرا دھنیا (گارنش کے لئے)	حسب ضرورت

ترکیب

پیاز کو چوپ کرلیں، شلجم کدو اور آلو کو چھیل کر درمیانے سائز کے ٹکڑے کاٹ لیں، سوس پین میں مکھن گرم کریں اور اس میں پیاز ڈال کر چار پانچ منٹ تک فرائی کریں، اس کے بعد اس میں شلجم، کدو اور آلو ڈال کر تین چار منٹ تک فرائی کریں، اس میں ادرک، دار چینی پاؤڈر، ہری مرچ، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر مکس کریں اور ہلکی آنچ پر دس منٹ تک پکائیں، اسی دوران مسلسل چمچہ چلاتی جائیں، سبزی کی یخنی، بادام، لال مرچ اور شکر ڈال کر چمچہ چلائیں اور ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکائیں، سبزیوں کے نرم ہونے پر اس میں کوکونٹ کریم شامل کریں، مزے دار اسپائس ویجی ٹیبل سوپ سرونگ باؤل میں نکالیں اور ہرا دھنیا سے گارنش کر کے سرو کریں۔

کولڈ چکن سلاد

اشیاء

چکن (بغیر ہڈی کے) (ابال کر چھوٹے ٹکڑے کرلیں)	دو بڑے ٹکڑے
آلو (ابال کر چھوٹے ٹکڑے کرلیں)	تین عدد
گاجر	تین عدد
مٹر (ابلے ہوئے)	ایک پیالی
سیب	دو عدد
پائن ایپل سلائس	چار عدد
چھلے بادام بھنے ہوئے	تین چار عدد
کشمش	دس دانے
تازہ کریم	ایک پیالی
سفید مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
چینی	آدھا کھانے کا چمچہ
میدہ	تین کھانے کے چمچے
دودھ	تین پیالی
سفید مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
مکھن	آدھا کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

چھوٹی دیگچی میں مکھن ڈال کر ہلکا گرم کریں پھر میدہ ڈال کر بھون لیں، دیگچی نیچے اتار لیں، پانچ منٹ بعد دودھ ڈالیں، لکڑی کے چمچے سے ہلاتے رہیں پھر دیگچی کو چولہے پر رکھ دیں، جب گاڑھی ہو جائے تو چولہا بند کردیں، تھوڑی دیر بعد سفید مرچ اور نمک ڈال دیں، وائٹ ساس تیار ہے، بڑے پیالے میں تمام سبزی اور چینی ملا کر ٹھنڈا ہونے پر فریج میں رکھ دیں، کشمش سے گارنش کریں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر خدمت ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

معدوم ہوتی زندگی ہمارے درمیان سے اوجھل ہو رہی ہیں، بہت سے حزن و ملال، مسرتوں، کامیابیوں اور آرزوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹے ایک اور سال اختتام پذیر ہوا، سائنس اور ٹیکنالوجی میں دنیا میں جتنی ترقی ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے اس سے زندگی بہت سہل ہو گئی ہے، لیکن حیرت انگیز ترقی کے پیچھے ایک طوفان بھی چھپا ہوا ہے، اب دنیا میں جو سب سے زیادہ غیر محفوظ ہے وہ انسانی جان ہے انسان ہی انسان کو مار رہا ہے، بہت تکلیف دہ حالات ہیں، ان حالات میں ذہن میں انتشار اور روح میں کلفت بس گئی ہے، ہم ان اندھیروں میں امید اور نا امیدی کے درمیان ایک نا قابل یقین کیفیت میں مبتلا ہیں، اگر کبھی امید کا دیا روشن ہوتا ہے تو نفرت کا ایک جھونکا اسے بجھا دیتا ہے ابھی پرانی آگ ٹھنڈی نہیں ہوتی کہ نئی آگ بھڑک اٹھتی ہے، مذہب اور فرقے کے نام پر خون کی ہولی شروع ہو جاتی ہے، ہنگامے چپ ہو جاتے ہیں، سناٹے بولنے لگتے ہیں۔

2013ء کا سورج ان ہی اداس کیفیات کے ساتھ غروب ہو گیا اور 2014ء کا طلوع ہوتے والا سورج بہت سی امیدوں اور آرزوؤں کا پیغام لے کر آیا ہے، نیا سال ایک بار پھر روشن امیدوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہے اس نئے سال کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو، مسلم امہ اور تمام دنیا کو ہر قسم کی آفات سے محفوظ رکھے اور یہ آنے والا سال امن و سلامتی اور وطن عزیز کے لئے خوشحالی کا سال ہو آمین۔

آپ سب کو نیا سال مبارک ہو۔

آپ کے خطوط کی محفل میں چلنے سے پہلے ایک بار پھر اس بات کا عہد کرلیں کہ درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کو ہم نے ہر پل، ہر لمحہ ورد زبان کرنا ہے، کیونکہ دنیا و آخرت کی کامیابی اسی میں پنہاں ہے اپنا خیال رکھیے گا اور ان کا بھی جو آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

لیجئے یہ رہی آپ کے خطوط کی محفل دیکھتے ہیں حنا کو چاہنے والے اپنی محبتوں کا اظہار کس طرح کر رہے ہیں۔

یہ پہلا خط ہے جی صادق آباد سے اریبہ بینش کا وہ لکھتی ہیں۔

دسمبر کا سرد موسم اور حنا کا چمکتا دمکتا ٹائٹل سے سجا حنا اور چائے کا کپ، واہ ذرا آپ بھی تصور کریں۔

فوزیہ آپی اس بار ٹائٹل واقعی بے حد خوبصورت خصوصاً ماڈل کی جیولری اور مسکراہٹ، خیر آگے بڑھے، اشتہارات کے دس صفحے پھلانگے اور حمد و نعت، پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں سے دل کو منور کیا، ارے یہ انشاء جی کیا کہہ رہے ہیں، گھوڑے کو باپ، حسب روایت مزاح

سے بھرپور کالم تھا، ایک دن حنا کے نام میں فوزیہ غزل سے مل کر اچھا لگا بڑی سادگی اور برجستگی سے اپنے شب و روز کا ذکر کیا، جیو اُم مریم، کیا بات ہے آپ کی "تم آخری جزیرہ ہو" کی اس مرتبہ کی قسط بھی بے حد پسند آئی، بس ذرا پرنیاں کی ہٹ دھرمی نے بور کیا بقیہ اگلی قسط میں وضاحت کردیں گی آپ اس کی اس ضد کی، دوسرا ناول پورا رسالہ کا چھان مارا مگر "وہ ستارہ صبح امید کا" نے ہماری امیدوں کو مایوسی سے بدل دیا، یہ کیا بات ہوئی ہر مصنفہ نے وطیرہ بنالیا ہے اینڈ پہ آکر غائب ہونے کا، سچ میں بڑی کوفت ہوئی، فوزیہ کی جگہ میں سدرۃ المنتہیٰ کا نیا سلسلے وار ناول ملا، سدرہ ایک بڑا نام، پہلی قسط میں تو ابھی کہانی کی الف ب سمجھ نہیں آئی مگر یقین ہے کہ سدرہ کی یہ تحریر عام تحریروں سے ہٹ کر ہوگی، وہ ہمیشہ اہم موضوع پر قلم اٹھاتی ہیں۔

سندس جبیں اس مرتبہ آپ کا "کاسہ دل" کی قسط بڑی سست سی دکھائی دی، کہانی کچھ رک سی گئی ہے پلیز کچھ خوشیاں حیا کے دامن میں بھی ڈال دیں، عزہ خالد کا ناولٹ "نایاب ہیں ہم" بے حد پسند آیا، عزہ نے بڑی خوبصورتی سے کہانی کے ہر کردار کے ساتھ انصاف کیا، افسانوں میں کنول ریاض کا افسانہ بے حد پسند آیا، آپ نے ٹھیک کہا کنول جی محبت کے قیدی کو کبھی رہائی نہیں ملتی، سیمی کرن کا آسیب ایک اچھوتے موضوع پر تھا، عمارہ حامد کی تحریر بھی پسند آئی، عمارہ آپ کے والد صاحب کی وفات کا جان کر دکھ ہوا اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے آمین، مستقل سلسلے بھی اپنی جگہ بے مثال تھے خصوصاً دستر خوان بے حد پسند آیا، کتاب نگر تو ہمیشہ کی طرح منفرد تھا، سیمی آپی پلیز آپ جاوید چوہدری عرفان صدیقی، مشتاق یوسفی کی بکس پر ضرور تبصرہ کریں۔

اریبہ بینش خوش آمدید، دسمبر کا شمارہ آپ کو پسند آیا ہمیں یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی، آپ کی پسندیدگی مصنفین تک پہنچائی جارہی ہیں اور آپ کی فرمائش بھی ان سطور کے ذریعے سیمی کرن تک پہنچ گئی، یقیناً وہ آپ کی پسند کا احترام کریں گی، اُم مریم کا ناول ابھی کئی نئے موڑ لے گا، یقیناً پرنیاں بھی نرم پڑ ہی جائے گی، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ہم منتظر ہیں گے شکریہ۔

فریال امین: خانیوال سے لکھتی ہیں۔

دسمبر کا شمارہ اللہ اللہ کرکے گیارہ تاریخ کو ملا، ٹائٹل دیکھ کر دل خوش ہوگیا ماڈل کا لباس، میک اپ، جیولری ہر ایک چیز پرفیکٹ تھی، سردار انکل کی باتیں ہمیشہ کی طرح سبق آموز تھیں، اسلامیات کے حصے کی کیا تعریف کریں، حمد و نعت پیارے نبی کی پیاری باتیں، جن سے ہمیں بہت معلومات ملتی ہے، انشاء جی اپنے کالم کے ذریعے مسکراہٹیں بکھیرتے نظر آئے، فوزیہ جی پلیز آپ ان کی شاعری کو بھی جگہ دیا کریں۔

ارے یہ کیا فوزیہ غزل جی نے اپنا ایک دن حنا کے نام کیا بہت خوب، فوزیہ غزل ہمیں بے حد اچھا لگا آپ کا انداز بیاں، کیا اس مرتبہ ناول کی قسط کیوں نہیں لکھی آپ نے، پلیز ایسا نہ کیا کریں قاری کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے اب تو کہانی سست رہی تھی، اُم مریم حنا کے ابتدائی صفحات پر آپ کو براجمان دیکھ کر خوشی ہوئی آپ کی تحریر کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ آپ اپنے کرداروں سے کتنی محبت کرتی ہیں، آپ سے گزارش ہے کہ پلیز زینب کو خوشیاں دینے کے چکر میں کہیں ڈالے کے ساتھ ناانصافی نہ کیجئے گا بس ہم یہی چاہتے ہیں آپ سے، اب بات ہوجائے "کاسہ دل" کی سندس آپ کی تحریر میں تو ہر کسی کا "کاسہ دل" خالی ہی نظر آرہا ہے، وہ علینہ ہو، حبا ہو، یا شاہ

بخت، پلیز شاہ بخت کو غلط مت دکھائے گا اور مصعب شاہ کے کردار کو اب سامنے لائیے، دوسرا ناولٹ عزہ خالد کا تھا اس سے پہلے یہ نام حنا میں نظر نہیں آیا، لیکن تحریر کی پختگی بتاتی ہے کہ خاصی منجھی ہوئی لکھاری ہیں، اللہ کریں زور قلم اور زیادہ عزہ اتنی اچھی تحریر پر مبارک باد۔

مکمل ناول دونوں ہی بے حد اچھے تھے، حمیرا خان کا طرز تحریر سادہ ہونے کے باوجود دلچسپی سے بھرپور تھا، ہما عامر بھی طویل عرصے کے بعد آئی، افسانوں میں سیمی کرن کا افسانہ سب سے بہترین تھا، سیمی نے اس بیماری پر لکھا ہے جو ہمارے ہاں عام ہے اور اپنی لاعلمی کے سبب ہم اسے جادو ٹونہ اور آسیب ہی سمجھتے ہیں بہت شکریہ سیمی جی، نازیہ ضیاء کافی عرصے بعد آئیں، اچھا لکھا آپ نے بھی، قرۃ العین رائے کی تحریر کچھ خاص پسند نہیں آئی، حاصل مطالعہ، رنگ حنا، میری ڈائری اور بیاض ہر سلسلہ اپنی مثال آپ ہے، فوزیہ آپی ایک دن حنا کے نام میں آپ اُم مریم، سباس گل اور کنول ریاض سے کب ملوا رہی ہیں، سدرۃ المنتہیٰ آپ کو حنا میں دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی آپ کی انٹری بڑی زور دار طریقے سے ہوئی اور "اک جہاں اور ہے" یقیناً حنا میں خوبصورت اضافہ ہے، ہم آپ کو دل و جان سے خوش آمدید کہتے ہیں۔

فوزیہ آپی قیامت کے یہ نامے میں آپ نے اپنی مصنفین کے لیے جس محبت کا اظہار کیا وہ بے حد قابل ستائش ہے۔

فریال امین خوش آمدید، خاصے طویل عرصے کے بعد آپ نے اس محفل میں شرکت کی، خیریت تھی نہ؟ اتنا عرصہ کہاں غائب رہیں، حنا کی تحریروں کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی فرمائش مصنفین تک پہنچا دی ہیں، انشاء اللہ جلد وہ بھی اپنے شب و روز کے احوال کے ساتھ آئیں گیں، انشاء جی کی شاعری والی فرمائش ہم اس ماہ پوری کردی خوش۔

اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیے گا ہمیں خوشی ہوگی شکریہ۔

نورین الطاف: سرگودھا سے لکھتی ہیں۔

دسمبر کا شمارہ پسند آیا، فوزیہ غزل کا ناول کیوں نہیں اس ماہ شائع ہوا، اُم مریم آپ کی تحریر کچھ یکسانیت کا شکار ہوگئی ہے یہ کیا معاذ اور پرنیاں کے ہی آپ نخرے اٹھا رہی ہیں، ارے بھئی باقی سب کو بھی جگہ دیں۔

سندس جبیں آپ کی تحریر بے حد اچھی لگی پلیز اب جلدی جلدی اس کا اینڈ کریں، کنول ریاض آپ کا افسانہ اچھا لگا، مکمل ناول ہما عامر کا پسند آیا جبکہ حمیرا خان نے بھی اچھی کوشش کی، عمارہ حامد، آپ کے والد کے بارے میں جان کر دکھ ہوا، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے، عزہ خالد آپ نے بھی اچھا لکھا، مستقل سلسلوں میں سب سے پسندیدہ سلسلہ کتاب نگر اور قیامت کے یہ نامے ہیں، فوزیہ آپی کی محبتوں کا چشمہ سبھی کے لیے یکساں بہتا ہے، آپی میری شدید ترین خواہش ہے کہ میں آپ سے ملوں۔

نورین الطاف خوش آمدید حنا کو پسند کرنے کا شکریہ، ہم آپ سے زیادہ دور نہیں، کسی دن تشریف لے آؤ لاہور پھر مل بیٹھیں گے، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

ثمینہ شیخ: جڑانوالہ سے لکھتی ہیں۔

سردار انکل کی باتیں ہماریاں اور آپ کے خطوط کی محفل کے اولاً الفاظ وطن کی محبت سے لبریز وطن کے دکھوں سے آشنا ہمارے دل کو بھی درد سے آشنا کردیتے ہیں حالانکہ یہ درد کبھی دل سے گیا ہی نہیں یا یوں کہیں آپ ہمارے گونگے

بھرے لفظوں کو قلم کی زبان بخش دیتے ہیں یہ کیسی محبت ہے یہ کیسی جذبہ ہے جو ہمارے رو میں رو میں سے لپٹا ہوا ہے ہم بے لوث ہوتے ہوئے بھی اپنی بے اختیاریوں کے بے بسی کے جواز ڈھونڈتے ہیں بات یہ ہے کہ ہمارے جذبے کی ساکن جھیل میں پہلا پتھر پھینکنے کی ضرورت ہے دائرے خود بخود بنتے چلے جائیں گے اور اس مظلوم شہر گاہ میں جہاں بھر تیں اندھی اور بے دانشی کھیتیں لگاتی ہے شاید کہ اپنی ارض پاک کو خونی آندھیوں سے بچالیں، قلم میں بڑی طاقت ہوتی ہے روح کو جھنجوڑ دینے والی قدم اٹھانے پر مجبور کرنے والی طاقت کاش کہ ہم اپنی طاقت کا استعمال کریں قلم کو تلوار بنائیں، ہم کیوں خضر کے منتظر رہتے ہیں ارے خضر کو ہمارے اندر ہے خضر ہمیں خود بننا ہے اور اپنی ارض پاک کو بچانا ہے، طبیعت مکدر ہو چکی ہے شاید میں مکمل طور پر تبصرہ نہ لکھ پاؤں، ہاں سدرۃ المنتہیٰ کا سلسلے وار ناول پڑھ کر یوں لگا جیسے بشریٰ رحمن یا رفعت سراج کو پڑھ رہے ہوں اتنے خوبصورت پیرائے میں شروع ہونے والا ناول بہت خوبصورت انداز میں پرت در پرت قاری پر کھلے گا فوزیہ غزل کی گہری ریسرچ اور پائیدار تحریر لازوال ہو گئی لیکن اس بار ناول کی غیر موجودگی اچھی نہ لگی یہی کرن، عمارہ جی اور قرۃ العین رائے کے افسانے اچھے سبق آموز تھے، کرشن چندر کی کتاب پر یہی جی کا تبصرہ شاندار تھا، ثمینہ شیخ کا تبصرہ طویل مگر جاندار و مزیدار تھا۔

ثمینہ شیخ، بہت شکریہ آپ کی محبت کا، انشا اللہ اب وہ دن دور نہیں جب وطن عزیز میں امن و خوشحالی کا دور دورہ ہو گا بس اک ذرا انتظار، صبر و تحمل کے ساتھ تحریروں کی پسندیدگی کے لئے شکریہ۔

عمارہ نثار: منڈی بہاؤ الدین سے آئی ہیں اور اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

دسمبر کا شمارہ بے حد پسند آیا، آپی ٹائٹل پر آپ لوگوں کی توجہ آنکھوں کو بے حد بھلی لگ رہی ہے، اس ماہ خط لکھنے کی وجہ فوزیہ غزل کا ناول "وہ ستارہ صبح امید کا" کی غیر موجودگی ہے، فوزیہ غزل پلیز آپ اکثر ہی تین چار ماہ کے بعد غائب ہو جاتی ہیں، سدرۃ المنتہیٰ کا نیا سلسلے وار ناول "اک جہاں اور ہے" کی پہلی قسط پسند آئی، امید واثق ہے کہ جوں جوں ناول آگے بڑھے گا دلچسپی بڑھتی جائے گی، سندس جبیں بڑی محنت کے ساتھ "کاسہ دل" لکھ رہی ہے، ہر کردار پر ان کی گرفت مضبوط ہے، ناول میں حمیرا خان کا نام نمایاں نظر آیا، شروع سے آخر تک مصنفہ نے بڑے اچھے طریقے سے حل کیا، ہما عامر کا "ملال رتوں کے گلاب" کافی ابھی سی تحریر تھی، سمجھ نہیں آئی مصنفہ کہنا کیا چاہ رہی ہیں کرداروں کی بھر مار، ام مریم آپ تو ہمیشہ ہی اچھا لکھتی ہیں، سو اس بار بھی "دسمبر پر" افسانے چھ کے چھ ہی پسند آئے، یہی جی آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے آپ ہر مصنف کو بڑے اچھے پیرائے میں لکھتی ہیں، مستقل سلسلے بھی سبھی اچھے تھے، عمارہ حامد دکھ کی اس گھڑی میں میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو صبر عطا کرے آمین۔

عمارہ نثار خوش آمدید، دسمبر کے حنا کو پسند کرنے کا شکریہ، فوزیہ غزل کا ناول اس ماہ شامل ہے خوش، اپنا خیال رکھنا اور اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆